

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نورانی شریعت

مضامین:

مفت محمد امجد علی شاہ صاحب مدظلہ العالی، مفت محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی، مفت محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی

سید محمد رفیع

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

کی جامع تفسیر اور صحیح تفسیر

خیرِ محمدی نوری البشیریت

مَصْنُوع

من خواستہ اسلام برضویا علیہ السلام عبد الشارہ بدانی
تصنیف و یکتا نوری



شبیر بکر اکرار

۳۰۔ اردو بازار۔ زمیہ سنٹر لاہور

marfat.com

صَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأَمِيِّ وَأَلِهِ
 صَلَّيَ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 صَلَوةً وَسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ

نام کتاب	-----	غیر بشری نوری بشریت
تصنیف	-----	علامہ عبدالستار ہمدانی برکاتی نوری
صحیح	-----	ارشاد علی حبیبانی ”جان“ جہل پوری
تحریک	-----	مولانا حافظ نصیر احمد پڑاوی
	-----	جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
طہاعت	-----	مئی 2004ء
کپڑے	-----	افضل حسین
ناشر	-----	شبیر برادرز لاہور
قیمت	-----	روپے

ملنے کے پتے

شبیر برادرز 40 اردو بازار لاہور

ادارہ پیغام القرآن 40 اردو بازار لاہور

marfat.com

شرف انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے آقائے نعمت،
تاجدار اہل سنت، شہزادہ سید ناصر کارا علی حضرت،
ہم خدیوہ غوثیہ اعظم، ہامپ امام اعظم، مظہر مجتہد اعظم،

سیدی و سندی و ملائی و بلوچی

حضور مفتی اعظم عالم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں قبلہ

بریلوی عالیہ الرحمہ دارضوائی کی ذات باریکات سے منسوب کر رہا ہوں۔ جن کی ایک توجہ نے میری
وہ ناجاہل دی اور مجھے دہائیت کی گمراہی کے دلدل میں غرق ہونے سے بچا کر ایمان کی لازوال دولت عطا
فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے بے شمار گل ان کے حرقہ مقدس پر تاقیامت نازل ہوتے رہیں اور
ان کے فیوض بركات سے ہم ہمیشہ مستفیض و مستفید ہوتے رہیں۔

آمین! بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

ذمہ کار

خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مظہرہ اور

خانقاہ نور پور برہنہ بریلی شریف کا ذاتی سوانی

عبدالستار ہمدانی ”معروف“ برکاتی نوری

مرکز اہل سنت، بركات رضا

امام احمد رضا روڈ، پور بندر، مگرات۔

گلہائے ناشر

اللہ تعالیٰ کا ہزار بار شکر جس نے ناچیز کو اپنے پسندیدہ دین کی اشاعت کا شرف عطا فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پیارے رسول مختار و عالم نبی مکرم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ یکس پناہ میں لاکھوں درود و سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کی نگاہ رحمت نے قدم قدم پر سہارا دیا اور ہمارا ”اشاعتی ادارہ“ شبیر برادرز لاہور آج ایک مرکز اشاعت سے مشہور و معروف ہے۔
(الحمد للہ تعالیٰ)

”شبیر برادرز“ نے اشاعتی محاذ پر قدم رکھتے ہی علمائے اہل سنت کی نہایت مستند علمی، تحقیقی، تاریخی، اصلاحی، تبلیغی اور معیاری کتب کو اعلیٰ اور عمدہ طبعات سے آراستہ و ہیراستہ کرنے کی طرح ذالی کاغذ، ٹائٹل، جلد بندی وغیرہ سے ہر کتاب کو دیدہ و زیب بنایا گیا۔ جس کے باعث خاص و عام نے اپنی توجہ مبذول فرمائی اور قبولیت کا بڑی عموگی سے مظاہرہ کیا۔ نیز دیگر اداروں کی بہ نسبت قیمت کو نہایت مناسب سطح پر رکھا تاکہ ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق کتاب یا سالی خرید سکے۔

ہمارا اشاعتی پروگرام اس تیزی سے ترقی نہ کرتا اگر ہمیں ممتاز علماء کرام کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی جن میں درج ذیل محسنین اسلام و ملیت خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

☆ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ

(بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور شیخوپورہ)

☆ تحقیق عمر شیخ المدیست حضرت علامہ مولانا محمد عبدالکیم شرف قادری مدظلہ

بانی مکتبہ قادریہ لاہور

☆ ادیب شہید حضرت علامہ مولانا محمد فاضل انصاری

صدر شعبہ قادری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

☆ محترم القام حضرت الحاج محمد مقبول احمد قادری ضیاء مدظلہ

بانی رضا اکیڈمی لاہور

اور اب حضرت علامہ مولانا مفتی صاحبزادہ محمد عبدالصطفی ہزاروی مدظلہ 'شیخ المدیست' جانشین مفتی اعظم پاکستان و عالم اہل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی سرپرستی میسر ہے۔ جن کی وساطت سے ادارہ کو قائل قدر اور لائق اشاعت کتابیں وصول ہوتی رہیں گی۔ جنہیں طباعت و اشاعت سے آراستہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

موصوف کے وسیلہ سے پیش نظر نہایت جامع اور تحقیقی کتاب "خیر بشر کی نوری بشریت" حاصل ہوئی جسے ملت اسلامیہ کی نامور مذہبی شخصیت محترم و مکرم جناب حاجی محمد رفیع صاحب برکاتی قادری و اہمیت برکاتہم العالیہ نے عطا فرمائی جو برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کے بانی و سربراہ ہیں۔

ہم موصوف کی اس شفقت و کرم نوازی پر تہ دل سے شکر یہ ادا کرتے ہوئے متمسک ہیں کہ صحیح عقائد و نظریات پر مبنی تصانیف عنایت فرماتے رہا کریں۔ انشاء اللہ العزیز ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اشاعت کے سلسلہ میں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ اب ہماری طبیعتی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع و کشادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہم نے عزم مصمم کر رکھا ہے کہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کے علاوہ بڑی بڑی کتب کو بھی اہل علم و دقلم اور شائقین مطالعہ کی خدمت میں پورے اعتناء سے پیش کرتے رہیں ابھی حال میں مندرجہ ذیل کتابوں کو شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی چند ایک کے نام ملاحظہ فرمائیے۔

جامع الاحادیث (کامل چھ جلد) (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ)

فتاویٰ حامیہ

فتاویٰ بریلی شریف

فتاویٰ فیض الرسول (کامل تین جلد)

فتاویٰ برکاتیہ

امام احمد رضا اور علم حدیث (کامل ۳ جلد)

نجات الانس "بہار شریعت کامل (۲۰ حصے)

سنہری عبادت ترجمہ کیسائے سعادت

زیست المحافل ترجمہ زندہ المجالس

اور ان کے علاوہ سینکڑوں کتابیں جو مسلک حق اہل سنت و جماعت کی ترجمانی و

پاسبانی پر مبنی ہیں شائع ہو چکی ہیں۔

سیدین نمبر:

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنی اشاعتی تاریخ میں خانقاہ عالیہ برکاتیہ ماہرہ شریف کی دو عظیم شخصیتوں کے احوال و آثار کو اس شان سے مرتب کر کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے کہ اس سے پہلے کسی سنی محلہ و جریہ نے اتنا عظیم اور ضخیم نمبر شاید ہی پیش کیا ہو۔ یہ نمبر تقریباً چودہ صد صفحات پر مشتمل خانقاہ عالیہ برکاتیہ ماہرہ شریف کی نہایت جامع اور مستند تاریخ ہے جہاں سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ایسے مجدد وقت نے بھی فیضان کا وسیع ذخیرہ اپنے دامن میں سمیٹا اور پھر پوری دنیا میں تاجن حیات تقسیم کرتے رہے۔

پاکستان میں پہلی بار "سیدین نمبر" کو اشاعتی لباس پہنانے کی ہم طرح ڈال چکے

ہیں۔

بس دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ ہمارے مقاصد حسنہ کو شرف قبول سے نوازے۔ آمین
زیر نظر کتاب "اشرفیہ" کو ہم نے کسی تہ کی تیغ نہیں۔ اس کے عالی

مرحبت معنف علامہ عبدالستار بھٹائی معروف برکاتی نوری مدظلہ عالم اسلام میں نہایت مقبول و منظور ہیں۔ ۱۰۰ سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں اور موصوف کی ہر کتاب تحقیق پر مبنی ہے۔ زیب مطالعہ کتاب کو ہی لہجے اور پڑھنے کے بعد فیصلہ کیجئے۔ یقیناً آپ کہیں گے کہ معنف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

فقط والسلام

ملک شبیر حسین

بانی ادارہ شبیر برادرز لاہور

۲۱ رجب الاول ۱۴۲۵ھ / ۳ مئی ۲۰۰۴ء

”خیر بشر کی نوری بشریت“

فہرستِ عنوانات

- عرضِ ناشر ۱۹
- تقریبِ طویل ۲۴
- بشر یعنی کیا؟ ۲۴
- حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا ”بشر“ کہا ۲۴
- حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا ”بشر“ کہا ۲۴
- حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اصحابِ الایمہ نے اپنے جیسا ”بشر“ کہہ کر جھٹلادیا ۲۸
- فرعون اور فرعونوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا ”بشر“ کہا ۳۲
- حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو حواریوں کو کافروں اور مشرکوں نے اپنے جیسا ”بشر“ کہا ۳۳
- اولوالعزم انبیائے کرام کو ”بشر“ کہا گیا ۳۵
- اگلی امتوں کے کفار انبیائے کرام کو ”بشر“ کہہ کر کافر ہوئے ۳۹
- حضور اقدس ﷺ کو بھی کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ نے اپنے جیسا ”بشر“ کہنے کی گستاخی کی تھی ۴۰
- سب سے پہلے انیس نے نبی کو ”بشر“ کہا ہے ۴۸

52

● انبیائے کرام کو اپنے جیسا "بشر" کہنے والوں کو شیطان نے عیسیٰ ذمیت

۵۸

● انبیائے کرام کے خلاف کی جانے والی برساؤں میں شیطان شریک ہوتا

4. $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

۴۰ ○ دلائل و دہ کی میٹنگ میں شیطان بصورت شیخ نجدی حاضر تھا

۶۳ ﴿ قوم لو ط کو لو ا ط کا فعل قبیح شیطان نے سکھا مے ﴾

© قرآن شریف میں حضور اقدس ﷺ کے لیے قُتْلُ اِنْمَا اَنَاسُفُ

متلکم "کارشاد خداوندی کیوں نازل ہوا ہے؟" ۶۶

حضرت سیدنا یحییٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ۷۲

حضرت عزرب بن شراحيل الصلوة والسلام

سیدوں نے حضرت عزیر کو اور عیساؑ کو۔ قرعہ حضرت عیسیٰؑ کو ڈرا کہ اٹھا

١٨

حضرت ابراہیم علیہ السلام زخمی ہو گیا کہ اگر تیرے

سہ جہ کو مشورہ کر دیا۔ یعنی

۳۱

۸۲

عظیم الشان معجزات

مرحہ لڑکی کو قبر میں زندہ فرمایا

پکائی ہوئی بکری پھر زندہ ہو گئی

(۷) حضرت جابر بن عبد اللہ کے دو مرد: میٹوں کو زندہ فرمایا۔۔۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے

- ۹۱ حضورِ اقدس کو پتھر، درخت چٹان وغیرہ سلام کرتے تھے
- ۹۲ جانوروں نے رسالت کی گواہی دی اور کبدہ تعطیس کیا
- ۹۳ مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے
- ۹۴ درخت اپنی جڑیں اکھاڑ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا

لمحہ فکر یہ !!!

- ۹۵ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت قرآنی کا مطلب و معنی اور اس کی صحیح تفسیر
- ۱۰۰ آیت کے شروع میں وارہ لفظ "قُلْ" کے استعمال میں کیا حکمت

- ۱۰۳ خداوندی ہے؟
- ۱۰۵ قرآن میں "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہنے کی کیا وجہ ہے؟
- ۱۰۸ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا خلاصہ اور اس کی ضروری وضاحت
- ۱۰۹ آیاتِ حکمت
- ۱۱۲ آیاتِ تشابہات
- ۱۱۲ آیاتِ تشابہات کے متعلق مزید وضاحت
- ۱۱۹ منافقین آیاتِ تشابہات کے ظاہری معنی کو دلیل بنا کر گمراہی سے پہنچاتے ہیں
- ۱۲۱ ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ
- ۱۲۲ سیدنا فاروقِ اعظم کا ارشادِ گرامی
- آیاتِ حکمت و تشابہات کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس کا ارشاد
- ۱۲۴ حوالی
- ۱۲۶ "أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیاتِ تشابہات سے ہے

○ بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی غرض سے منافقین زمانہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کی طرح دیگر آیات مظاہرات کو بھی دلیل بناتے ہیں۔ ۱۲۷

○ "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" کا صحیح ترجمہ اور آیت کی تفصیلی وضاحت و تفسیر ۱۳۳

○ جلیل القدر صحابی رسول حضرت ابوعبیدہ نے آیت شریف "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" کا کیا ترجمہ اور وضاحت بیان فرمائی ہے؟ ۱۳۷

○ قلندعلیٰ کے حاکم کا تعارف اور اسلامی لشکر سے مقابلہ کی کیفیت حاکم یوحنا کو حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ہی عربی زبان کا علم عطا فرما

دیا۔ ۱۴۰

○ پھر کیا ہوا؟ حاکم یوحنا نے کیا کیا؟ ۱۴۲

○ "ضَالًّا" کا ترجمہ و ارفہ ہونے کی ایک مزید قرآنی شہادت ۱۴۸

○ سورۃ الفتح اور سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں وارد لفظ "نسب" بمعنی منشاہ نہیں۔ ۱۵۱

○ غلغلہ لغات ۱۵۶

○ عربی زبان کی لغت کے متعلق ۱۶۰

○ لغت کے تعلق سے کی گئی گفتگو کا حاصل ۱۶۲

○ ایک ضروری نکتہ ۱۶۵

○ امام احمد رضا کے ترجمہ پر اعتراض کے امکان کا مقدمہ اور اختصاراً تحقیق ۱۶۹

○ جواب ۱۶۹

○ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" خطاب کن سے ہے ۱۷۰

○ حضور اقدس نے صحابہ کرام سے کیا فرمایا؟ اور صحابہ کرام حضور اقدس کو

اپنے جیسا "بش" کہتے تھے انہیں ایسا کہنا کہتے تھے؟ ۱۷۸

قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کو دلیل بنا کر کوئی

۱۸۱ عقیدہ یا عمل مقرر کرنا گمراہیت و سب و غی کا دروازہ کھولنا ہے۔

۱۸۶ حضرت سیدنا موسیٰ علی نے بے علم واعظ کو مسجد سے نکلوا دیا۔

۱۸۷ قرآن مجید کی منسوخ اور تاریخ آیتوں کے متعلق۔

۱۹۱ لکم دینکم ولی دین آیت منسوخ ہے اور کیوں منسوخ ہے؟

۲۰۰ منافقین زمانہ منسوخ اور متشابہ آیات ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

۲۰۲ کافر کو کافر کہنا چاہیے یا نہیں؟

۲۱۳ قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر و وضاحت کے متعلق۔

۲۱۵ قرآن کی تفسیر۔

۲۱۶ تفسیر قرآن از قرآن۔

۲۱۷ تفسیر قرآن از احادیث۔

۲۱۸ تفسیر قرآن از صحابہ کرام۔

۲۲۰ تفسیر قرآن از تابعین۔

۲۲۱ دو رباعین کے بعد کے منسبین۔

۲۲۸ اللہ و رسول کا فرمان اور منافقین زمانہ کے اقوال۔

”اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کی طرح دیگر آیات قرآنیہ میں بھی منافقین زمانہ

۲۳۰ کے خلاف تراجم۔

۲۳۲ اللہ تعالیٰ کی شان میں لفظ ”مکو“ کا استعمال۔

۲۳۳ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ”داؤ“ کا استعمال۔

۲۳۴ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ”دعا“ کا استعمال۔

۲۳۵ حضرت آدم کے لیے ”گمراہ“ اور ”نافرمانی“ کے الفاظ کا استعمال۔

”اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے لفظی معنی کو دلیل بنا کر حضور اکرم کو اپنے جیسا

۲۴۲ ”بشر کہنے والے خود اپنی جال میں جھپٹتے ہیں۔

- دلیل نمبر۔ ۱ ۲۴۳
- دلیل نمبر۔ ۲ ۲۴۵
- دلیل نمبر۔ ۳ ۲۴۸
- دلیل نمبر۔ ۴ ۲۴۹
- دلیل نمبر۔ ۵ ۲۵۸
- دلیل نمبر۔ ۶ ۲۶۲
- حضور اقدس ﷺ کیسے بشر تھے؟ ۲۶۹
- حضور اقدس کی نورانی بشریت ۲۷۱
- نور معظنی ۲۷۶
- قرآن میں حضور اقدس کو ”نور“ کہا گیا ہے ۲۷۹
- قرآن میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ اللہ کی واضح دلیل ہیں ۲۸۰
- ایک اہم سوال ۲۸۳
- حضور اقدس ﷺ کی تین حیثیتیں ۲۸۴
- حضور اقدس ﷺ کی کیفیت صوری بشری ۲۸۶
- حضور اقدس ﷺ کی کیفیت صوری حقیقی ۲۸۸
- حضور اقدس ﷺ کی کیفیت صوری ملکی ۲۸۸
- حضور اقدس ﷺ کی تابناک اور درخشاں نوری بشریت اور صورت بشری کے اعجاز و کمالات ۲۹۰
- صورت بشری کے اعجاز و کمالات ۲۹۰
- بے مثل ولادت باسعادت ۲۹۲
- ولادت کے وقت ہی معجزات کا ظہور ۲۹۳
- جسم اقدس کے ہر حصے کی آلودگی ۲۹۴

- ولادت کے وقت نور کی بارش ۲۹۴
- ولادت کے وقت ہی پوری دنیا حضور کے قبضہ میں ۲۹۵
- خانہ کعبہ جدے میں جھکا ۲۹۶
- گہوارے میں سے جدہ انگی کا اشارہ فرماتے ادھر چاند جھک جاتا۔ ۲۹۷
- آپ مختون پیدا ہوئے ۲۹۸
- عالم شیر خواری میں گہوارہ میں نکلام فرمانا ۲۹۸
- بے مثل ایام طفلی ۲۹۹
- اقوال ائمہ دین ۳۰۲
- نورانی چہرے کا بے مثل جمال ۳۰۵
- چہرہ اقدس انوار الہیہ کا آئینہ ۳۰۵
- چہرہ انور سورج کی طرح درخشیں ۳۰۶
- چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ۳۰۶
- آفتاب کی طرح چمکنے والا چہرہ انور ۳۰۶
- چاند سے بھی زیادہ منور چہرہ انور ۳۰۷
- چہرہ انور کی روشنی سے گم شدہ سوئی مل گئی ۳۰۷
- سب سے زیادہ حسین اور جمیل ۳۰۷
- پسینہ مبارک کی خوشبو سب سے اعلیٰ مہک ۳۰۸
- تمام خوشبوؤں سے بہتر پسینہ اطہر کی خوشبو ۳۰۸
- دہن کے لیے پسینہ اطہر کی خوشبو لگانے سے پورا شہر مہک اٹھا ۳۰۹
- حضور اقدس جس راستے سے گزرتے تھے وہ راستہ مہک اٹھتا تھا ۳۰۹
- جس کے بدن کو حضور ہاتھ سے مس فرماتے، اس میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ۳۱۰
- منکب وغیرہ سے جسم اقدس کی خوشبو نکلتی اور پھرتی ۳۱۱

- ۳۱۲ مقدس کان کی قوت ساعت
- ۳۱۲ آسمان کی چرچاہت ساعت فرماتا
- ۳۱۳ حکیم باد سے لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز
- ۳۱۳ حضور اقدس ﷺ کے احباب و یمن کا اعجاز
- ۳۱۳ مدینے کا کھاری کنواں سب سے ٹٹھا کنواں بن گیا
- ۳۱۴ کنویں کے پانی میں منگ کی خوشبو پیدا ہو گئی
- ۳۱۴ حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کی دکھتی آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں
- ۳۱۵ یمن کا کھاری کنواں یمن کا سب سے ٹٹھا کنواں بن گیا
- ۳۱۶ ہاتھ کا پھوڑا فوراً دور ہو گیا
- ۳۱۶ مقدس آنکھیں
- ۳۱۶ جب موت کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرمادیا
- ۳۱۸ آگے پیچھے اور رات کی تاریکی میں دیکھنا
- ۳۲۰ حضور اقدس کے دیگر جسمانی خصائص
- ۳۲۱ حضور اقدس طبعی طور پر جماعی سے منزہ تھے
- ۳۲۱ دست اقدس (ہاتھ) کا پرکھ اف اعجاز
- ۳۲۲ دست اقدس پھیرتے ہی ٹوٹا ہوا پاؤں درست ہو گیا
- ۳۲۳ زخمی آنکھ کا رخسار پر لٹک جانا اور دست اقدس سے درست فرمادینا

۳۲۶ قابل غور و فکر حقیقت

- ۳۲۸ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور کے اُمتی ہونے کی تمنا فرمائی
- ۳۲۸ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور کے اُمتی بن کر تشریف لائیں گے
- ۳۳۲ منافقین زمانہ کا دعویٰ کہ عمل میں اُمتی نہیں ہے نہ جتنا

- حضور اقدس کی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں ۳۳۸
- حضور اقدس صُورت بشری ہی میں دنیا میں کیوں تشریف فرما ہوئے؟ ۳۳۹
- حضور اقدس کیوں صُورت بشری میں دنیا میں تشریف لائے اس گفتگو کا ماحصل ۳۴۹
- حضور اقدس "نوری بشر" تھے لہذا آپ کے اور آپ کے امتیوں کے لیے شریعت کے احکام بھی الگ الگ تھے ۳۵۱
- کلہ شریف کا فرق ۳۵۱
- ارکان اسلام ۳۵۲
- نماز کی فرضیت کا فرق ۳۵۳
- بیٹہ کر امامت نماز فرمانا ۳۵۳
- عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنا ۳۵۴
- سو جانے (نہند) سے حضور کا وضو نہیں ٹوٹتا ۳۵۵
- بیک وقت نکاح میں عورتوں کی تعداد کا فرق ۳۵۶
- صدقے اور زکوٰۃ کا مال حضور پر اور حضور کی آل پر حرام ہے ۳۵۷
- امتی کی بیوہ عورت کا نکاح ثانی ۳۵۷
- امتی کی وراثت تقسیم ہوتی ہے جب کہ انبیائے کرام کی نہیں ہوتی ۳۶۰
- حضور اقدس ﷺ کا بول و براز اور خون پاک اور طاہر ہے ۳۶۱
- خوش انصیب ۳۶۳
- حضور اقدس ﷺ کو "بشر" کہنے والے کے لیے کیا حکم شرع ہے؟ ۳۶۸
- منافقین زمانہ کی ایک بے گنی بے شعور دلیل ۳۶۹

۲۷۷ حضورِ اقدس کو بشر کہنے کے متعلق شرعی حکم

- ۳۸۱ خوب یاد رکھو..... (○)
- حضورِ اقدس ﷺ کو اپنے جیسا "بشر" کہنے والے ذہورِ حاضر کے منافقین (○)
- ۳۸۳ اپنے پیشوا اور مولوی کو کیا کہتے ہیں؟..... (○)
- ۳۸۹ حل لغات..... (○)
- ۳۹۵ ٹائٹولی صاحب کا "کھدر پریم"..... (○)
- ۳۹۷ ٹائٹولی صاحب عالم نور میں رہتے ہیں اور خود بھی نور ہو گئے ہیں؟..... (○)
- ۴۰۶ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدین مولوی محمود الحسن دیوبندی ہیں؟..... (○)
- گنگوہی صاحب کی قبر کو کوہ طور سے تشبیہ دے کر "ارغی" یعنی تیرا جلوہ (○)
- دیکھا پکارا..... (○)
- ۴۱۲ خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر تعالویٰ صاحب کا ڈر؟..... (○)
- ۴۲۱ آیاتِ قرآن سے مسئلے کی وضاحت..... (○)
- ۴۲۷ اس سلسلہ کی چند دیگر آیات..... (○)
- ۴۳۳ منافقین زمانہ کے اعتقاد اور نظریات..... (○)
- ۴۴۰ مآخذ و مراجع..... (○)



نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مسئلہ شروع سے لے کر آج تک ہر دور میں زیر بحث رہا ہے۔ خصوصاً موجودہ زمانہ کے منافقین اپنے گستاخانہ جذبے کو تسکین دینے کے لیے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی ذوات مقدسہ کو صرف ”بشر“ یا ”اپنے مثل بشر“ کہتے ہیں اور اپنے اس فاسد نظریہ کی تائید میں قرآن مجید کی آیت کریمہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے معنی اور مفہوم کو من گھڑت طور پر دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔

بے شک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں، لیکن ان کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں، ان کی بشریت اور عام انسان کی بشریت میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اس عظیم فرق کو، چھی طرح سمجھنے کے لیے اس کتاب کو اوال تا آخر بغور مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کی بشریت کا معاملہ روز روشن کی طرح صاف اور عیاں ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی تفہیم اور توضیح کے سلسلہ میں ہماری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور ائمہ دین و بزرگان ملت کے اقوال و ارشادات معتبر کتابوں کے حوالوں سے ہی پیش کیے جائیں۔

”بشر یعنی کیا؟“

مختلف زبانوں کے لغات کا جائزہ لینے سے ”بشر“ کے لغوی معنی میں ① آدمی ② انسان ③ عرش ④ عبادِ مَکُونِی ⑤ مائوس ⑥ حیوانِ مائع یعنی مائوس ⑦ بلا حیوان ⑧ پرانی ⑨ مائوس ⑩ Mankind ⑪ Mortals ⑫ نفس ⑬ نئی آدم وغیرہ ہوتے ہیں۔ المختصر! بشر یعنی انسان اتنی بات ذہن نشین رکھو کہ اس بحث کوآگے بڑھائیں۔

اس دنیا میں جس کسی نے بھی بطور انسان جنم (پیدا ہونا) لیا ہے وہ چاہے مرد ہو، عورت ہو یا بچہ مرد اور عورت کے درمیان کا طبقہ یعنی مُکُونِی یعنی حُث (بچہ) ہو اس کو بشر کہا جائے گا۔ مائوس انسان یا آدمی کہا جائے گا۔ اس صحت پر پیدا ہونے والا یعنی مائوس میں جو بھی انسان پیدا ہوا ہے لہذا مستقل میں تاقیامت پیدا ہونے والا ہر انسان یعنی بشر مخلوق ہی ہے خالق نہیں۔ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہی خالق ہے۔ وہی کائنات کا خالق اور معبود یعنی مہادت کے لائق ہے۔

نسل انسانی کا آغاز تَخْلِیقَةُ الْاِنْسَانِ بِالْاَوَّلِ یعنی پہلا بشر حضور سید آدم علی نبیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا ہے۔ حضرت سید آدم علیہ السلام انسانیت کے دھماکا دہونے کی وجہ سے ”پہلا بشر“ کے لقب سے مقرب کیے جاتے ہیں۔ تمام انسان آپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ”آدمی“ کہے جاتے ہیں۔ انسان کی پیدائش کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام وغیرہ (اصولۃ الاسلام سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہا ہے)۔

نوع انسانی خصوصیتاً دو قسم پر ہے (۱) مرد و (۲) عورت۔ یہ دو قسم کے ہیں جن میں سے ہر ایک کے لیے ایک ہی نوع ہے۔ لہذا ان کو ایک شہرت کرتے ہوئے یہ مسلم اصول طے شدہ ہے کہ جس کسی نے بھی جنس انسان سے پیدا ہونے کا شرف حاصل کیا ہے پھر چاہے مرد ہو یا عورت اسے آدمی انسان یا بشر کہا جائے گا۔

آدمی، انسان یا بشر کی بھی کئی قسمیں ہیں، بے شمار اقوام، ذات، مکت، گوت، گوتز قبیلے، خاندان، نسل، حسب نسب، گھرانے، فرقتے وغیرہ میں انسان منقسم ہیں۔ ان تمام اقسام کا انفرادی تذکرہ نہ کرتے ہوئے صرف اسلامی نقطہ نظر سے انسان کو دو اقسام میں منقسم کریں یعنی (۱) مؤمن اور (۲) غیر مؤمن۔ قسم اول میں ایمان والے، موجد، مسلمان، مطیع فرمانبردار اور اللہ و رسول کے احکام کو تسلیم کرنے والے افراد کا شمار ہوگا۔ اور قسم دوم یعنی غیر مؤمن میں کافر، مشرک، یہودی، نصاریٰ، مجوسی، غیر موجد، مرتد، منافق، اور دیگر ادیان باطل کے قبیضین کا شمار ہوگا۔ المختصر مؤمن یعنی اللہ اور رسول اور اس کی کتابوں اور احکام کو ماننے والا اور غیر مؤمن یعنی انکار کرنے والا۔

ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی ہدایت اور بھلائی کے لیے انبیاء و مرسلین علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے۔ ہر نبی یا رسول کے زمانہ میں مؤمن اور غیر مؤمن دو قسم کے لوگ تھے۔ مؤمن اپنے نبی کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے ان کی ہدایت اور حکم کو ماننا تھا۔ جب کہ غیر مؤمن انکار کرتا تھا۔ ایوا البشر حضرت سیدنا آدم سے لے کر سید المرسلین، محبوب رب العالمین، رحمۃ العالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس تک کم و بیش ایک لاکھ، چوبیس ہزار (1,24,000) انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے۔ وہ تمام کے تمام انسان ہی تھے۔ ان میں کا ایک بھی نبی فرشتہ یا جات میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ نبوت کا تاج کرامت و شرافت صرف انسان کو ہی عطا ہوا ہے۔ اشرف المخلوقات یعنی انسان کے سوا کوئی بھی مخلوق نبوت و رسالت سے سرفراز نہیں کی گئی۔ علاوہ ازیں وہ تمام مقدس انبیاء کرام "مرد کامل" تھے۔ کسی بھی عورت کو نبوت عطا نہیں کی گئی۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی بھی عورت کو نبوت نہیں ملی تو اس کا حاصل کلام یہ ہوا کہ نوع انسانی میں سے صرف مردوں کو ہی نبوت ملی ہے۔ لہذا ہاری اسی بحث سے نوع انسانی کی قسم ثانی یعنی عورت کو ہم مستثنیٰ کر کے اور خواتین کو پردہ میں مستور کر کے اب صرف "مرد" کے تعلق سے ہی گفتگو کریں گے۔ لہذا اب جہاں کہیں بھی لفظ "انسان" آئے گا اس سے مراد "انسان مرد" ہوگا۔ اس نقطہ کو مختصر مقررین کرام ذہن نشین رکھیں۔

انسان چاہے جس ملک کا بھی ہو، اس کے اعضاء، جسمانی کی تخلیق مساوی ہی ہوتی ہے۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھ، ایک ناک، ایک سر، وغیرہ وغیرہ حالانکہ ملک و مقام کے تفاوت کے اعتبار سے قد و قامت، جسامت، رنگ و روپ میں ضرور فرق ہوتا ہے لیکن اصل تخلیق میں باعتبار اعضاء جسمانی تمام انسان مساوی ہوتے ہیں۔ آج تک اس سر زمین پر کروڑوں بلکہ اربوں کی تعداد میں انسان پیدا ہوئے ہیں۔ انسانوں کی اس کثیر تعداد میں سے صرف چند انسان یعنی کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار "مقدس انسان" ہی بطور نبی یا رسول اس دنیا میں مبعوث ہوئے۔ بحیثیت نبی یا رسول مبعوث ہونے والے مقدس حضرات انسان ہی تھے لیکن وہ تمام حضرات عام سطح کے انسانوں کی طرح نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور چنے ہوئے "خاص انسان" تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو بے شمار خصوصیات عطا فرمائی تھیں اور سب سے بڑی خصوصیت یہ عطا فرمائی تھی کہ انہیں نبوت و رسالت کے تاج کرامت سے نوازا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے مبعوث فرمائے ہوئے "مخصوص انسان" یعنی انبیاء و مرسلین کا مقصد حیات لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا، لوگوں کو صرف ایک ہی اللہ واحد اعتبار کی پرستش و عبادت اور توحید خالص کی تعلیم و ہدایت کرنا، برائی سے روکنا اور نیکی و بھلائی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ ہر نبی پر وہی معنی خدا کا پیغام آتا تھا۔ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو حکم (وحی) نازل ہوتا تھا اُسے سن و غن لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اس فریضہ تبلیغ میں وہ حضرات کسی قسم کی کوتاہی یا کالی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کامل طور سے فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ادا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو احکام الہی کی تعمیل کی تاکید، توثیق، اور ترغیب میں حد درجہ کوشش فرما کر لوگوں کو اعمال صالحی پر عمل پیرا فرماتے تھے۔

لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے جو انبیاء کرام تھے وہ انسان ہی تھے اور جن لوگوں (انست) تک اللہ کا پیغام پہنچایا جاتا تھا، وہ تمام لوگ بھی انسان ہی تھے۔ یعنی اللہ کے کچھ خاص انسان اللہ کا پیغام اللہ کے عام انسانوں تک پہنچاتے تھے۔ ان خاص انسان اور عام انسان کے جسمانی اعضاء بالکل یکساں تھے۔ لیکن ان کے باطن میں اللہ کا پیغام پہنچانے کا

درجات ان میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ عظیم فرق تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے سموت فرمودہ ”خاص انسان“ یعنی انبیائے کرام علیٰ مینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کا حکم اپنی قوم (اُمت) تک پہنچانے میں کسی قسم کا ذرہ خوف، غم یا جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بلا خوف و لرزہ لائے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیتے تھے۔ ان حضرات قدسہ نے کبھی بھی یہ پرواہ نہیں کی کہ یہ پیغام الٰہی لوگوں کو پسند آئے گا یا نہیں؟ بلکہ انہوں نے صاف لفظوں میں لوگوں کو اللہ کا پیغام سنا دیا کہ اے لوگو! اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام مت کرو۔ نیکی اختیار کرو اور برائی سے پرہیز کرو۔ ہدایت کا راستہ اپناؤ اور گمراہی کی راہ پر چلنے سے اجتناب کرو۔ الغرض! انبیائے کرام نے ہمیشہ اپنی اُمت کو نیکی، بھلائی اور اخلاقی محاسن کی ہی تعلیم و تلقین فرمائی ہے۔ لیکن ان انبیائے کرام کے تمام اُمتوں کو ان کی اخلاقی محاسن پر مشتمل تعلیم و تربیت پسند نہ آتی۔ کیونکہ ان کی قوم کے اوباش، اوفر، فساق، قباہ، جرائم پیشہ، بُت پرست، کفار، مشرک، اور بھڑکاندہ ذہنیت رکھنے والے افراد کو انبیائے کرام کی دعوت حق سے بڑی تکلیف ہوئی اور ان بھڑکاندہ و شرکاندہ ذہنیت رکھنے والے افراد کو اپنا ذاتی اور مالی خسارہ نظر آیا۔ مثال کے طور پر بت پرستی کا پیشہ کرنے والے کو جب اطلاع ہوئی کہ ہماری قوم کے نبی نے بت پرستی کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ تو اس کو اپنا ذاتی مفاد و خطرہ میں محسوس ہونے لگا کیونکہ بت پرستی کے پیشہ میں بتوں پر جو چڑھاوا، بھیشت، بلی، وغیرہ رسوم کے ذریعہ جو مستقل اور کثیر آمدنی ہوتی تھی وہ یک لخت بند ہو جانے کا اندیشہ نظر آنے لگا۔ باپ دادا کے زمانہ سے ہونے والی اور چلی آتی آمدنی کا سلسلہ اب منقطع ہو جائے گا۔ اس خیال سے وہ تھلا اٹھے۔ آرام و راحت سے ہر ہونے والی زندگی اب مشقت و پریشانیوں سے دو چار ہوگی۔ اس تصور نے انہیں مضطرب کر دیا۔ ہائے اب کیا ہوگا؟ بیوی بچوں کی پرورش اور خاندان کے لیے ذریعہ معاش کا کیا انتظام ہوگا؟ اب کونسا کاروبار کروں گا؟ کوئی تجارت شروع کروں گا؟ نہ جانے وہ تجارت قطع بخش ہوگی یا نہیں؟ عرصہ دراز سے آرام سے بیٹھ کر حرام کی روٹیاں کھاتی ہیں، اب محنت و مشقت کس طرح ہو سکتی؟ اگر قوم نے اپنے نبی کا پیغام کو تسلیم کر لیا اور بت پرستی چھوڑ دی تو میرا تو دیوالیہ نکل جائے گا۔

امیری اور تو عمری کے دن رخصت ہو کر غریبی اور مفلسی کے ایام شروع ہوں گے۔ لہذا اب کچھ کرنا چاہئے۔ لوگوں کو نبی کی بات تسلیم کرنے سے روکنا چاہئے۔

صرف نت پرستی کے پیشہ آور ہی نہیں بلکہ خواہ شراب، طوائف کی دیوثی وغیرہ جیسے قبیح اور مذموم پیشہ آور بھی اسی طرح کی ذہنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے کیونکہ ان کی قوم کے نبی نے پرستشِ اصنام کے ساتھ ساتھ زنا، شراب، دغا وغیرہ جیسے قبیح افعال کی بھی ممانعت فرمادی تھی۔ لہذا قوم کے ان اوباش اور بد معاش افراد نے متحدہ حمّاز کی شکل اختیار کی۔ سب کو اپنے اپنے ذاتی اور معاشی مفاد کی فکر لگی ہوئی تھی۔ قریب کے مستقبل میں پیش آنے والی غربت اور مالی خسارہ کا بھیاں تک منظر نگاہوں کے سامنے آکر آیا تھا۔ اس آنے والی آفت کی روک تھام کے لیے کوئی تدبیر کارآمد ہوگی اس مسئلہ پر گہری سوچ و فکر میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ کہنے کی ہمت اور حوصلہ کسی میں نہ تھا کہ چاہے خدا کا حکم ہے مگر میں اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤں گا۔ ایسا کہتے تھے قوم کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خدا کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کرنا ممکن نہیں۔ لہذا انہوں نے ایک متحدہ تدبیر سوچ نکالی کہ قوم کو اپنے نبی کی بات ماننے سے روکنے کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہم قوم کے سامنے یہ اعلان کر دیں کہ:-

”خدا کا حکم ماننے سے ہمیں انکار نہیں۔ خدا کے حکم کے سامنے ہمارا سر تسلیم خم ہے لیکن سوال یہ اُٹھتا ہے کہ خدا نے ہی یہ حکم دیا ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر یہ جواب ملا کہ خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے اور خدا کے نبی نے خدا کا حکم ہم کو سنایا ہے تو ہم یہ کہہ کر ان کی بات کا رد کر دیں گے کہ یہ غلط ہے۔ ایسا بھی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ نبی تو ہمارے جیسے بشر ہیں۔ اگر خدا نے تعالیٰ ہم تک کوئی حکم پہنچانا چاہتا تو ضرور کسی فرشتہ کو ہم تک بھیج کر اپنا حکم پہنچا دیتا۔ ان نبیوں میں ایسی کون سی خصوصیت ہے کہ ان کے ذریعہ ہم تک اپنے احکام پہنچائے؟ کیوں کہ خدا کا حکم ہم کو سنانے والے نبی تو ہمارے جیسے ہی بشر ہیں۔ یہ نبی خدا کا حکم ہم کو سنانے کے بہانے ہم پر فضیلت اور فوقیت حاصل کر کے قوم کے سردار اور

مذکورہ بالا تجویز و تدبیر کو اپنا آئین مقصد بنا کر قوم کے اوباش افراد نے ایک اتحادی منظم سازش کے تحت انبیائے کرام کی بات سے لوگوں کو متفرق اور منحرف کرنے کی غرض قاسد سے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ہم کو خدا کا حکم ماننے سے قطعاً انکار و تردید نہیں لیکن جو نبی ہم کو خدا کا حکم سنارہے ہیں، وہ تو ہمارے جیسے بشر (انسان) ہیں۔ ان کی بات پر ہم اعتماد اور محرومہ کیسے کریں؟ کفار، مشرکین اور دیگر ذلیل افراد کے ”غیر عوامین“ گروہ نے انبیائے کرام کی بات تسلیم کرنے سے لوگوں کو روکنے کے لیے توہین و تنقیص انبیائے کرام کے لیے ”بشر“ ہونے کا بہانہ ہاتھ پر دھرا اور ہر بات کا انکار کرنے کے لیے صرف ”بشر“ ہونے کا بہانہ پیش کرنے لگے۔

الحق یہ کہ نبی اور رسول کے دور میں انبیائے کرام کے دشمنوں اور گستاخوں نے ”بشر“ ہونے کا معاملہ اٹھا کر یکساں سلوک کیا ہے۔ نبی کو بشر کہنے کی ذہیت ان کو ان کے مقتدا اور گروہ گشتالائیس لعین نے دی ہے کیونکہ سب سے پہلے نبی کو بشر کہنے والا شیطان ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کا یقین ثبوت موجود ہے۔ جس کی تفصیلی بحث ہم انشاء اللہ اگلے صفحات میں زیور گوش سامعین اور ہر چشم ناظرین کی غرض سے پیش کریں گے۔

قرآن مجید میں نبی و رسول کے مخالفین یعنی کفار، مشرک، مرتد، و منافق گروہ کی اس ”بشر“ والی بولی کا متعدد مقام پر تذکرہ ہے۔ جن میں سے چند آیات کریمہ پیش خدمت ہیں:-

”حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا ”بشر“ کہا“

حضرت سیدنا نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو بت پرستی اور دیگر افعال رذیلہ و قبیحہ سے روکنے ہوئے فرمایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ توں کو پوجنا چھوڑ دو اور نیکی اور

بھلائی کی راہ اختیار کرو۔ تب حضرت نوح کی قوم کے کافروں نے جواب دیتے ہوئے کہا:-

مَقَالُ الْمَلُؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْنَكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَانْزَلَ عَلَيْنَا

خوال:- پارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت: ۲۳

ترجمہ:- تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم

جیسا آدمی، چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا۔

(کنز الایمان)

اس آیت میں ایسا ذکر ہے کہ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے اپنے جیسا بشر کہا۔ مزید برآں حضرت ممدوح کی شان میں تنقیص و توہین کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہم کو اللہ کا پیغام سننے کے بہانے وہ ہمارا رہبر اور سردار بننا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو ہم تک کوئی پیغام بھیجتا تھا تو اس ”بشر“ (انسان) کے بجائے کسی فرشتہ کو بھیج دیتا۔ اس آیت سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنے والے کافر تھے۔ کیونکہ آیت میں ”مَقَالُ الْمَلُؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا“ کے الفاظ وارد ہیں اور جس کا ترجمہ ”جن سرداروں نے کفر کیا وہ بولے“ ہوتا ہے۔ نبی کے لیے لفظ ”اپنے جیسا بشر“ کا استعمال کرنا زمانہ قدیم کے کافروں کا طرز عمل ہے۔

”حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا“

حضرت ہود علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قوم کو تو حید خالص کا پیغام دیا اور لوگوں کو انصاف پر متشعل یعنی بتوں کی پوجا کرنے اور بتوں کو اپنا معبود ماننے سے روکا اور صرف ایک اللہ واحد اہتمار کی عبادت کرنے کی نصیحت فرمائی تو اس کی قوم کے کافروں نے قوم کے لوگوں کو

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تسلیم کرنے سے روکنے کے لیے قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ ان کی بات مت مانو، یہ تمہاری طرح بشر ہیں۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے ہیں۔
 علاوہ ازیں قوم نوح اور قوم عاد کے کافروں نے بھی اپنے اپنے نبی کے متعلق یہی بات کہی تھی۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:-

”مَاهَذَا إِلَّا تَشْرَبُ بِمِلْكِكُمْ يَتْلُو مِثًا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُونَ مِثًا
 تَشْرَبُونَ- وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخٰثِرُونَ“

(پارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت: ۲۳، ۲۴ اور ۲۵)

ترجمہ:- ”کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی، جو تم کھاتے ہو اسی میں سے
 کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے۔ اور اگر تم کسی اپنے جیسے
 آدمی کی اطاعت کرو، جب تو تم ضرور گھائے میں ہو۔“ (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیت میں قوم نوح، قوم ہود، اور قوم عاد کے کفار کا مقولہ بیان کیا گیا ہے کہ
 انہوں نے اپنے اپنے نبی کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ نبی
 تم جیسے ہی بشر ہیں اور جو تم کھاتے پیتے ہو یہ بھی وہی کھاتے پیتے ہیں اور اگر تم نے اپنے ہی
 جیسے بشر کی فرمانبرداری کی تو تم ضرور گھائے یعنی نقصان میں ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قوم
 نوح، قوم ہود اور قوم عاد کے کافروں نے ”بشر“ ہونے کا سبب اور بہانہ بتا کر اپنی قوم کو انبیائے
 کرام کے خلاف ورغلائے اور اُکسانے کی کوشش کی اور قوم کو دھمکی بھی دی کہ اگر تم نے اپنے
 جیسے بشر کی اطاعت کی تو تم کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قوم نوح، قوم ہود اور قوم عاد کے کافروں نے بھی اپنے اپنے
 نبی کو اپنے جیسا بشر کہا تھا اور ان کے انسان ہونے، کھانے پینے اور بھگائے بشری کے افعال
 کو دلیل بنا کر ان کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کی سعی ناکام کی تھی۔ معلوم ہوا کہ جو مومن نہیں
 ہوتا، وہی اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی گستاخی کرتا ہے۔ اور بشر ہونے کا بہانہ پیش کر کے نبی
 کا تقرب الی اللہ، نبی کا تشرف من اللہ و نبی کی جلالت عند اللہ اور نبی کے اختیارات من

جانب اللہ کا انکار کرنے کی کوشش کر کے تنقیص و توہین انبیائے کرام کے ارتکاب کا جرم عظیم کرتا ہے۔ لیکن جو سچا مؤمن ہوتا ہے وہ ان گستاخوں کی توہین آمیز گفتگو کا قطعاً اثر نہیں لیتا بلکہ ان کی جھکیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا اور نبی کی عظمت و صداقت کا صدق دل سے قائل ہوتا ہے۔

”حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا“

حضرت صالح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو براہیوں سے روکا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا، تو ان کی قوم نے ان کے پیغام کو جھٹلانے کے لیے ”بشر“ ہونے کا ہی بہانہ پیش کیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

”كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِمْ يُضِلُّونَ ۖ ذُرِّيَّتُكَ يَكْفُرُونَ ۚ لَئِنَّكَ لَإِذَا بَشَرْ ۖ إِن كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ“

(پارہ: ۱۹، سورہ الشعراء، آیت: ۱۴۱ اور آیت: ۱۵۳)

ترجمہ:- ”ثمود نے رسول کو جھٹلایا“ ۚ ”تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو، تو کوئی نشانی لاؤ، اگر سچے ہو۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف ارشاد ہے کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے لوگوں کو روک دینے کے لیے یہ بات ہی اٹھائی کہ تم کو ہماری طرح بشر (آدمی) ہو۔ حضرت صالح کو بشر کہنے کا ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ حضرت صالح کو ہمارے جیسا بشر کہہ کر ان کی شان و عظمت کھٹائی جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت و تعظیم جھٹنے نہ پائے۔ حضرت صالح کو بشر کہہ کر ان کی صداقت کو بھی چیلنج کیا اور یہاں تک کہا کہ اگر تم اپنے

نبی اور رسول ہونے کی دعوے میں بچے ہو، تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو۔

”حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اصحاب الایکہ نے اپنے جیسا بشر کہہ کر جھٹلایا“

حضرت شعیب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ”اصحاب الایکہ“ یعنی ”بن والوں“ نے اپنے جیسا بشر کہہ کر جھٹلایا۔ یہ بن (صعرا) ندین کے قریب واقع تھا۔ جس میں کثیر تعداد میں درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ جیسا کہ اہل ندین کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۶۷۳) اصحاب مدین اور بن والوں میں یہ خرابی تھی کہ وہ ناپ تول میں بے ایمانی کرتے تھے۔ اور کم تولتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ رہنری یعنی لوٹ مار اور ڈکیتی کا پیشہ کرتے تھے اور لوگوں کو لوٹ لیتے تھے اور ان کی کھیتیاں تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اللہ کا ڈر سنایا اور ان افعالِ رذیلہ و قبیحہ سے باز آنے کی نصیحت فرمائی۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رشد و ہدایت پر مشتمل باتوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا لہذا انہوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت سے لوگوں کو روکنے کے لیے وہی ”بشر“ ہونے کا بیان پیش کیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

”قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَخَّرِينَ ۖ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا
وَأَنْ نُّظَنِّكَ لَيْنَ الْكَذِبِيِّينَ“

(پارہ: ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت: ۱۸۵ تا ۱۸۶)

ترجمہ:- لوگ تم پر جادو ہوا ہے تم تو نہیں مگر، مجھے آدمی اور بے شک

marfat.com

ہم نہیں جھوٹ بکھتے ہیں۔۔۔۔۔ (کنز الایمان)

”قوم شمود اور دیگر اقوام کے کافروں نے بھی اپنے
نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہا“

کفار قوم شمود نے بھی قوم نوح اور قوم عاد کی طرح اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی
گستاخی کر کے لوگوں کو ان کی رسالت و نبوت کا انکار کرنے پر ابھارنے کی رذیل حرکت
تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

”اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ
وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ قَالُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ تُرِيدُوْنَ اَنْ تَصْطَلُوْنَا عَمَّا
كَانَ يَغْلِبُ اٰبَاؤُنَا فَاَتُفَوِّنَا بِمُطْلَقٍ مُّبِيْنٍ ؕ

(پارہ: ۱۳، سورۃ ابراہیم، آیت: ۹، اور: ۱)

ترجمہ:- ”کیا تمہیں ان کی خبریں نہ آئیں جو تم سے پہلے ہی نوح کی
قوم اور عاد اور شمود اور جو ان کے بعد ہوئے۔ بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی
ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو، جو ہمارے باپ دادا پوجتے
تھے۔ اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ۔“ (کنز الایمان)
تفسیر:- ”جس سے تمہارے دعوے کی صحت ثابت ہو۔ یہ کلام ان کا
عناد اور سرکشی سے تھا۔ اور باوجود کہ انبیاء آیات (نشانیاں) لایچکے تھے۔
مہجرات دکھا چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے نئی سند مانگی اور پیش کیے
ہوئے مہجرات کو کالعدم قرار دیا۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۳۱۲)

اس آیت میں صاف بیان ہے کہ قوم شہود، قوم نوح، قوم عاد اور بعد کی دیگر اقوام کے کافروں نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے کھلم کھلا کہا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو۔ تم ہم کو تار سے باپ دادا کے دین سے منحرف کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہو، تو اپنے نبی ہونے کے ثبوت میں کوئی روشن دلیل پیش کرو۔ تاکہ تمہاری نبوت کا دعویٰ سچ ثابت ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن انبیائے کرام سے ان کی نبوت کے ثبوت میں کافروں نے دلیل طلب کی تھی۔ ان انبیائے کرام نے بہت سی روشن دلیلیں پیش فرمادی تھیں لیکن ان کی قوم نے بغض، عناد، سرکشی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر جدید دلیل طلب کی تھی اور اب تک کے پیش کردہ معجزات کا انکار کر دیا تھا۔ الحاصل! ان کافروں نے انبیائے کرام کی رسالت کا انکار کرنے کے لیے بشر ہونے کا بہانہ پیش کیا تھا۔

”نبی کو بشر کہنے والے کافروں کو انبیائے کرام نے

کیا جواب دیا تھا؟“

جب قوم نوح، قوم ہود، قوم عاد، شہود اور دیگر اقوام کے کافروں نے اپنے اپنے نبی کو ”اپنے جیسا بشر“ کہہ کر ان کی شان اور عظمت گھٹا کر ان کے منصب تبلیغ اور پیغام توحید کی وقعت و اہمیت کم کر کے لوگوں کو ان کی بات ماننے سے روکنے کی کوشش کی اور بشر ہونے کا مسئلہ زور و شور سے چھیڑا اور نبی کی رشد و ہدایت پر مشتمل باتیں کانٹنے کے لیے ہر بات میں بشر، بشر اور بشر کی راہی آ لائی شروع کی، تب ان کو جواب دیتے ہوئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

”قَالَتْ لَهُمْ رَسُولُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ
عَلٰی مَنْ يُّنْشِئُ مِنْ عِبَادِهِ“

marfat.com

(پارہ: ۱۳، سورہ ابراہیم آیت: ۱۱)

ترجمہ:- ”ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان

مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔“

(کنز الایمان)

تفسیر:- ”یعنی نبوت اور رسالت کے ساتھ برگزیدہ کرتا ہے اور اس

منصبِ عظیم کے ساتھ شرف فرماتا ہے۔“

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۳۶۳)

اس آیت میں انبیائے کرام کے جواب کا بیان ہوا ہے۔ انبیائے کرام نے اپنی قوم کے

ان

کافروں کو جواب دیا ہے جو نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی حقیر اور تذلیل کرتے تھے۔

انبیائے کرام نے ان بشر کہنے والوں کو ایسا جانچ اور مانع جواب مرحمت فرمایا ہے کہ اگر ان

کافروں میں ذرہ برابر بھی فہم و عقل ہوتی تو وہ انبیائے کرام کے صرف ایک جملے پر مشتمل

جواب سے اپنے زعمِ باطل اور اعتقادِ سفاک کو بلیغ اور دندان شکن جواب محسوس کرتے۔

انبیائے کرام نے نبی کو بشر کہنے والے کافروں کو جو جواب دیا ہے اس کے جملے پر قارئین کرام

خاص توجہ فرمائیں۔ کافروں نے کہا کہ انبیاء ہماری طرح بشر ہیں۔ انبیائے کرام نے کافروں

کو جواب دیا کہ ہم ہیں تو تمہارے جیسے بشر لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان

فرماتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے کافرو! ہم صرف ظاہری صورت میں تمہاری طرح ہیں

لیکن ظاہری صورت کی مساوات سے دھوکہ کھا کر ہم کو اپنے جیسا قیاس مت کرو کیونکہ ”وَلِیْکُنِ

اللّٰهُ یَعْنٰ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ“ یعنی ”اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان

فرماتا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرما کر ہمیں نبوت و رسالت کا تاج کرامت

عنايت فرما کر ہمیں تم سے افضل اور برگزیدہ فرمایا ہے اور ہم کو نبوت و رسالت کا جو منصب

عطا فرمایا اس منصب عالی کی وجہ سے تمہارے اور ہمارے درمیان باعتبار مراتب فرق عظیم

ہے۔ ہم تمہاری مثل نہیں

اور نہ تم ہماری مثل ہو اور نہ ہو سکتے ہو۔

”فرعون اور فرعونوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو اپنے جیسا بشر کہا“

کافروں، شرکوں، منافقوں اور مرتدوں نے انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم افضل الصلوٰۃ
والسلام کو ”اپنے جیسا بشر“ کہنے کا سلسلہ ہر دور میں جاری رکھا۔ انبیائے کرام کی رشد و ہدایت
پر مشتمل باتوں اور ان کے اعلیٰ مرتبہ معجزات کا جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا، تب
انہوں نے دلیل کے میدان سے راہ فرار اختیار کر کے ذاتیات پر حملہ (Personal
Attack) کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ انبیائے کرام کی مذہبی، سماجی، ثروتی، اقتصادی،
روایتی، ازدواجی، معاشرتی، اخلاقی بلکہ ذاتی اور نجی زندگی کے ہر پہلو کو ٹٹولا کہ شاید کوئی ایسی
بات مل جائے کہ جس کو توجہ مشق بنا کر ان کے دامن عصمت پر کچڑ اچھالا جائے لیکن ان
کو ناکام مایابی اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو ”معصوم
و محفوظ“ بنا کر بیعت فرمایا تھا۔ جن سے کسی قسم کے گناہ، بد تہذیبی، یا باعث مغر کسی فعل کے
صدر کا امکان ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ تمام حضرات علم و عمل، حکمت، رشد و ہدایت، نیکی و بھلائی،
تواضع و انکساری، ہمدردی و نگہ ساری، تقویٰ و پرہیزگاری، صبر و بردباری، جود و سخا، ہر اعتبار سے
اخلاقی محاسن کے پیکر جمیل تھے۔ ان کے خلاف آواز اٹھانے اور لوگوں کو ان سے منحرف کرنے
کے لیے ایسی کوئی بات دستیاب نہ ہوئی۔ جس کو پیش کر کے ان کے خلاف نفرت پھیلانے کی ہم

چلائی جائے۔ البتہ! اے دے کر ان کے پاس صرف ایک ٹونا پیونہ بھیا رہ باقی تھا اور وہ بشریت کا بھیا تھا۔ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہر دور کے کافروں نے ”بشر“ ہونے کا رد کاروا کرنا سبب چنا ہے۔ زمانہ ماضی کے کفار کے نقش قدم پر چل کر فرعون لعین نے بھی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بھی بشر ہونے کا معاملہ اٹھایا تھا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام نے قوم بنی اسرائیل کو اللہ کے دین کی طرف بلایا اور فرعون اور اس کے درباریوں کو ”دعوت حق“ دی، تو فرعون اور اس کے ہم نواؤں نے جو جواب دیاس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:-

”ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عٰلِينَ
فَقَالُوا أَتُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

(پارہ: ۱۸، سورہ المؤمنون، آیت: ۳۵ تا ۳۷)

ترجمہ:- ”پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور روشن سندوں کے ساتھ بھیجا، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، تو انہوں نے خود کیا اور وہ لوگ غلبہ پائے ہوئے تھے۔ تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر۔“ (کنز الایمان)

”حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو حواریوں کو کافروں اور مشرکوں نے اپنے جیسا بشر کہا“

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے دو حواری (صحابی) کو ملک شام

(Syria) کے دارالسلطنت انطاکیہ (Antioch) بھیجا تا کہ وہ وہاں کے بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کی طرف بلائیں اور ان کو شرک و کفر سے باز رکھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جن صحابہ کو ملک شام دعوت حق کا فریضہ انجام دینے کے لیے ارسال فرمایا تھا، ان کے اسمائے گرامی صادق اور مصدق ہیں۔ ایک روایت میں ان کے نام یوحنا اور یونس وارد ہیں۔ بہر حال حضرت عیسیٰ کے دونوں صحابہ بنی اسرائیل کے اولیائے عظام میں سے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے پیاروں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ فریق عادت و تصرفات اور کرامات سے نوازا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرستادہ مذکورہ بنی اسرائیل کے اولیائے عظام جب ملک شام کے شہر انطاکیہ گئے اور اپنی خدا واد صلاحتوں سے لوگوں کو سحر کر کے ان کو شلاکت اور گمراہیت کی راہ سے موڑ کر رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن کرنے لگے اور بت پرستی اور دیگر افعال رذیلہ اور عقائد باطلہ و فاسدہ سے تائب کرا کر توحید اور رسالت پر ایمان لانے کی تعلیم دینے لگے، تو ملک شام کے کافروں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریوں کے متعلق کہا کہ:-

”قَالُوا مَا آتَيْنَا إِلَّا بَشَرَ نَفْلُنَا وَمَا آتَوْنَا الرَّحْمَنَ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ
أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ۝“

(پارہ ۲۲، سورہ مائیس، آیت: ۱۵)

ترجمہ:- ”بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور رخصی نے کچھ نہیں آتا۔ تم
نرے جھوٹے ہو۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ نے انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے ان کو ”اپنے جیسا بشر“ کہا۔ اسی طرح اولیائے عظام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے اولیاء کو بھی اپنے جیسا بشر کہا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو مقدس حواری (صحابی) یعنی حضرت صادق اور مصدق یا

بروایت دیگر حضرت یوحنا اور حضرت پولس اپنا اولیا بنی اسرائیل سے تھے۔ ان کے متعلق یہی سرگشوں نے یہی کہا کہ **مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا** یعنی "تم ہمارے جیسے آدمی ہو" ان سرگشوں کے نقش قدم پر چل کر وہ یہ حاضر کے منافقین بھی انجیا اور اولیا کو اپنے جیسا بشر کہتے اور لکھتے ہیں۔

”اولوالعزم انبیائے کرام کو بشر کہا گیا“

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ
قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى
وَهَارُونَ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَذَكَرْنَا وَيْحَ إِبْرَاهِيمَ
وَعِيسَى وَالْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَاسْمِعِلَ وَيْحَ يُونُسَ
وَلَوْطَ ۚ وَكَأَلَّا فَضْلَنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِمْ
وَذَرِّيَّتِهِمْ وَآخِرَانِهِمْ وَاجْتَنَبْنَاهُمْ ۚ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ۝ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ
وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ
وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَئِيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى
اللَّهُ فَبِهُدَاهُمْ اقْتَدِهِ ۚ قُلْ لَا اسْتَكْبَرُ عَلَيْهِ أَجْرٌ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا
ذِكْرَى لِلْعَالَمِينَ ۝ وَمَا تَذَرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَدَرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ
اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ۝

(یا ر: ۷، سورۃ النعام، آیت: ۸۳، ۹۱۵)

ترجمہ:- اور ہم نے انہیں اتحق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے راہ دکھائی، اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور ہم ایسا ہی بدل دیتے ہیں نیکو کاروں کو ﴿اور ذکر کیا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو، یہ سب ہمارے قریب کے لائق ہیں﴾ اور اسمعیل اور نوح اور یونس اور لوط کو، اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی ﴿اور کچھ ان کے باپ داؤد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو، اور ہم نے انہیں جنم لیا اور سیدگی راہ دکھائی﴾ یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا ﴿یہ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی، تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں، تو ہم نے اس کے لیے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے، جو انکار والی نہیں﴾ یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم انہیں کی راہ چلو، تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہاں کو ﴿اور یہودیوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی، جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا﴾“ (کنز الایمان شریف)

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور عظیم المرتبت انبیاء و مرسلین کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات میں جن انبیاء کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت اتحق (۲) حضرت یعقوب (۳) حضرت نوح (۴) حضرت داؤد (۵) حضرت سلیمان (۶) حضرت ایوب (۷) حضرت یوسف (۸) حضرت موسیٰ (۹) حضرت ہارون (۱۰) حضرت ذکر یا (۱۱) حضرت یحییٰ (۱۲) حضرت عیسیٰ (۱۳) حضرت الیاس (۱۴) حضرت اسمعیل (۱۵) حضرت نوح (۱۶) حضرت یونس اور (۱۷) حضرت لوط (علی نبیائہم افضل الصلوٰۃ والسلام)

ذکورہ مقدس انبیائے کرام کے علاوہ ان کے آباء و اجداد، اولاد اور بھائیوں میں سے بھی
 کچھ حضرات کا مرنے اور شرف و ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر ۸ میں ہے کہ "وَيَسِّرُ
 اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْأَخْوَآئِيَهُمْ" یعنی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں
 سے۔"

ذکورہ نفسِ قدس کا ذکر وہ آیات میں ذکر فرما کر ان کی شانِ عظمت اور فضیلت کا اظہار
 فرماتے ہوئے رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:-

- ◎ ہم نے ان کو راہ دکھائی
- ◎ ان نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔
- ◎ وہ ہمارے قرب کے لائق ہیں۔
- ◎ ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔
- ◎ ہم نے انہیں بچن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔
- ◎ ہم نے ان کو کتاب دی۔
- ◎ ہم نے ان کو حکم دیا۔
- ◎ ہم نے ان کو نبوت عطا فرمائی۔
- ◎ ہم نے ان کی ہدایت فرمائی۔

انبیائے کرام کے مندرجہ بالا فضائل و خصوصیات قرآن مجید میں اس لیے بیان فرمائے
 گئے ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ انبیائے کرام اور دیگر عباد صالحین، اللہ کے پیدا کیے ہوئے
 انسان اور اللہ کے بندے ہونے سے باوجود کثیر فضیلتوں اور خصوصیتوں کے حامل ہونے کی وجہ
 سے وہ تمہاری طرح عام انسان نہیں ہیں۔ یعنی "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" نہیں ہیں۔ ظاہری صورت بشری
 سے دھوکہ کھا کر ان کو اپنے جیسا قیاس مت کرنا۔ وہ عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ ان کے
 متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وَاجْتَبَيْنَاهُمْ" یعنی "ہم نے انہیں بچن لیا ہے" یعنی یہ حضرات
 عام انسانوں کی طرح اور تمہاری مثل نہیں بلکہ ہمارے خاص اور چنے ہوئے بندے ہیں۔ ان کی
 عظمت اور شانِ رفعت کا ہم ہمارے مقدس کلام یعنی قرآن مجید میں بیان فرما کر تمہیں آگاہ

و متنبہ کرتے ہیں کہ خبردار! ان حضرات کو اپنے جیسا بشر نہ سمجھنا بلکہ ان کے جن اوصاف کا ہمارے مقدس کلام میں تذکرہ کیا گیا ہے، ان اوصاف کو ہمہ وقت ملحوظ خاطر رکھ کر ان کی عظمت و رفعت کے مقدر اور حترف رہنا۔ لیکن! سرکشوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم عالی کو بھی لاابالی بن کر اور بے استثنائی سے پس پشت ڈال دیا اور بغض و عناد کے چنپ کے تحت عداوت و تصدأ انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کیا اور اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام اور حکم کی بے قدری اور بے وقعتی کرنے کا جرم تنظیم کیا۔ جس کا بیان بھی مندرجہ بالا آیات میں ہے کہ:-

”وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ“ یعنی ”اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔“

اللہ تعالیٰ ان منکرین عظمت انبیاء کی خوئے بد اور صلیب نافرمانی کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی۔ جس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے ارشاد اور فرمان کی قدر نہ کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ اور چنے ہوئے بندے یعنی انبیائے کرام اور عباد صالحین کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں فضیلت دی، ان کو ہمارے قرب کے لائق بنایا، وغیرہ وغیرہ لیکن سرکشوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہ مانا اور فرمان الہی کی قدر نہ جانی اور کیا کہا؟

”إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ بَشِيرًا وَلَا نَذِيرًا“ یعنی ”جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا“، یعنی انبیائے کرام کو بشر کیا، اور بشر گنہگار کو آڑ اور پردہ میں ایمان لانے کا انکار کیا۔

ثابت ہوا کہ جب ایمان ہوتے ہیں، وہی نبی اور رسول کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ ملاوڑیں نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے والے اللہ کے حکم کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ ارتکاب جرم تو جن انبیاء کے ساتھ ساتھ شان الوہیت کا بھی انکار کرتے ہیں کیونکہ:-

⑤ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے مقدس بندے انبیائے کرام نیکہ کار ہیں، ہدایت یافتہ ہیں، ہمارے قرب کے لائق ہیں، ہم نے ان کو فضیلت دی، ہم نے ان کو چن لیا، ہم نے ان کو کتاب و حکم اور نبوت عطا فرما کر برگزیدہ کیا۔

لیکن.....!!!

○ سرکش لوگ کہتے ہیں کہ نبی ہمارے جیسے بشر ہیں۔ فرمان الہی کے متعارف بولی بول کر سخت اور قہر جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

”اگلی امتوں کے کفار انبیائے کرام کو بشر کہہ کر کافر ہوئے“

قرآن مجید میں ارشاد رب تبارک و تعالیٰ ہے کہ:

”اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَاَقْوَا وَبَالَ اَمْرِهْمُ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُ كَانَتْ تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَنْشُرُوْهُمْ نَحْنَا مُنْكَفِرُوْنَ ۚ وَتَوَلَّوْا“

(پارہ ۲۸، سورۃ التھان، آیت ۶۵ و ۶۶)

ترجمہ:- ”کیا تمہیں ان کی خبر نہ آئی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا اور اپنے کام کا وبال پکھا اور ان کے لیے ذرہ ناک عذاب ہے ۝ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے۔ تو کافر ہوئے اور پھر گئے۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- ”یعنی انہوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال ہے عقلی اور فاضلی ہے، بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا۔“

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۰۰)

اس آیت کریمہ کے الفاظ اور ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں، صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ اس کی تلاوت فرمائیں اور یہ نظریاتی غور و فکر کریں تو آپ کی فہم سلیم میں یہ حقیقت پتھر کی کلیں کی مانند منتشر ہو جائے گی کہ:-

اگلی امتوں میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور دردناک عذاب کے مستحق ہوئے ان کافروں کے کفر کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو بشر کہا تھا۔ اس آیت شریفہ کے جملہ کے الفاظ کی ترتیب ملاحظہ فرمائیں کہ ان کافروں نے کہا کہ یہ بشر کیا ہمیں راہ بتائیں گے؟ ان کا یہ مقول نقل فرمانے کے بعد فوراً ارشاد ہوتا ہے کہ ”فَكَفَرُوا“ یعنی ”تو کافر ہوئے“ ثابت ہوا کہ نبی کی شان گھٹانے کے لیے نبی کو صرف ”بشر“ کہنے والے کو قرآن کافر کہہ رہا ہے تو جو لوگ نبی کو صرف ”بشر“ نہیں بلکہ ”اپنے جیسا بشر“ اور ”عاجز بندہ“ کہتے ہیں، ان کے لیے کیا حکم نافذ ہوگا؟ اس کا فیصلہ اور فتویٰ قارئین کرام اپنے دل سے ہی طلب فرمائیں۔

”حضورِ اقدس ﷺ کو بھی کفار، مشرکین،

منافقین، یہود اور نصاریٰ نے اپنے

جیسا بشر کہنے کی گستاخی کی تھی“

کفار اور مشرکین نے زمانہ قدیم سے یہ اصول بنا رکھا تھا کہ لوگوں کو انبیائے کرام پر ایمان لانے سے روکنے کا سب سے سہل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے دماغوں میں یہ بات ڈال دی جائے کہ تم جن کو نبی یا رسول مان کر، ان پر ایمان لا کر، ان کی پیروی کرتا چاہتے ہو وہ تم جیسے ہی بشر ہیں۔ جب یہ تہماری طرح بشر ہیں تو ان میں کوئی خصوصیت نہیں۔ ان

پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا عقل و دانش سے بعید ہے۔ کفار اور مشرکین نے ہر دور میں یہی جھگڑا آقا یا اور ہر دور کے نبی اور رسول کو اپنے جیسا بشر کہنے کی گستاخی کی۔

اور اسی سابقہ میں انبیاء سابقین کو ان کے دور کے معکروں نے اپنے جیسا بشر کہنے کی جو روٹیں کر تھیں کبھی کبھی اس کا تفصیلی بیان آیات قرآنی کی روشنی میں گوش گزار کیا گیا۔

قرآن بعد قرآن جب سید الانبیاء والمرسلین، محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس آیا اور آفتاب رسالت و مہتاب نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ”نور حق“ کی ضیاء باری سے عالم کائنات درخشاں اور تاباں ہو رہا تھا اور بنی آدم گمراہی اور غفلت کی تاریکی سے نکل کر ہدایت و نور کی روشنی سے فیض یاب ہو رہے تھے اور اسلام کا پرچم آب و تاب سے لہرانے لگا تو کفار، مشرکین، یہود اور نصاریٰ کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے اور لوگوں کو گردہ در گردہ اور جوق در جوق داخل اسلام ہوتے دیکھ کر ان کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑنے لگیں۔ اسلام کے اُمنڈتے اور بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے انہوں نے کئی حربے آزمائے اور ان میں کا ایک حربہ وہی گھسا گھسیا اور پرانا حربہ، جو ان کے آباء و اجداد بلکہ ماضی کے کفار و مشرکین سے وراثت میں ملا تھا اور وہ حربہ یہ تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ماضی کے انبیائے کرام کی طرح ”اپنے جیسا بشر“ کہہ کر ان کی شوکت کے پھر برے کو نیچا دکھانے کی کوشش کی جائے۔ بشری تقاضوں کے تحت ان سے جو افعال صادر ہوتے ہیں مثلاً کھانا پینا، چلنا بھرنا، وغیرہ کو پیش کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہہ کر لوگوں کو ان پر ایمان لانے سے روکا جائے۔ اس منصوبہ کے تحت کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے متحدہ و منظم سازش شروع کی اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت و رفعت گھٹانے کے فاسد ارادہ سے ”بشر“ ہونے کا شور اور داویلا مچانا شروع کیا اور لوگوں کو بہکانے کے لیے کہنے لگے کہ ان کی بات مت مانو، ان پر ایمان مت لاؤ، ان کو اللہ نے رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ یہ تہماری شل ایک ”بشر“ ہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مکرمین رسالت کی ”بشر والی بولی“ کا قرآن مجید میں متعدد مقام پر تذکرہ ہے چند

آیات مقدسہ کی حواشی کا شرف حاصل کریں۔

قرآن مجید میں ہے کہ:-

وَقُلُوا نَمْلَ هَذَا السُّؤَالِ لِكُلِّ السُّؤَالِ وَيَتَبَشَّرُ فِي
الْآخِرَةِ ۚ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ تِلْكَ لَفِيكَوْنُ مَعَهُ تَنْبِيْرًا

(پارہ ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت ۷)

ترجمہ:- ”اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور پانہ اوروں میں
چلتا ہے۔ کیوں نہ اُپر را گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ ان کے ساتھ
ڈرنا تھا۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں مکرہین رسالت کا متوالہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنے کے لیے حضور اقدس کو بشر ثابت کرنے
کے لیے لوگوں سے کہا کہ دیکھو دیکھو تم جس کو اللہ کا رسول سمجھ کر ان کے لئے ہوئے دین میں
داخل ہو رہے ہو۔ وہ رسول تو ہماری تہذیبی طرح کا نہیں ہے اور چلتا پھرتا ہے۔ اگر واقعی یہ
اللہ کے رسول ہوتے تو ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو ہم کو اللہ کا حکم سنا کر ڈراتا لیکن ان کے
ساتھ نہ تو کوئی فرشتہ ہے علاوہ ازیں وہ ہم انسانوں کی طرح کھاتے پیئے اور پھٹے پھرتے ہیں
لہذا وہ ہماری طرح بشر ہیں۔ ثابت ہوا کہ کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
شان و عظمت گھٹانے کے لیے سی ”بشر والی بولی“ کا استعمال کیا۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ
نفرین حادث نام کے سردار کفار کہنے لگے کہ تمہارا کہنا کہ یہ رسول کھاتے پیئے اور پھٹے پھرتے ہیں۔
(بحوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص: ۶۳۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

لَا مِثْلَهُ قُلُوبُهُمْ ۚ وَاسْأَلُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا
إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ

(پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰)

ترجمہ:- "ان کے دل مکمل میں پڑے ہیں اور غالوں نے آپس میں
"خفیہ مشورت کی کہ یہ کون ہیں؟ ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں۔"

(کنز الایمان)

تفسیر:- "یہ کفر کا ایک اصول تھا کہ جب یہ بات لوگوں کو ذہن نشین کر
دی جائے گی کہ وہ تم جیسے بشر ہیں تو پھر کوئی ان پر ایمان نہیں لائے گا۔
حضور کے زمانے کے کفار نے یہ بات کہی اور اس کو چھپایا لیکن آج کل
کے بعض بیباک یہ کلمہ اعلان کے ساتھ کہتے ہیں اور نہیں شرماتے۔"
(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۵۷۹)

اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ زمانہ اقدس کے کفار
اور مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمارے تمہارے جیسے بشر کہنے کی جو ہم
چلائی تھی اس کا انشا اور مقصد صرف یہی تھا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹاتا
چاہتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں سے آپ کی عظمت و محبت کم ہو جائے اور لوگ آپ پر ایمان
لانے سے باز رہیں۔ علاوہ ان میں مذکورہ آیت کے مقدس الفاظ "وَأَسْتَوُوا النُّجُوى" یعنی
آپس میں خفیہ مشورت کی آیت سے اس حقیقت کا بھی پتا چلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کی پالیسی کفار اور مشرکین کی "خفیہ مشورت" (Concealed
Policy) تھی اور اس خفیہ مشورت کا مقصد اصلی یہی تھا کہ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرادی
جائے کہ جس رسول کی محبت کا تم دم بھرتے ہو وہ رسول تمہاری طرح بشر ہیں۔

زمانہ نبی کے کفار و مشرکین کے نقش قدم پر چل کر اور ان کے طرز عمل کو مشعل راہ بنا کر
دورانہ ضرر کے منافقین بھی انبیائے کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو
اپنے جیسا بشر کہہ کر عوام المسلمین کے دلوں سے آپ کی عظمت و محبت کم کرنے کی سازش کرتے
ہیں اور اس سازش کو ایک منظم جماعتی حیثیت سے رائج کرتے ہیں اور علی الاعلان کرتے ہیں
کیونکہ اپنے اس فاسد اعتقاد کو زور و طباعت سے آراستہ کر کے شائع کرتے ہیں۔ ماضی کے

کفار اور دور حاضر کے منافقین کا نبی کو بشر کہنے کا نظریہ یکساں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ماضی کے کفار اپنا یہ فاسد نظریہ خفیہ طور پر پھیلاتے تھے۔ لیکن دور حاضر کے منافقین زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین سے دو ٹوک بلکہ چار قدم آگے ہیں۔ کیونکہ جو بات ملی الا علان کہتے توئے ماضی کے کفار و مشرکین جھپکتے تھے اور چھپ چھپ کر خفیہ طور پر جو بات کہتے تھے، وہی بات دور حاضر کے منافقین علانیہ طور پر کہہ کر اپنی میاکی، بے حیائی، بے شرمی، شقاوت قلبی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

الحقیر! حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت و رفعت کو گھمنے کی غرض سے زمانہ اقدس کے کفار و مشرکین نے "بشر" ہونے کے معاملہ کو غلو کی حد تک اُچھالا اور اُبھارا اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ جہاں دیکھو وہاں "بشر" والا معاملہ زیر بحث تھا۔ انکار نبوت کے لیے ان کفار کے پاس صرف "بشر" کا معاملہ ہی سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اس معاملہ کے ضمن میں انہوں نے شور مچا اور دوا دیا چار کھا تھا۔ کفار و مشرکین کے اس ہنگامہ کا ردِ بلیغ اور مُسکت جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت کریمہ نازل فرمائی کہ:-

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۖ وَمَا مَنَعُ
النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبَعْتُ اللَّهَ
بَشَرًا رَسُولًا ۖ

(پارہ: ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۹۳ و ۹۴)

ترجمہ:- "تم فرماؤ، پاکی ہے میرے رب کو، میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔"
(کنز الایمان)

تفسیر:- "رسول کو بشر ہی جانتے رہے اور ان کے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے ہوئے کمالات کے مقہور اور معترف نہ ہوئے۔ یہی ان کے کفر کی

اصل حق اور اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔“
(تفسیر خزائن، المرحان، ص: ۵۲۶)

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب کفار و مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ”بشر“ ہونے کا غوغا مچایا اور ”بشر“ ہونے کا بہانہ پیش کر کے لوگوں کو ایمان لانے سے روکنے کی تحریک کو فروغ دیا اور معاملہ حد سے بڑھ گیا، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ”قُلْ“ یعنی ”اے محبوب! تم فرماؤ“ کیا فرماؤ؟ ”سُبْحَانَ رَبِّيَ“ یعنی ”پاکی ہے میرے رب کو۔“ قارئین کرام خاص توجہ دیں اور اس آیت کریمہ کے انداز بیان کی خوبیوں سے لطف اندوز ہوں اور بارگاہ رب العزت جل جلالہ میں اپنے رؤف و رحیم آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہت اور قدرومنزلت کا اندازہ لگائیں کہ کفار و مشرکین نے اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا تھا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ دے رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا ہے اس کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے کہ ”قُلْ“ یعنی ”اے محبوب! تم فرماؤ۔“ آیت میں سب سے پہلا لفظ ”قُلْ“ وارد ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے وہ ہم اگلے صفحات میں آیت کریمہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ“ (۱۸) کے ضمن میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ یہاں صرف اتنی بات ذہن نشین کریں کہ اللہ تعالیٰ منکرین بارگاہ رسالت کو جو جواب مرحمت فرما رہا ہے وہ اپنے محبوب کی زبانی مرحمت فرما رہا ہے لیکن وہ جواب مرحمت فرمانے سے پہلے اپنے محبوب کو حکم فرماتا ہے کہ کافروں نے تم کو اپنے جیسا بشر کہا ہے۔ ان کا جواب دینے سے پہلے تم ہماری پاکی بیان کرو اور فرماؤ کہ ”سُبْحَانَ رَبِّيَ“ یعنی ”پاکی ہے میرے رب کو۔“ کافروں کو جواب دینے سے قبل اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے میں کیا حکمت ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

”پاکی ہے میرے رب کو“ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میرا رب ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اس کی قدرت و حکمت غیر متناہی اور ہر چیز کو محیط ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کے اسرار و رموز ہر عیب و نقص سے پاک ہیں۔ میرا رب الہی قادر و مطلق ہے کہ اس کی تمام صفات

میں عیب و نقصان کا وہم و گمان و امکان ہی نہیں ہو سکتا بلکہ مکمل "سبحان اور سبحان" یعنی پاک اور پاک کی "کے جلوے ہی ہیں۔ اس رب سبحان عظیم نے اپنے پیدا کیے ہوئے بے شمار انسانوں میں سے چند مخصوص اور چنے ہوئے انسانوں کو نبوت و رسالت کے منصب عالی سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس پاک رب قدیر نے انسانوں ہی میں سے اپنے مخصوص بندوں کو جب نبی اور رسول کی حیثیت سے چنا ہے تو رب قدیر کا یہ چنا اور پسند فرمانا بھی عیب و نقص سے پاک ہے۔ ان انبیاء و مرسلین کا انسان ہونا کوئی عیب یا نقص نہیں بلکہ رب سبحان عظیم کی حکمت کاملہ کے اسرار و رموز کا خزینہ ہے۔ لہذا اے نافرمان! اے بے عقلو! اگر تمہارے زعم و خیال میں نبی و رسول کا انسان ہونا عیب ہے تو تم رب کی قدرت اور اس کی شان سبحان عظیم میں عیب جوئی کرتے ہو۔ آخر نبی اور رسول کا انسان ہونا عیب یا نقص ہونا تو وہ پاک رب اپنے مخصوص بندوں کو یعنی نبوت و رسالت کے عالی منصب پر فائز ہونے والے مقدس حضرات انبیاء کو بشریت کے عیب و نقص سے مستغفٹ نہ کرتا۔

اب وہ جواب ملاحظہ فرمائیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے بتانے کے مطابق کفار و مشرکین کو سنایا "هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ" یعنی "میں کون ہوں، مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔" کفار و مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بشر" کہا تھا۔ آپ کو بشر کہنا ان کی عقل کا فتور و نساو تھا۔ ان کی فہمی اور بے عقلی کا ہی نتیجہ تھا کہ اپنے پر قیاس کر کے یہ ناز و بیانات کہہ بیٹھی۔ لہذا ان کی عقلوں کے معیار کو طوطا رکھتے ہوئے یہ جواب دیا گیا کہ تم میرے متعلق بشر ہونے کی بات پھیلاتے ہو، اور میرے بشر ہونے کے معاملہ کو اہمیت دیتے ہو، تو اب مجھ سے سنو، ہاں! ہاں! میں بشر (آدمی) ہی ہوں لیکن صرف بشری نہیں بلکہ "بَشَرًا مِّثْلُكُمْ" یعنی "اللہ کا بھیجا ہوا آدمی (بشر) ہوں۔ میں تمہاری طرح عام مخلوق کا انسان نہیں ہوں بلکہ اللہ کا مخصوص چنا ہوا اور منصب رسالت سے سرفراز رسول ہوں۔ مجھے صرف بشریت سمجھو۔ اپنی بشریت پر میری بشریت کو قیاس مت کرو، کیونکہ میں "بَشَرًا مِّثْلُكُمْ" ہوں۔ تمہارا مجھے بشر کہنا تمہاری گمراہی و غلطی کا سبب ہے۔ جو تمہیں ایمان لانے سے روکتا ہے۔" وَمَنْ يَدْعُ إِلَى الْفِتْنِ يَكُ مِنَ الْفَاسِقِينَ

جہ۔ وَمَنْ يَدْعُ إِلَى الْفِتْنِ يَكُ مِنَ الْفَاسِقِينَ

بَشَرًا رَّسُولًا یعنی "اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر یہ کہ بولے اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا؟" یعنی میں تمہارے پاس رشد و ہدایت کا پیغام تو حید لے کر آیا ہوں۔ تاکہ تمہیں کفر و شرک کی خطرات و گمراہی کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان کی دولت سے مالا مال کروں لیکن تم میرے بشر ہونے کے معاملہ کو اٹھاتے ہو اور دولت ایمان سے محروم رہتے ہو اور میرے رسول ہونے میں شک کرتے ہوئے یہ کہتے ہو کہ کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ تم میرا بشر ہونا ہی دیکھتے ہو لیکن میرے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ کمالات نہیں دیکھتے۔ ہاں! ہاں! سن لو! میں بشر ہوں تو کیا ہوا؟ میرا بشر ہونا تمہاری طرح نہیں۔ میں "بَشَرًا رَّسُولًا" ہوں۔ مجھے عام بشر کی مانند لگان کر کے ایمان سے کیوں محروم رہتے ہو؟

اس بحث کو مزید طول نہ دیتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار و شرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب نبوت و رسالت، تعصبات و کمالات، خصوصیات و صفات، فضائل و کمالات اور دیگر محاسن طیبہ عالیہ کا اقرار و اعتراف نہ کیا اور آپ کو صرف بشر ہی جانتے رہے اور یہی بات ان کے کفر کی اصل تھی۔ نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر کافر کے کافر ہی رہے۔

ایک اہم نکتہ کی طرف بھی توجہ کرام کی توجہات متنت کرنا ضروری ہے کہ اس آیت میں "بَشَرًا رَّسُولًا" کا جو جملہ ہے وہ جملہ حضور اقدس کی زبانی ادا کیا گیا ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان فیض ترجمان سے کفار و شرکین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "قُلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا" یعنی "میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔" حضور اقدس نے خود اپنی زبان مقدس سے اپنے لیے "بَشَرًا رَّسُولًا" کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب کے لیے نہیں کہا کہ میرا محبوب "بَشَرًا رَّسُولًا" ہے بلکہ اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا کہ اے محبوب! "قُلْ" تم کہہ دو! اس میں کیا سکت و راز ہے اس کی تفصیلی وضاحت بھی آئندہ صفحات میں "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ" آیت کے ضمن میں کی گئی مفصل ہے۔

”سب سے پہلے ابلیس نے نبی کو بشر کہا ہے“

یہاں تک کی تمہیدی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول کے زمانے کے کفر و شرکوں نے ان کو ”بشر“ اور ”اپنے جیسا بشر“ کہا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ہے لیکن ہم نے یہاں صرف اکتیس (۳۱) آیات تلاوت کیں ہیں۔ ان ۳۱ آیات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مندرجہ ذیل انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کے زمانے کے کفار و شرکین نے اپنے جیسا بشر کہا تھا۔

- ⑤ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت: ۲۳
- ⑤ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت: ۳۳ و ۳۴
- ⑤ حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت: ۱۳۱ و ۱۳۵
- ⑤ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت: ۸۵ و ۸۶
- ⑤ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۱۳، سورۃ ابراہیم، آیت: ۱۰ و ۹

- ⑤ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت: ۳۵ و ۳۸
- ⑤ حضرت عیسیٰ کے دو حواری صادق و صدق = حوالہ:- پارہ: ۲۲، سورۃ یونس، آیت: ۱۵
- ⑤ حضرت اٹحق، ابراہیم، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ و ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ الیاس، زکریا، یونس، داؤد، موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۷، سورۃ الانعام، آیت: ۸۳ و ۹۱

- ⑤ علیہم المرتبت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ: ۲۸، سورۃ التہان، آیت: ۶۵

- ⑤ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم = حوالہ:- پارہ: ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت: ۷

- ⑤ حضور اقدس سید المرسلین ﷺ = حوالہ: پارہ ۱، سورۃ الانبیاء آیت: ۳
- ⑥ حضور اقدس سید المرسلین ﷺ = حوالہ: پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۹۳ و ۹۴
- الخصم ابیرہنی کے دور کے کفار و شرکین نے اپنے زمانے کے نبی پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" کہا۔ اور اپنے اس کہنے سے نبی کی شان میں توہین و تنقیص ہی مراد لی تھی۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا مذکور انبیائے کرام کے زمانہ میں طویل فاصلہ تھا۔ بہت کم انبیائے کرام ایسے ہوئے ہیں کہ جن کا زمانہ کسی دوسرے نبی کے زمانے سے ملتی ہو۔ بلکہ اکثریت یہی پائی جاتی ہے کہ ایک نبی کا زمانہ دوسرے نبی کے زمانے سے بہت بعد میں تھا۔ مثلاً:

- ⑦ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان تقریباً اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔
- ⑧ حضرت ابراہیم کا زمانہ حضرت یسٰیٰ سے دو ہزار، تین سو (۲۳۰۰) سال پہلے ہے۔
- ⑨ حضرت سیدنا نوح اور حضرت یسٰیٰ کے درمیان چار ہزار ایک سو (۴۱۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔
- ⑩ حضرت زکریا کا زمانہ حضرت یعقوب کے زمانہ سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال بعد میں ہے۔
- ⑪ حضرت موسیٰ اور حضرت یسٰیٰ کے درمیان ایک ہزار نو سو (۱۹۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔
- ⑫ حضرت یعقوب اور حضرت داؤد کے درمیان تقریباً پارہ سو (۱۲۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔
- ⑬ حضرت ہارون اور حضرت الیاس کے درمیان تقریباً چھ سو (۶۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔

○ حضرت یحییٰ اور حضور اقدس کے درمیان تقریباً پانچ سو (۵۰۰) سال کا

فاصلہ ہے۔ (علیٰ نبینا وعلیہم واسلوٰۃ والسلام)

لیکن تمام انبیائے کرام کے زمانہ کے کفار و مشرکین نے صرف ایک ہی نعرہ لگایا تھا کہ "بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمِثْلُکُمْ" یعنی "ہمارے اور تمہارے جیسے بشر" زمانہ بدل گیا، انبیائے کرام کی بدلایاں ہوتی رہیں، انبیائے کرام کے دشمن بھی تبدیل ہوتے رہے لیکن تمام انبیائے کرام کے خلاف ہر زمانہ میں صرف ایک ہی نعرہ بلند کیا گیا کہ یہ تو ہمارے اور تمہارے جیسے بشر ہیں۔ کسی بھی نبی کے خلاف اس کی عمر، تجارت، صنعت، پیشہ، خاندان، حسب و نسب، منصب، قومیت، وغیرہ وجوہات کی بناء پر علم بغاوت بلند نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر نبی کے خلاف ہر دور میں "بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمِثْلُکُمْ" یعنی "ہمارے اور تمہارے جیسے بشر" کا نعرہ ہی بلند کیا گیا۔ کفار و مشرکین کو "بشر" ہونے کے علاوہ اور کوئی بہانہ ہی نہ ملتا تھا حالانکہ وہ بہت سے معاملات کو وجہ، سبب بنا کر مخالفت کر سکتے تھے۔ مثلاً:-

○ عمر کا معاملہ:- انبیائے کرام کی ظاہری حیات کی عمریں متفرق ہوتی ہیں:-

- حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال ہوئی ہے۔
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو و پچیس (۱۷۵) سال ہوئی ہے۔
- حضرت احق علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو اسی (۱۸۰) سال ہوئی ہے۔
- حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو تین (۱۳۷) سال ہوئی ہے۔
- حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہوئی ہے۔
- حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عمر شریف صرف تینتیس (۲۳) سال ہوئی ہے۔
- حضرت اقدس علیہ السلام کی عمر شریف صرف تیرہ (۱۳) سال ہوئی ہے۔

حالانکہ کفار و مشرکین عمر کے فرق پر اعتراض کر سکتے تھے لیکن انہوں نے عمر کے فرق پر

کوئی اعتراض نہ کیا اور صرف "بشر" ہونے کا ہی اعتراض کیا۔

○ پیشہ و تجارت کا معاملہ:- انبیائے کرام نے مختلف پیشے اختیار کیے تھے۔ مثلاً:-

○ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیشہ کاری (کھیتی) کرتے تھے۔

- ۵۰ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑے پہنتے تھے۔
- ۵۱ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام لوہے کی زرہیں اور تھیار بناتے تھے۔
- ۵۲ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بکریاں چراتے تھے اور ایک عرصہ دراز تک ملازمت بھی کی ہے۔
- ۵۳ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا کی عظیم سلطنت کے بادشاہ تھے۔
- ۵۴ نضر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملازمت اور مصر کی بادشاہت بھی فرمائی ہے۔
- ۵۵ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی ہے، ملک شام کا تجارتی سفر بھی فرمایا ہے۔

الحق! ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں ضرورت کے پیش نظر جائز کاروبار کر کے ذریعہ معاش و کسب حلال کے لیے محنت و مشقت فرمائی ہے۔ ملازمت کی ہے۔ تجارت کی ہے، مزدوری کی ہے، ورزی اور لوہار کا کام کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ علاوہ ازیں تمام انبیائے کرام صرف ایک ہی قوم، ایک ہی خاندان یا ایک ہی ملک کے نہ تھے۔ حاصل کام یہ کہ کسی بھی نبی کے حسب نسب، خاندان، شہر، ملک، زبان، قومیت، تجارت، پیشہ، حکومت، عمر شریف وغیرہ کسی بھی معاملہ پر کفار و شرکین نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن ہر نبی پر صرف تَبَشِّرْ و تَنْفِیْ و مُنْكَرٌ یعنی "ہمارے اور تمہارے بھڑ" کا اعتراض ہر زمانہ میں ہوا ہے۔

حضرت سیدنا آدم سے حضور اقدس رحمت عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تک تقریباً دس ہزار (۱۰,۰۰۰) برس کا زمانہ گزرا ہے۔ دس ہزار برس کا فاصلہ کوئی قلیل فاصلہ نہیں بلکہ بہت ہی طویل فاصلہ ہے۔ اور اس دس ہزار سال کے فاصلہ کے درمیان بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، جدید ایجادیں ہوئیں، پرانے طرز عمل کے بجائے نئے نئے طور و طریقے آئے۔ لیکن انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کا کفار و شرکین کا جو طریقہ تھا اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ ہر دور میں ایک ہی مساوی نعرہ تھا۔ اور وہ ہے یعنی "ہمارے تمہارے جیسے بھڑ" کا نعرہ۔ اس نعرہ میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی و ترمیم نہیں ہوئی بلکہ ہر دور میں یہ نعرہ اپنے اصلی حال پر رہا۔ زمانہ ماضی کے کفار و شرکین اور زمانہ حاضر کے منافقین

ہوں، تمام اسلام دشمن عناصر انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے ہمیشہ ہمارے اذیتہاں رہے جیسے بشر والا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ تو کیا ہر دور کے منافقین، مشرکین، کفار، یہود و نصاریٰ کی ایک ہی پالیسی (Policy) دروشی کسی شخص سے براہ ولیذری ذہنیت کا ہی نتیجہ تھا؟ زمانہ قدیم میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک خبریں آسانی سے نہیں پہنچتی تھیں کیونکہ اس زمانہ میں اخبار و اطلاعات کی نشر و اشاعت کے کوئی وسائل و ذرائع مہیا نہ تھے۔ لہذا ایک مقام کی خبریں زمانہ دراز تک دوسرے مقام تک ارسال نہ ہوتی تھیں لیکن نئی کو "ہمارے تمہارے جیسے بشر" کا "نعرہ" ایک مقام سے دوسرے مقام تک فوراً پہنچ جاتا تھا بلکہ وہ نعرہ ہر مقام اور ہر زمانہ میں "مساوی نعرہ" (Equal Clamour) کی حیثیت سے کفار و مشرکین کے مابین عام و رائج تھا۔ ہر زمانہ اور ہر مقام کے کفار و مشرکین اپنے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" کہہ کر ان کی ہدایت و نصیحت قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر زمانے اور ہر مقام کے کفار و مشرکین کو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی ذہنیت کس نے سکھائی؟ جو اب صاف ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس نے نبی کو بشر کہا ہو۔ اب یہ جانچ کریں کہ نبی کو سب سے پہلے بشر کس نے کہا؟ اس سوال کا جواب ہم اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام یعنی قرآن مجید سے حاصل کریں۔

① شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس وجہ سے سجدہ نہ کیا؟

قرآن مجید میں کئی مقام پر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول انسان، ایوب البشر، حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو جب پیدا فرمایا تو تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا لیکن ابلیس لعین نے سجدہ نہ کیا۔ اور سجدہ نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں اس کی لاکھوں برس کی عبادت و ریاضت کا رت و ربا ہو گئی اور وہ اللہ کے مقرب بندہ کے عہدہ سے معزول ہو کر مردود اور معلول بن گیا۔

ابلیس جس کو شیطان کہتے ہیں اس کا نام "عزرازل" تھا۔ عزرازل بہت ہی بڑا عابد

اور عالم تھا۔ علم اور عبادت میں تمام فرشتوں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ یہاں تک کہ وہ معلم الملوکوت یعنی فرشتوں کا استاذ تھا۔ عزائیل نے حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے بڑے کام بھی انجام دیئے تھے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے ساٹھ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آسمان میں اور جنت کو زمین میں بسائے اور آباد کیے تھے۔ زمین میں آباد ہونے کے سات ہزار سال کے بعد جنت میں آپسی اختلافات کی ابتداء ہوئی۔ یہ اختلافات رفتہ رفتہ بغض و حسد اور سخت عداوت کی حد تک پہنچ گئے اور نتیجتاً جنت میں آپس میں جنگ و جدال اور خونریزی تک لوہت پہنچی۔ جب اللہ تعالیٰ نے عزائیل (الہیس) کو حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت اپنے ساتھ لے کر زمین پر جاؤ اور جنت کو زمین سے نکال کر پہاڑوں اور جزیروں میں آباد کرو۔ حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے عزائیل نے یہ خدمت بخوبی انجام دی اور جنت کو پہاڑوں اور جزیروں میں بھگا دیئے۔ عزائیل نے اپنے ساتھ آئے ہوئے فرشتوں کو زمین میں آباد کر دیئے۔ جب سے فرشتوں کے دواختے ہوئے۔ زمین والے فرشتے اور آسمان والے فرشتے۔ عزائیل کو جنت کی سرکوبی کی خدمت انجام دینے کے انعام میں زمین اور پہلے آسمان کی بادشاہت و مظاہر مائی گئی اور جنت کے خزانے بھی عنایت کیے گئے۔ عزائیل (الہیس) کبھی زمین میں، کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں مقبول بارگاہ رب العزت کی حیثیت سے آمد و رفت اور عبادت کرتا رہتا تھا۔ (بحوالہ: تفسیر نعیمی، جلد ۱: ص ۲۴۸، ۲۴۹)

عزائیل (الہیس) جو زبردست عالم و عابد تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرتا تھا۔ جنت کو زمین سے نکالنے کی مہم میں اس نے نمایاں خدمت انجام دی تھی۔ اور حکم الہی کی عبادت میں قابلِ تحسین رول ادا کیا تھا۔ اس عزائیل کو کیا ہو گیا تھا کہ اللہ کے حکم سے ایک سجدہ کرنے سے باز رہا اور مردود ہو گیا۔ ایک ذرا سا معاملہ تھا کہ اللہ کے حکم کو سراسر آنکھوں پر لے کر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے جھکنا تھا لیکن وہ نہ جھکا بلکہ اکر ا اور بارگاہ الہی سے مردود ہو کر نکلا۔

قرآن شریف میں ہے کہ:-

قَلِيلًا مِّنْهُمْ ذُو فَعْلٍ بَلْ رَكَبَ الْفُلْ

marfat.com

سَجِدِينَ ۝ فَسَجِدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّا إِبْلِيسَ ۝

أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ (پارہ ۱۲، سورہ الحجر، آیت ۲۹)

ترجمہ:- ”تو جب میں اسے ٹھیک کر لوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص سحر روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدہ میں گر پڑے ۝ سوا ابلیس ۝ اس نے سجدہ والوں کا ساتھ نہ مانا۔“ (کنز الایمان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعظیم کا سجدہ کیا لیکن شیطان انکار اور اس نے سجدہ کرنے میں فرشتوں کا ساتھ نہ دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ جب کہ سجدہ کرنے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیا تھا۔ وہ ابلیس جس نے لاکھوں سال عبادت کر کے کروڑوں کھربوں سے بھی زیادہ سجدے کیے تھے، اسے صرف ایک سجدہ کرنے سے کیا اعتراض تھا؟ اور اعتراض و انکار بھی اس سجدہ سے کیا، جس سجدہ کے کرنے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں ہے کہ جب فرشتے حضرت آدم کو سجدہ کرنے گئے تو شیطان حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پیچھے کر کے کھڑا ہو گیا۔ فوراً اس کی صورت مسخ ہو گئی۔ حالانکہ شیطان شکل و صورت میں بہت ہی خوبصورت تھا لیکن سجدہ کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے اس کا جسم خنزیر کا اور چہرہ بندر کا ہو گیا۔ (بحوالہ: تفسیر فیسی، جلد ۱: ۲۷۴)

اب ہم ہماری گفتگو کے مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعظیم کا سجدہ نہ کیا۔ اس کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو اس نے کیا جواب دیا؟ وہ دیکھیں:-
قرآن مجید میں ہے کہ:-

”قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ لَمْ لَنْ

لَا تُشْجِدُ لِمَنْ خَلَقْتَهُ مِنْ خُلُقَالٍ تَنْ خَبَأْتُمْ عَنْ قَالٍ
فَاخْرُجْ مِنْهَا لَنْ تَكُنْ رَجِيمٌ ۝ وَإِنْ عَلَيْكَ اللَّفْنَةُ إِلَى يَوْمِ
الَّذِينَ ۝

(پارہ ۴: سورہ البقرہ، آیت ۲۵۲-۲۵۳)

ترجمہ:- ”فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ
رہا؟ ۝ بولا مجھے نہ پتا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے جنتی مٹی سے بنایا جو
سما اور ازار گارے سے مٹی ۝ فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے ۝
اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔ ۝“ (کنز الایمان)

قارئین کرام! اس آیت کو اور اس کے ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن مجید نے
صاف فیصلہ فرمادیا کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ”بشر“
ہونے کی وجہ سے ہی سجدہ نہ کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو
اس نے بے باکی سے یہ جواب دیا کہ کَمْ اَکُنْ لَا تُشْجِدُ لِمَنْ خَلَقْتَهُ یعنی ”مجھے نہ پتا نہیں کہ بشر
کو سجدہ کیوں۔“ ابلیس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہا اور بشر ہونے کی وجہ سے
نبی تعظیم کرنے یعنی تعظیم کا سجدہ نہ کرنے سے صاف انکار کیا۔ ثابت ہوا کہ یہ نیت تو چین ہی کو بشر
کہنے والا ہے پہلا فرد شیخ نجدی یعنی ابلیس تھا۔ بشر ہونے کی وجہ سے نبی کی تعظیم نہیں
کرتی چاہئے یہ نظریہ سب سے پہلے ابلیس نے قائم کیا ہے اور ابلیس کے عقل قدم پر چل کر ہر
زادے کے کفار و مشرکین نے اور دور حاضر کے منافقین نے انبیائے کرام کی شان و عظمت
مٹانے کے لیے ابلیس کی بولی بولنا اختیار کیا اور نبی و رسول کو بشر کہا۔ بلکہ ابلیس سے بھی دو قدم
آگے بہت لے گئے کیونکہ ابلیس نے تو حضرت آدم علیہ السلام و الصلوٰۃ کو صرف ”بشر“ ہی کہا
تھا لیکن کفار و مشرکین اور منافقین نے انبیائے کرام کو تَشْتَرُوْا بِفُلَانٍ وَفُلَانٍ یعنی ”ہمارے
تہارے جیسے بشر“ کہہ کر تو چین و تنقیص انبیاء میں ابلیس سے بھی بڑھ گئے۔

اب اس آیت کے اہم نکات کی طرف توجہ دیجئے۔

معلوم تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عظیم و خیر ہے۔ دلوں کی بات بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے کہ:-

”وَلَنَتَجِصَّ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ“

(پارہ: ۴، سورہ فال عمران، آیت: ۱۵۳)

ترجمہ:- ”اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے کھول دے اور اللہ تعالیٰ
دلوں کی بات جانتا ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے۔ دل میں خیال پیدا ہوتا ہے اسے بھی جانتا ہے بلکہ دل میں جو خیال پیدا ہونے والا ہوتا ہے اسے بھی جانتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ شیطان نے حضرت آدم کو کیوں اور کس وجہ سے مجبور نہیں کیا۔ تو جب اللہ تعالیٰ کے علم میں شیطان کے مجبور نہ کرنے کی وجہ تھی تو پھر شیطان کے مجبور نہ کرنے کی وجہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شیطان سے مجبور نہ کرنے کی وجہ دریافت نہ فرماتا اور اپنے علم میں اس کی وجہ ہونے کی وجہ سے اسے مردود و لعین بنا کر نکال دیتا تو اس وقت سے لے کر قیامت تک کے وقت تک ہونے والوں کو صرف اتنا ہی معلوم ہو سکتا کہ شیطان نے اللہ کا حکم نہ مان کر مجبور نہ کیا، اس لیے وہ مردود ہو گیا اور یہ راز کسی پر نہ کھلتا کہ شیطان نے اللہ کے برگزیدہ نبی کی تعظیم سے انکار کرتے ہوئے اور انہیں حقیر جانتے ہوئے انہیں ”بشر“ کہنے کی وجہ سے رائدہ درگاہ اعلیٰ ہوا ہے۔

شیطان سے مجبور نہ کرنے کی وجہ دریافت کرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ قیامت تک ہونے والے انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نبی کو ”بشر“ کہہ کر اور جان کر مجبور سے انکار کرنے کی وجہ سے شیطان ”کافر“ ہوا ہے۔ شیطان کے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کے نبی کو ”بشر“ کہا۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے نبی کو ”بشر“ کہنے کی ابتداء شیطان نے کی ہے اور اللہ کے نبی کو بشر کہا شیطان کا طریقہ ہے۔

”انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہنے والوں کو شیطان نے ہی یہ ذمہ داری دی ہے“

جب شیطان تعظیم نبی کا منکر ہو کر مردود ہوا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے جو کہا اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ

”قَالَ اِنَّكَ هَذَا الَّذِي كُذِّبْتَ عَنْكَ لَنْبِ اَخْرَجْنِي اِلَىٰ اِيْدُمِ
الْبَيْتَةِ لَا حَقَّ لَكَ ذُرِّيَّتَهُ اِلَّا قَلِيْلًا“

(پارہ ۱۵: سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۴)

ترجمہ:- ”بولاد کیو تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اس کی اولاد کروں گا اور میں ڈاؤں کا ٹکڑا ہوں گا۔“
(کنز الایمان)

یعنی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے اللہ تو نے حضرت آدمؑ کو مجھ سے معزز یعنی زیادہ عزت والا بنایا اور اس کو مجھ سے زیادہ عزیز کر دیا اور میں نے کہا اگر تو نے مجھے قیامت تک کی مہلت دی تو میں آدمؑ کی اولاد کو نگراہ کروں گا اور میں کروں گا۔ شیطان کو معلوم ہو چکا تھا کہ میری لاکھوں لاکھوں سال کی عبادت و ایٹھال گئی ہے اور جہنم کے نرے زمین اور پہاڑ آسمان کی بادشاہت مجھ سے چھین لئے گئے ہیں میرا ارادہ مانا اور مردود بننا، قیامت تک کے لیے میری گردن میں لعنت کا طوق پڑنا یہ سب معصرت آدمؑ علیہ السلام و السلام کو ایک جہد نہ کرنے کی وجہ سے ہوا ہے میری ان تمام سزاؤں کا سبب

حضرت آدم ہیں۔ لہذا میں بھی انتقام لے کر رہوں گا۔ حضرت آدم کی اولاد کو گمراہ کر کے، ان کے ایمان چھین کر ان کو گمراہیت کی پٹی میں ہیں کر رکھ دوں گا۔ حضرت آدم کو تعظیم کا سجدہ نہ کر کے میں روزِ آخر اور عذاب کا مستحق ہوا ہوں، لہذا اس سزا کا بدلہ لیتے ہوئے حضرت آدم کی اولاد کے بے شمار لوگوں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا۔

تمام انسان کے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور تمام انسان حضرت آدم کی ذریت یعنی اولاد ہیں۔ شیطان کے دل میں حضرت آدم سے انتقام لینے کی آگ شعلہ زن ہے لہذا وہ نبی آدم (انسان) کو اپنے جھگڑوں سے گمراہ کرتا رہتا ہے۔ شیطان یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا کہ میری چابی اور بر باد کی کا سبب حضرت آدم کی تعظیم سے انکار کرنا اور ان کو بشر کہتا ہے۔ میں نے صرف ایک مرتبہ ہی حضرت آدم کو بشر کہا تو میری لاکھوں برس کی عبادت اور ساتھ میں میرا ایمان بھی ضائع و برباد ہو گیا۔ تو اگر میں اولاد آدم یعنی انسانوں کو بھی نبی کو بشر کہنے کی ذہنیت دے دوں، تو ان کی عبادت کی بساط کتنی ہے؟ کبھی سو، پچاس یا پانچ سو برس کی عبادت ہوگی۔ میں نے تو اللہ کے نبی کو صرف ایک مرتبہ بشر کہا ہے۔ آدم کی اولاد کو نبی کو بشر کہنے کی تسبیح پڑھا دوں۔ بلکہ ”اپنے جیسا بشر“ کہلوادوں۔ صرف کہلوادوں میں نہ لوں بلکہ ان سے کتابیں لکھوادوں تاکہ پلے بھر میں ان کے ایمان تباہ و برباد ہو جائیں۔ ہر زمانے اور ہر مقام کے لوگوں کو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی ذہنیت دے دوں اور ان کے ایمان چھین کر ان کو جہنم میں دھکیل کر اپنا بدلہ لے لوں۔

چنانچہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے لوگوں کو شیطان نے انبیائے کرام کو ۱۰ بشر ۱۰ اپنے جیسا بشر ۱۰ تمہارے جیسا بشر ۱۰ عاجز بندے ۱۰ ہمارے بڑے بھائی وغیرہ کہنے کی ذہنیت دی اور ان کو گمراہ کیا، ان کے ایمان چھینے، ان کے عمل برباد کیے، ان کو جنت سے محروم کیا اور جہنم کے حقدار بنادے۔

”انبیائے کرام کے خلاف کی جانے والی ہر سازش میں شیطان شریک ہوتا ہے“

اوراق سابقہ میں سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۳ لَایْمِیۃٌ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاسْتَوٰۤا النُّجُوٰی
الَّذِیۡنَ ظَلَمُوْۤا هٰذَا اِلَّا یَشْعُرُوْۤا بِمَلٰٓئِکَتِهِمْ یَقْلُقُکُمْ ؕ کی تلاوت کا ہم نے شرف حاصل کیا ہے۔ اس
کا ترجمہ یہ ہے ”ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں۔ اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت کی
کہ یہ کون ہیں ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں۔“ (کنز الایمان)

اس آیت شریف میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ کفار اور مشرکین خفیہ مشورت کرتے
ہیں۔ یعنی Secret Meeting کرتے ہیں اور اس مینٹگ میں نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان
کی عظمت و شان گھٹانے کی سازش کرتے ہیں۔ اس مینٹگ میں شیطان بھی شامل ہوتا ہے
اور مینٹگ میں شریک ہونے والے نمائندوں کو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی ترغیب اور ذہنیت
دیتا ہے۔

شیطان لعین کے ہتھکنڈے اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے اس کے دام فریب
میں پھنس کر اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً انبیائے کرام کی عظمت گھٹانے اور ان کی توہین
و تنقیص کے معاملہ میں شیطان ہمیشہ پیش پیش رہتا ہے اور اپنے مشورے دیتا ہے۔ جیسا کہ:-

○ دارالندوہ کی مینٹگ میں شیطان بصورت شیخ نجدی حاضر تھا:-

حضور ہندس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ شہید کرنے کی سازش کو عملی
جامہ پہنانے کی غرض سے کفار کہنے ”دارالندوہ“ نام کے کیمنی گھر میں ایک مینٹگ کا انعقاد کیا

اور کفار قریش کے برقیلہ کے سردار اور دانشمند برائے مشورہ جمع ہوئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:-

وَإِذْ يَتَكَلَّمُ بِكَ الْكَافِرُونَ كَغَفَرُوا لِيُغَيِّبُواكَ أَوْ يَخْتَلُوا ۖ وَيَتَكَلَّمُونَ وَيَتَكَلَّمُونَ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُنْظِرِينَ

(پارہ ۹: سورۃ الانفال، آیت: ۳۰)

ترجمہ:- ”اور اے محبوب! یاد کرو، جب کافر تمہارے ساتھ کر کرتے تھے کہ تمہیں ہند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا کر کرتے تھے۔ اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔“
(کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ:-

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کفار قریش دار الندوہ (کئی گھر) میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بڑھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں شیخ نجید ہوں۔ مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں آیا ہوں۔ مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔ میں تمہارا رفیق ہوں اور اس معاملہ میں بہتر رائے سے تمہاری مدد کروں گا۔ انہوں نے اس کو شامل کر لیا اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔

ابو العترہ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط بندشوں سے باندھ دو اور دروازہ بند کر دو۔ صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور وہیں وہ ہلاک ہو کر رہ جائیں۔ اس پر شیطان لعین جو شیخ فحید بنی ہوا تھا۔ بہت ناخوش ہوا اور کہا کہ نہایت ناقص رائے ہے۔ یہ خبر مشہور ہوگی اور ان کے اصحاب آئیں گے اور اس کے خلاف کارروائی کریں گے۔

کے۔ لوگوں نے کہا شیخ نجدی ٹھیک کہتا ہے۔

پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا۔ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ان کو (یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو) اونٹ پر سوار کر کے اپنے شہر سے نکال دو۔ پھر وہ جو کچھ بھی کریں اس سے تمہیں کوئی ضرر نہیں۔ اٹلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا کہ جس شخص نے تمہارے ہوش اڑا دیے ہیں اور تمہارے دانشمندوں کو حیران بنادیا ہے اس کو تم دوسروں کی طرف بھیجے ہو؟ تم نے اس کی شیریں زبانی اور سیف کھائی اور دکھائی نہیں دیکھی ہے؟ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے قلوب کو تسخیر کر کے ان لوگوں کو ساتھ لے کر تم پر چڑھائی کر دیں گے۔ اس پر اہل جمع نے کہا کہ شیخ نجدی کی رائے ٹھیک ہے۔

اس پر ابو جہل کھڑا ہوا اور اس نے اپنی رائے دی کہ قریش کے ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور ان کو تیز تلواریں دیں جائیں۔ وہ سب یکبارگی حضرت پر حملہ آور ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نڈر لگیں گے۔ غایت یہ ہے کہ خون کا معاوضہ دینا پڑے گا وہ دے دیا جائے گا۔ اٹلیس نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابو جہل کی بہت تعریف کی اور اسی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ گزارش کیا اور عرض کیا کہ حضور اپنی خواب گاہ میں شب کو نہ رہیں اور اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے کہ مدینہ طیبہ کا عزیمت فرمائیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ (حوالہ تفسیر خزائن العرفان: ۳۲۵)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کی جانے والی سازش میں اٹلیس العین ضرور شریک ہوتا ہے اور اپنے مشورے چوش کرتا ہے اور لوگوں کے ایمان پر باد کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان کسی قوم کو اخلاق سے گرے ہوئے افعال قبیح میں ملوث کر دیتا ہے۔ مثلاً:-

⑤ قوم لوط کو لواط کا فعل قبیح شیطان نے سکھایا ہے:-

لواط (Sodomy) کی قباحت اور خوست و دنیا کے تمام انسان انجان و بے خبر تھے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مرد اپنی شہوت کسی مرد کے ساتھ بد فعلی کر کے پوری کرے۔ دنیا میں لواط کی ابتدا وہ قوم لوط نے کی ہے۔ قوم لوط سے پہلے کسی نے بھی لواط کی بد فعلی نہیں کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:-

”وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ
الْأُنثَىٰ ۚ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ“

(پارہ ۸، سورۃ الاحزاب، آیت: ۸۰ و ۸۱)

ترجمہ:- ”اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا وہ بے حیائی کرتے ہو، جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی ۝ تم تو مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے۔“
(کنز الایمان)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ لواط کی بے حیائی قوم لوط سے پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ لواط کی ابتدا وہ قوم لوط نے کی ہے۔ اور قوم لوط کو لواطت کرنا شیطان نے سکھایا ہے۔ شیطان نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو لواطت کس طرح سکھائی؟ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

”حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام بن ہاران بن تارخ رشتہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے تھے۔ یہ حضرات ”عراق“ (Iraq) کے شہر بابل کے باشندے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے وطن میں آباد کیا۔“

تشریف لے گئے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک شام (Syria) کے شہر "اردون" (Jordan) میں مقیم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرما کر "سدم" والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

شہر سدوم نہایت ہی آباد، سرسبز و آباد تھا۔ وہاں طرح طرح کے اناج، پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ نیز وہاں کی آب و ہوا بھی فرحت بخش تھی۔ شہر سدوم کی خوشحالی اور زرخیزی کی وجہ سے قرب و جوار کے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لیے گاہے گاہے آیا کرتے تھے اور اپنے بچان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ ہر گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہوتا تھا۔ شہر کے لوگوں کو بحیثیت میزبان مہمانوں کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کا یو جھانا پڑتا تھا اور مہمانوں کی خدمت میں ان کا کافی مال اور دولت صرف ہوتا تھا۔ روز بروز مہمانوں کی آمد اور ان کی مہمان نوازی سے لوگ کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے لیکن مہمانوں کی بکثرت آمد کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ لیکن اخلاقی طور و اطوار اور سماجی مراسم کا لحاظ کرتے ہوئے باؤل تاخوات بھی وہ مہمانوں کو "خوش آمدید" کہہ کر حتی الامکان اور حسب استطاعت ان کی خاطر داری کرتے تھے۔

ایک عرصہ دراز تک مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے شہر سدوم کے باشندے اکتا گئے تھے اور اب مہمانوں کو آنے سے روکنے کی کوئی تدبیر اور صورت تلاش کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں شیخ نجدی یعنی الہیس لعین شہر سدوم میں ایک بوزے شخص کی صورت میں نمودار ہوا اور مہمانوں سے تنگ آنے ہوئے میزبان لوگوں کو جمع کر کے ان کو مشورہ دیا کہ اگر واقعی تم مہمانوں کی آمد سے پریشان ہو اور اس پریشانی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو میں تم کو ایک آسان تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب بھی تمہارے یہاں کوئی مہمان آ کر ٹھہرے تو تم اس کے ساتھ زبردستی بد فعلی کرو۔ ایک مرتبہ تمہاری اس حرکت کا تجربہ کرنے والا پھر بھی تمہارے یہاں آنے کی جرأت و ہمت نہیں کرے گا۔ اور رفتہ رفتہ یہ بات پھیل جائے گی کہ تمہاری ہستی میں آنے والے مہمان کی جبراً "مصمت دری" ہوتی ہے۔ تو پھر لوگ تمہارے یہاں آتے ہوئے جھجک محسوس کریں گے، ملک اپنی موانع مصمت اُٹھانے کے خوف سے تمہاری ہستی میں

پاؤں تک نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ ابلیس لعین سب سے پہلے ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں مہمان بن کر شیرازہ دم کی ہستی میں آیا اور ہستی والوں سے خوب خوب بدلتی کرائی۔ خود مغفول بن کر ہستی والوں کو لواطت کا فعل قبیح سکھایا اور رفتہ رفتہ ہستی والے اس بے حیائی کے کام کے اس قدر عادی بن گئے کہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔

حوالہ:- (۱) تفسیر روح البیان، جلد ۳، ص: ۱۹۷

(۲) تفسیر خزائن العرفان، ص: ۲۸۹

(۳) صاوی، جلد ۳، ص: ۷۵ اور

(۴) عجائب القرآن، ص: ۱۲۷

شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد یعنی نوح انسانی کے ایمان اور اخلاق تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بلکہ ان کو ذاتی اور مالی مفاد کی طمع اور لالچ میں لپیٹ کر گمراہیت اور ضلالت کی گہری ندی میں غرق کر دیا۔ المختصر! شیطان مباح اور ہمدرد کی صورت اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ایسے معضروں اور مہلک مشورے دے کر ان کو کفری ذہنیت سکھاتا ہے۔ اور نبی کو بشر کہنے کی ذہنیت بھی ابلیس کا اختراع ہے۔ کفار، مشرکین اور منافقین کو انبیاء کرام سے مخرف کرنے کے لیے اس نے ان کو یہ ذہنیت دی کہ یہ تو "ہمارے تمہارے جیسے بشر" ہیں۔ شیطان کے اس دام فریب کا شکار بن کر ہمدرد کے کفار اور مشرکین نے اپنے اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہا۔

لہذا ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ:-

⑤ شیطان کے بہکاوے میں آ کر کافروں، شرکوں، یہودیوں، عیسائیوں

اور منافقوں نے ہی نبی کو "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا ہے۔

⑥ کسی بھی نبی کے کسی بھی مومن امتی نے اپنے نبی کو اپنے جیسا "بشر" نہیں

کہا۔ صرف کفار امتی نے ہی اپنے نبی کو "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا

ہے۔

marfat.com

① سب سے پہلے نبی کو بشر کہہ کر کافروں نے والا ابلیس لعین تھا اور ابلیس لعین کے نقش قدم پر چل کر ہر زمانہ کے کافروں نے اپنے نبی کو "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا ہے۔

② جنہوں نے نبی کو بطور توہین "بشر" کہا ہے وہ ایمان و ہدایت سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔

اب ہم ہماری گفتگو کے اہم مقام پر آ پہنچے ہیں۔ یعنی قرآن مجید کی آیت کریمہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔" اس آیت کو دلیل بنا کر دور حاضر کے منافقین نے ایک عظیم فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ لہذا اس آیت کے ضمن میں دور حاضر کے منافقین کے اقوال، نظریات، اعتقاد وغیرہ کا جائزہ لے کر ان کے عقائد باطلہ و نظریات فاسد و کار دہیخ، اس آیت کریمہ کی صحیح ترجمانی و تفسیر، اس آیت کے ہر لفظ کی وضاحت، اس آیت میں پوشیدہ اسرار، رموز و حکمت کا انکشاف، عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نازل شدہ اس آیت کی صحیح تفہیم اور دور دور حاضر کے منافقین اس آیت سے غلط مفہوم استدلال کر کے من گھڑت معنی اخذ کر کے جو غلط فہمی پھیلاتے ہیں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن و احادیث کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے اگلے صفحات میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک سوئی سے ان اور اسی کا یہ نظریہ حق مطالعہ فرمائیں۔

”قرآن شریف میں حضورِ اقدس ﷺ کے لیے ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کا ارشاد خداوندی کیوں نازل ہوا ہے؟“

زمانہ ماضی کے کفار و شرکین کے نقش قدم پر چل کر دوبارہ حاضر کے منافقین بھی حضورِ اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”اے جیسا بشر“ کہتے اور لکھتے ہیں۔ شاہن اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو جین و تنقیص کی فاسد غرض و ارادے سے ان کو ”بشر“ ہی نہیں بلکہ اپنے جیسا بشر کہہ کر ”بڑا بھائی“ اور ”عاجز بندہ“ کہنے تک کی جرأت و دلیری کرتے ہیں اور اپنے اس دعویٰ کو مناسب و راست ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت کریمہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”اے جیسا بشر“ کہتے ہیں، وہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ قرآن کی اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس کو حکم فرمایا ہے کہ تم کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ اور حضورِ اقدس نے خود اپنے کو ہمارے جیسا بشر کہا ہے۔ تو ہم جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ قرآن کی روشنی و تعلیم سے کہتے ہیں۔ ہم قرآن مجید کی آیت کے جملے نقل کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی توہین نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے۔

دوبارہ حاضر کے منافقین کی مندرجہ بالا وضاحت کے دوام فریب میں بھولے بھالے مؤمن

پہنچ جاتے ہیں اور ان کی "ہاں" میں "ہاں" ملا کر ان کی اندھی تھلید کرتے ہوئے بے سمجھے ہو جھانک کر بات تسلیم کر لیتے ہیں۔ لہذا سب سے پہلے ہم اس آیت کریمہ کی صحیح تفہیم حاصل کرنے کی سعی و کوشش کریں۔

○ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ

(۱) پارہ ۲۳، سورۃ تم جلد ۱۰، آیت: ۶

(۲) پارہ ۱۶، سورۃ الکہف، آیت: ۱۱۰

ترجمہ:- "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر دور حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں اور حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر کہہ کر:-

○ علم غیب نبی کا انکار کرتے ہیں۔

○ حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر، عاجز بندہ، بڑے بھائی، وغیرہ کہتے ہیں۔

○ کہتے ہیں: "مصر کے مٹی میں مل گئے اور ہماری فریاد و پکار نہیں سن سکتے۔"

○ ان کو کسی قسم کا تعزف و اعتیاد نہیں۔ وغیرہ

الغرض! اس قسم کے نازیبا اور توہین آمیز کلمات کہنے کے لیے قرآن مجید کی مرقوم آیت کریمہ کے غلط مفہام اخذ کرتے ہیں اور گمراہیت و بے دینی پھیلاتے ہیں۔

اب ہم اس آیت کریمہ کے ضمن میں اپنی بحث کا آغاز کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ:-

(۱) اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کیوں کہا گیا ہے؟

(۲) حضور اقدس کو بشر کہنے میں کیا راز اور حکمت ہے؟

(۳) اس آیت میں تَشْرَیْطُکُمْ کا مطلب کون ہے؟ یعنی طالب کون ہیں؟

(۳) اس آیت کے الفاظ، جملہ کی بندش، کلام کی فصاحت و بلاغت و غیرہ سے کیا مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے؟

(۵) اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا عظمت ظاہر فرمائی گئی ہے؟

(۶) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہنے کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۷) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے میں اور ہمارے بشر ہونے میں کیا فرق ہے؟

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے بشر تھے؟ اور آپ کی بشریت کیسی تھی؟

ان تمام سوالات کے حل اور اطمینان بخش جوابات ہم قرآن و حدیث سے اپنی استطاعت کے مطابق پیش کریں گے۔ امید ہے کہ قارئین کرام ان شاء اللہ ضرور مطمئن ہوں گے۔

◎ انبیائے سابقین کو بشر کہنے والوں نے انبیائے کرام

سے معجزات طلب کیے تھے:

دور حاضر کے منافقین اور زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین کے عقائد و نظریات میں یکسانیت اور یکجہتی ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت میں قرآن کی روشن آیات شاہد و ناظر ہیں۔ مضمون و عنوان کا ربط و تسلسل یہ قرار رکھنے کے لیے قارئین کرام اور اہل سابقہ میں تلاوت کردہ سورہ ابراہیم کی آیات نمبر ۱۱ اور ۱۲ کی طرف بھر ایک مرتبہ رجوع فرمائیں۔

سورہ ابراہیم میں ہے کہ:-

”قَالُوا إِنَّا تَتَّبِعُونَ إِلَّا يَمْشُوا بِظُلُمٍ ۖ تَتْلُوا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۚ لَنْ تَصِفُوا غَمًّا
كُلًّا ۖ يَغْفُوا ۚ فَبِئْسَ مَا تَدْعُونَ ۚ يَسْأَلُونَ سُبْحَانَ ۚ

(پارہ ۱۳، سورہ ابراہیم، آیت ۱۰)

ترجمہ:- ”تو یہ کہتے تھے کہ تم ہمیں جیسے آدمی پڑھاتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ و دہرا پوجتے تھے۔ اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے

آؤ۔" (کنز الایمان)

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب انبیاء سابقین نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو توحید کا پیغام دیتے ہوئے کفر اور شرک کی باتوں سے روکا۔ تو قوم کے سرکشوں نے انبیاء کرام کی بات کو جھٹلانے کے ارادہ سے انہیں بشر کیا اور مزید یہ کہا کہ "فَلَا تُؤْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبٰیْنٍ" یعنی "اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ۔" یعنی ہمیں کوئی حجتہ دکھاؤ۔ کفار و شرکین نے انبیاء کرام کو معجزہ دکھانے کا چیلنج (Challenge) دیا تھا وہ بغض و عناد کے جذبے کے تحت جھگڑا کرنے اور تماشہ کھڑا کرنے کے انداز میں دیا تھا۔ انبیاء کرام نے ایسے ادب و باش لوگوں سے منہ لگنا مناسب نہ جانا اور "وَ اِذَا خَاطَبْتَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا مَّ عَلٰی کَرْتُمْ" ہوئے بات کو طول نہ دیا۔ اور ان کے سوال کے انداز کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ:-

"قَالَ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

عَلٰی مَنْ يَّعْبُدُهٗ" (پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت: ۱۱)

ترجمہ:- "ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔" (کنز الایمان)

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت عطا فرمایا تھا۔ یعنی علم و دانائی عطا فرمایا تھا۔ علم و دانش میں وہ حضرات اپنی مثال آپ تھے۔ حالات کی گتینی، وقت کا تقاضا، مخاطب کی صلاحیت، عوام کی عقلی بساط، لوگوں کی قوتِ تحمل، مخالفین کے تیور، موافقین کی تائید، وغیرہ امور میں وہ دور رس نگاہ رکھتے تھے۔ مخالفین نے انبیاء کرام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان سے معجزہ طلب کیا، تو انبیاء کرام نے ان کی فہمائش پر مشتعل ہوئے بغیر ضبط و تحمل سے کام لیا۔ جاہلانہ طرزِ عمل اختیار کر کے آستینیں نہ چڑھائیں کہ ارے! ہم سے کوئی سند یعنی معجزہ مانگتے ہو، ہم ابھی معجزہ دکھا رہے ہیں۔ بلکہ حکمتِ علی سے کام لیا۔ کفار و شرکین کو ایسا جواب دیا کہ اگر ان میں ذرہ برابر بھی فہم و دانش ہوتی، تو سمجھ جاتے کہ ہم کو دنیاں شکن جواب دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان سرکشوں نے انبیاء کرام سے یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرح بشر ہو۔ انبیاء کرام نے ان کو ان کی

مصلیٰ کی بساط کے مطابق جواب مرحمت فرمایا کہ اے لوگو! تم ہم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہاں! ہاں! "إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان" لیکن ہماری ظاہری صورت کی مساوات سے دعوہ کھا کر ہمیں حقیقت میں اپنے جیسا گمان مت کرو کیونکہ "وَلَيْكُنِ اللَّهُ يُمْثِلُ عَلَيْنَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ" یعنی "مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو نبوت کی فضیلت اور معجزات و تصرفات کے اختیارات سے سرفراز فرمائے گا انہیں عام انسانوں سے ممتاز بنا ہے۔

انبیائے کرام کا یہ جواب ایسا جامع و مانع تھا کہ مخالفین کے "بَشَرٌ مِّثْلُنَا" کے اعتراض کا ردِ بلخ اور شکست جواب تھا۔ اور اشارہ و کنایہ میں فرمادیا تھا کہ تم ہم سے معجزہ طلب کرتے ہو لیکن اللہ کے فضل و کرم سے ہم معجزہ دکھا سکتے ہیں لیکن اس وقت تمہارے کہنے پر معجزہ دکھانا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ البتہ جب ضرورت محسوس ہوگی تب ہم معجزات دکھائیں گے اور حسب وعدہ انبیائے کرام سے یہ معجزات صادر ہوئے مثلاً:-

⑤ حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہاڑ کی چٹان کی طرف اشارہ کر کے چٹان سے زندہ اونٹنی نمودار کر دی، جو نہایت خوبصورت، بلند قامت اور حسین تھی۔

(تفصیل کے لیے: پارہ: ۸، سورۃ الاعراف: آیت ۷۳، ۷۴)

⑥ حضرت حزقیل (ذوالکفل) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار مرد وادی بھرزندہ ہو کر اپنی بہستی میں آ کر آباد ہو گئے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ: ۲، سورۃ البقرہ: آیت: ۲۴۳)

⑦ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار پرندے ذبح کر کے ان کا قیمرہ بنا کر آپس میں ملا دیا پھر ان پرندوں کو پکارا تو وہ تمام پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ (تفصیل کے لیے: پارہ: ۳، سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۰)

⑧ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہ کر بچر زندہ باہر تشریف لائے۔ (تفصیل کے لیے: پارہ: ۱۳، سورۃ الغفتہ: آیت: ۱۳۶، ۱۳۷)

۵ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ کی ٹکڑی (الانچی) اڑوہا میں جاتی تھی۔
تیرے آپ کا ہاتھ (دست مبارک) سبوح کی طرح روشن ہوتا تھا۔

(تفصیل کے لیے: پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت: ۶۳ تا ۱۸)

۶ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام تخت اوبے کو ہاتھ میں لیتے تھے تو وہ لوہا صوم کی طرح
زرم ہو جاتا تھا۔ طواوہ ازیں آپ تمام پرندوں کی بولیاں جانتے تھے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ ۱۸، سورہ النمل، آیت: ۱۵)

۷ حضرت سلیمان صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پہاڑوں اور پرندوں کی بولی کا علم تھا۔ طواوہ
ازیں آپ کی حکومت انسانوں اور جناتوں پر تھی۔ نیز ہوا آپ کے زیر تصرف تھی۔

(تفصیل کے لیے: پارہ ۱۹، سورہ النمل، آیت: ۱۵ تا ۱۷)

۸ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صحت کی موافقی دینے کے لیے چار
مہینے کے بچے کو روک لیا۔ (تفصیل کے لیے: پارہ ۱۳، سورہ یوسف، آیت: ۲۹)

مذکورہ ان معجزات کے طواوہ اللہ تعالیٰ کے مقدس انبیائے کرام نے بے شمار معجزات کا
اسب فرمایا ہے۔ جن کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ ہم نے چند معجزات کی طرف
صرف اشارہ کر دیا ہے لیکن تاظرین کی طبع خاطر کے لیے اللہ تعالیٰ کے دو برگزیدہ رسول کے
معجزات کو قدرے تفصیل سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

① حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات :-

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کثیر تعداد میں معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ جن
میں سے چند معجزات حسب ذیل ہیں :-

② حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم شیر خوار میں کلام کیا اور اپنی نبوت کا
اعلان فرمایا۔ (تفصیل کے لیے: پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت: ۳۰)

③ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اس میں پھونک
مارتے تھے تو وہ واقعی زندہ پرند ہو کر اڑنے لگتا تھا۔ طواوہ ازیں آپ ماوراء اوردے

اور سفید داغ والے مریضوں کو پل بھر میں چٹا اور اچھا کر دیتے تھے۔ آپ کے صرف ہاتھ پھیر دینے سے روزانہ ہزاروں مریض شفا یاب ہوتے تھے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ: ۷، سورہ: المائدہ، آیت: ۱۱۰)

○ آپ مردوں کو قُمْ بِأَنْفِ اللَّهِ کہہ کر زندہ فرما دیتے تھے علاوہ ازیں لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کھاتے تھے اور جمع کرتے تھے وہ آپ بتا دیتے تھے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ: ۳، سورہ: آل عمران، آیت: ۴۹)

حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے کہ:-

”إِنِّي آخُلُقُ لَكُمْ مِنَ الطَّيِّبِ كَهَيْئَةِ الطُّيْرِ فَانْفُخْ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِأَنْفِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْآكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُخِي الْمَوْتَى بِأَنْفِ اللَّهِ وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَكْخُضُونَ فِي بُيُوتِكُمْ“

(پارہ: ۳، سورہ: آل عمران، آیت: ۴۹)

ترجمہ:- ”میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی صورت بنا تا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔“ (کنز الایمان)

○ حضرت عزیر بن شریخا علیہ الصلوٰۃ والسلام:-

حضرت عزیر بن شریخا علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے ایک نبی ہیں۔ آپ کا زمانہ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے تقریباً چھ سو سال پہلے تھا۔

جب قوم بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں تو ان پر خدا کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ سخت ٹھہر جالی نام کے ایک کافر اور مشاوغ نے بہت بڑی فوج کے ساتھ بیت

المقدس پر حملہ کر دیا اور شہر کے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کر دیا۔ ایک لاکھ آدمیوں کو ملک شام میں ادھر ادھر بکھیر دیا اور ایک لاکھ آدمیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں قیدیوں میں تھے۔ بخت نصر بابل بادشاہ نے بیت المقدس شہر کو توڑ پھونڈ کر سہا کر دیا اور پورے شہر کو ویران بنا کر ایک لاکھ قیدیوں کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا۔

حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی طرح سے بخت نصر بادشاہ کی قید سے رہا ہو کر بھاگ نکلے اور اپنے دروازہ گوش (گدھے) پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے۔ شہر میں داخل ہو کر آپ نے اپنے شہر کی ویرانی اور بربادی دیکھی تو آپ کا دل بھرا یا اور آپ رونے لگے۔ اس وقت شہر کی حالت یہ تھی کہ عالی شان مکان ویران پڑے ہوئے ہیں، درختوں پر خوب کثرت سے پھل آئے ہوئے ہیں، جو چپک چپکے ہیں لیکن ان پھلوں کو توڑنے والا نہیں۔ آپ نے پورے شہر کا گشت فرمایا لیکن آپ کو کسی انسان کی صورت نظر نہ آئی۔ یہ منظر دیکھ کر نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکل پڑا کہ "اَنَسِيْ بُخَيْسِيْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" یعنی اسے کیوں کر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد۔"

پھر آپ نے کچھ کھجوریں اور انگور تناول فرمائے اور انگور کا شیر و نوش فرمایا اور اپنے توشہ دان میں انگور کا شیرہ بھر لیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے گدھے کو مضبوط رشتی سے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور آپ درخت کے نیچے سو گئے اور نیند کی حالت ہی میں آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کی وفات کے ستر (۷۰) سال کے بعد ملک فارس (Iran) کا ایک بادشاہ بیت المقدس آیا اور اس نے بیت المقدس شہر کو پہلے سے بھی زیادہ بار و فتنی اور آباد بنایا۔ جو بنی اسرائیل اطراف کے علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے انہیں بلا جا کر بیت المقدس میں بسائے اور ان لوگوں نے نئی نئی عمارتیں اور باغات لگا کر شہر کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور بار و فتنی بنا دیا۔ اس طرح تیس برس کا مزید عرصہ گزرا یعنی حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کو پورے ایک سو (۱۰۰) سال کا عرصہ گزر گیا۔ جب آپ کی وفات کو پورے ایک سو سال ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ آپ کی آنکھوں میں سب سے پہلے جان آئی اور اتنی جسم مریہ تھا۔ آپ کے دیکھے کچھ کچھ تھے آہستہ آہستہ آپ کے جسم میں جان

پڑی اور آپ زندہ ہو گئے۔ اس وقت آفتاب فروپ ہونے کے قریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ اے عزیر! تم یہاں کتنا ٹھہرے؟ آپ جب سوئے تھے تب سچ کا وقت تھا اور جب زندہ ہوئے تب شام کا وقت تھا لہذا آپ نے یہاں کیا کہ یہی دن کی شام ہے جس دن میں سویا ہوں۔ لہذا آپ نے جواب دیا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم ایک سو دن سے ٹھہرے ہو۔ پھر وحی ہوئی کہ اے عزیر! اب تم ہماری قدرت کا نظارہ کرنے کے لیے ذرا اپنے گدھے کو دیکھ کہ اس کی ہڈیاں بھی سڑھل کر نکھر چکی ہیں اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ان میں کوئی خرابی اور بگاڑ پیدا نہیں ہوا ہے۔

حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گدھے کو دیکھا تو گدھا مگر اور بڑا تر اس کی سفید سفید ہڈیاں اور دھڑکھڑکی پڑی ہیں لیکن قوشہ دان میں رکھا ہوا گھور کا شیر و بالکل تر شاہو ہے اور اس میں کسی قسم کی خرابی یا بگاڑ پیدا نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر اور داڑھی مبارک کے بال بھی بالکل سیاہ تھے۔ اور آپ کی عمر شریف بھی وہی چالیس (۴۰) برس کی اب بھی تھی۔ جب آپ سوئے تھے تب آپ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی۔

پھر آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اے عزیر! اب تم دیکھو کہ ہم کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں چنانچہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاحظہ فرمایا کہ گدھے کی کھجری ہوئی ہڈیوں میں اچانک حرکت پیدا ہوئی اور ایک دم میں تمام ہڈیاں جمع ہو کر اپنے اپنے جوتے مل کر گدھے کا حاشیہ بن گئیں اور گدھے میں اس کا حاشیہ پر گوشت پوست بھی چڑھ گیا اور گدھا زندہ ہو کر بیٹھ اٹھا۔ یہ سحر و کونج کہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلند آواز سے کہا: "أَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" یعنی "میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

قرآن مجید میں اس واقعہ کا بیان اس طرح ہے کہ:-

لَوْ كُنَّا لِنَعْلَمَ مِنْهُ عَلَى قُوَّةٍ وَهِيَ خَلْقُونا عَلَى غُرُوبِهَا قَالِ
لَنَبْشِخِ هَٰذِهِ اللَّهُ بَخْلًا مِّنْهَا فَلَمَّا نَفَخَ اللَّهُ يَأْتِ اللَّهُ عِلْمُ ثُمَّ

يَعْنَهُ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۚ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالَ
بَلْ لَبِثْتُ مِائَةً عَامٍ فَأَنْظِرْ إِلَى طَعْنَاكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ
وَأَنْظِرْ إِلَى جَمْرِكَ وَاسْتَجْعَلَ آتِيَةً لِلنَّاسِ وَأَنْظِرْ إِلَى
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(پارہ ۳: سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۹)

ترجمہ:- ”یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ وحشی (مسار ہوئی)
پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا اسے کیوں کر جلے گا اللہ اس کی موت کے
بعد۔ تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو (۱۰۰) برس پھر زندہ کر دیا۔ فرمایا تو
یہاں کتنا ٹھہرا؟ عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم۔ فرمایا نہیں تجھے سو
برس گزر گئے اور اپنے پانی اور کھانے کو دیکھ کہ اب تک بڑا نالا یا اور اپنے
گدھے کو دیکھ کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لیے کہ
تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیوں کر ہم
انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ معاملہ اس
پر ظاہر ہو گیا، بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔“
(کنز الایمان)

اختصار: حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بعدہ شہر کا دورہ فرماتے ہوئے اس محلے میں گئے
جہاں پہلے آپ کا مکان تھا۔ آپ اپنے مکان پر گئے تو ایک اندھی اور اپاہج بوڑھی عورت مکان
کے باہر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ وہی بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن
میں دیکھا تھا۔ حضرت عزیر نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ کیا یہ مکان حضرت عزیر بن شریفا
کا ہے؟ اس بوڑھی نے کہا کہ ہاں لیکن تم کو عزیر بن شریفا سے کیا واسطہ ہے؟ ان کا زمانہ تو ایک
سو (۱۰۰) سال پہلے تھا۔ پھر وہ بڑھیا حضرت عزیر کو یاد کر کے رونے لگی۔ حضرت عزیر نے اس

بوصحایے فرمایا کہ میں سی عزیر بن شریا ہوں۔ آپ کی بات سن کر بڑھیا کو بہت تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ان کو لاپتا ہوئے ایک عرصہ دروازہ گر چکا ہے۔ حضرت عزیر نے بڑھیا سے فرمایا کہ اے مائی! میری بات کا بھروسہ کرو۔ واقعی میں عزیر بن شریا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو (۱۰۰) برس مردہ رکھا۔ پھر زندہ فرمایا ہے اور اب میں اپنے گھر آیا ہوں۔ بڑھیا نے کہا کہ یہ بات ہے تو تمہیک ہے لیکن حضرت عزیر بن شریا ایسے باکمال اور مستجاب الدعوات تھے کہ وہ جو بھی دعا کرتے تھے وہ فوراً قبول ہو جاتی تھی۔ اگر آپ واقعی حضرت عزیر بن شریا ہیں تو میرے حق میں دعا فرمادے تاکہ میری آنکھوں کی روشنی واپس آجائے اور میرا فالج دور ہو جائے۔ حضرت عزیر نے دعا فرمائی تو وہ بڑھیا فوراً نگھیا رہی ہو گئی اور اس کا فالج کا مرض دور ہو گیا اور وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ پھر اس بڑھیا نے حضرت عزیر کو بخور دیکھا تو پہچان لیا اور کہا کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ یقیناً حضرت عزیر ہی ہیں۔

پھر وہ بڑھیا حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر بنی اسرائیل کے محلے میں گئی۔ اتفاق سے اس وقت بنی اسرائیل کے لوگ ایک مجلس میں جمع تھے۔ اور اسی مجلس میں آپ کا بیٹا بھی موجود تھا۔ جس کی عمر ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) سال کی تھی اور اسی مجلس میں آپ کے چند پوتے بھی تھے۔ جن میں سے ایک پوتے کی عمر نوے (۹۰) سال کی تھی۔ بڑھیا نے مجلس میں جا کر اعلان کیا کہ اس وقت میرے ساتھ جو صاحب ہیں وہ حضرت عزیر بن شریا ہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں لیکن کسی نے بھی بڑھیا کی بات پر اکتانہ کیا۔ اتنے میں حضرت عزیر کے صاحبزادے نے کہا کہ میرے والد محترم کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک کالے رنگ کا منہ تھا جو چاند کی شکل کا تھا۔ چنانچہ آپ نے کرتہ اُتار کر دکھایا تو منہ موجود تھا۔ پھر بھی کچھ لوگوں کو تردید ہو اور کہا کہ یہ اتفاق ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عزیر کے متعلق ہم نے سنا ہے کہ ان کو توریت شریف زبانی یاد تھی۔ اگر یہ واقعی عزیر بن شریا ہیں تو توریت شریف زبانی پڑھ کر سادیں۔ لوگوں کی اس فرمائش و درخواست پر حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا کسی جھجک فوراً پوری توریت شریف زبانی پڑھ کر سادی۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ یہ توریت شریف پڑھ کر سادیں

کر مائی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بخت نصر بادشاہ نے ایک سو (۱۰۰) سال پہلے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تھا تب اس نے چالیس ہزار تورات کے مالوں کو جن جن کو قتل کر دیا تھا۔ اور تورات شریف کی تمام جلدیں جلا دی تھیں اور تورت کی ایک بھی جلد باقی نہ رہی تھی۔ لہذا اب یہ سوال کھڑا ہوا کہ حضرت عزیر نے جو تورت شریف زبانی تلاوت فرمائی تھی اس کے نسخے دوسنے کے ثبوت میں لکھی ہوئی تورت سے تقابلی کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس وقت تورت شریف کا ایک بھی نسخہ دستیاب نہ تھا۔

اس گفتگو کے دوران ایک بوڑھے شخص نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ جس دن ہم لوگوں کو بخت نصر بادشاہ نے گرفتار کیا تھا۔ اُس دن ہم نے فلاں ویرانہ میں انگوڑی فلاں جگہ والی تیل کی جڑ میں تورت کی ایک جلد دفن کر دی تھی۔ تم سب میرے ساتھ چلو، ہم اس جگہ کو کھود لیتے ہیں اور اگر تورت شریف کی جلد صحیح و سالم برآمد ہوئی تو ہم اس سے تقابلی کر لیں گے اور حضرت عزیر کے پڑھے ہوئے کو مستند قرار دے دیں گے لہذا چند حضرات اس مقام پر گئے اور تورت شریف کھود کر نکالی اور اس نسخہ سے حضرت عزیر کے پڑھے ہوئے کو ملایا تو وہ حرف بہ حرف تورت شریف کے مطابق تھا۔

یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا بے شک یہی حضرت عزیر بن شریا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور بعض لوگوں نے حضرت عزیر کی عقیدت و محبت میں نلو کرتے ہوئے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ حضرت عزیر بن شریا یقیناً خدا کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)

چنانچہ اسی دن سے یہ نفلہ اور شرکانہ عقیدہ یہودیوں میں پھیل گیا کہ معاذ اللہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ اور آج تک دنیا بھر کے یہودی اس باطل عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں۔

حوالہ:- (۱) تفسیر جمل علی الجلالین، جلد: ۱، ص: ۲۱۴، ۲۱۵

(۲) تفسیر خزائن العرفان، ص: ۷۹

(۳) مجاہد القرآن، ص: ۳۹

نوٹ:- حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدت نیند یعنی ایک سو (۱۰۰) سال تک

اللہ تعالیٰ نے دُرد، چہنہ، پرند، انسان اور جنات کی آنکھوں سے ابھل کر دیا تھا کہ اس مدت کے دوران آپ کو کوئی بھی دیکھ نہ سکا۔

اب ہم قرآن مجید کی آیت کریمہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے ضمن میں ہماری بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں پر حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان معجزات کا تفصیلی تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ:-

”یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہا“

حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مذکور بالا معجزات دیکھ کر لوگ اسے زیادہ متاثر ہوئے کہ وہ ایسا ماننے لگے کہ انہوں نے جو کام کر دکھائے ہیں وہ کام کر دکھانا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ایسی طاقت، قدرت، وقوت، تصرف اور اختیار کسی انسان کے لیے ممکن نہیں بلکہ کسی بھی انسان سے ایسے افعال و کمالات کا صادر ہونا محال و قطعاً ناممکن ہے۔ یہ کام خدائی طاقت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خدا کے رشتہ دار ہوں اور خدا کے رشتہ دار یا ذریت ہونے کی وجہ سے ان میں ایسی طاقت و قدرت ہو۔ اس زعم باطل اور خیال فاسد کی بناء پر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ یہود و نصاریٰ کے اس باطل عقیدہ کا قرآن مجید میں رد و بلیغ فرمایا گیا ہے:-

”وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِإِفْوَاحِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ

كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْتُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ لَن يَكْفُرَ بِهِمْ“

(پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۳۰)

ترجمہ:- ”اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں دواپنے منہ سے کہتے ہیں۔ اگلے کافروں کی سی بات جانتے ہیں۔ اللہ انہیں مارے، کہاں اونہم جاتے ہیں۔“
(کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ سے یہودی گمراہیت اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ سے نصاریٰ کی گمراہیت کا ذکر ہے۔ جب حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے معجزات دیکھ کر یہود و نصاریٰ ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے تو اللہ کے محبوب اعظم، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ سے بھی عظیم معجزات ظاہر ہونے والے تھے۔ تو جس طرح یہود و نصاریٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کے معجزات دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اور حکم کھلا ارتکابِ شرک کر کے اللہ کی توحید میں شرک کر آئیں، اُن کو نہ ملے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم معجزات دیکھ کر ان کو بھی کوئی خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہہ کر شرک کی قیادت سے ملوث نہ ہو جائے اس لیے قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ تاکہ لوگ متنبہ ہو جائیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہنے ہی عظیم معجزات صادر ہوں پھر بھی وہ خدا کے بیٹے یا خدا کے شریک جبرائیل نہیں بلکہ خدا کے بندے اور رسول ہی ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے محبوب، تم فرما دو کہ انسان ہونے میں یعنی بندہ ہونے میں اور اللہ کا شریک نہ ہونے میں تو میں بھی تمہاری طرح ہوں۔ اس حکم میں کیا کیا ارادہ و سوز ہیں اور یہ حکم کیوں فرمایا گیا؟ اس کی بحث قارئینِ کرام کی خدمت میں بالتفصیل پیش کرنے کے قبل قرآن مجید میں مذکور ایک واقعہ گوش گزار کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ یہ واقعہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور غزوہ بدر میں ہوا تھا اس کے متعلق سے ہے۔ یہ واقعہ بہت طویل ہے لیکن ہم اس

والے کو اختصارِ پیش خدمت کرتے ہیں:-

”حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کو
لکارا کہ اگر تو خدا ہے تو سورج کو مشرق کے بجائے
مغرب سے طلوع کر کے دکھا“

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود بن کھان نام کے بادشاہ کی حکومت تھی۔ نمرود بن کھان کی بادشاہت وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ بلکہ تفسیر کی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ ”تمام زمین کی سلطنت اسے عطا ہوئی تھی۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۷۷)

نمرود کو اپنی عظیم سلطنت کے غرور کا ایسا نشہ چڑھا کہ اس نے ”خدا کی کا دعویٰ“ کر دیا اور لوگوں سے اپنی پرستش کرائے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کو نصیحت و ہدایت فرماتے ہوئے کہا کہ اے نمرود! خدا کی کا دعویٰ چھوڑ دے اور اللہ رب العزت کی وحدانیت کا اقرار و اعتراف کر اور رب واحد کی عبادت کر۔ نمرود نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ”ذَیْنِ الَّذِیْ یُخْصِی وَیُعِیْنُ“ یعنی ”میرا رب وہ ہے جو چھپاتا ہے اور دیکھتا ہے“ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے اس جواب کی اہمیت گھٹانے اور اپنی کمال جہالت و سفارت کا اظہار کرتے ہوئے نمرود نے دو شخصوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دینا یا قتل کر کے مار ڈالنا میرے اختیار و قدرت میں ہے۔ "حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرا رب مردہ میں جان ڈال کر جلاتا ہے اور اس کو تدرقی طور پر موت دیتا ہے لیکن نمرود نے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے جلاتے سے مراد گرفتار کر کے چھوڑ دینا اور موت دینے سے مراد گرفتار شخص کو قتل کرنا لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کی اس جاہلانہ اور وحشیانہ حرکت پر مناظرانہ طرز اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ "قَالَ اللَّهُ يَأْتِيَنِ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" یعنی "اللہ سورج کو مشرق (پورب) سے لاتا ہے۔ تو اس کو مغرب (پچھیم) سے لے آ" حضرت ابراہیم کی اس چیلنج کو سن کر نمرود کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح ہے کہ:-

"أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُخَيِّئُكَ وَيُخَيِّئُكَ قَالَ أَنَا أُخَيِّئُكَ وَأُخَيِّئُكَ ط قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَلْيَلْهُ اللَّهُ يَأْتِيَنِ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ"

(پارہ ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۸)

ترجمہ:- "اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اُسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے۔ بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ اللہ تو سورج کو لاتا ہے پورب (مشرق) سے تو اس کو پچھیم (مغرب) سے لے آ۔ تو ہوش اڑ گئے کا فر کے"

(کنز الایمان)

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کو لکارتے ہوئے چیخ دیا کہ اگر تو خدائی کے دعویٰ میں سچا ہے تو سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ اس پر نمرود کی حالت خراب ہوئی اور اس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ اس فکر میں غرق ہو گیا کہ میرے سامنے سورج کو مغرب سے طلوع کر دکھانے کی چٹوٹی پیش کی گئی ہے اور مجھ سے ایسا کام کر دکھانے کا کہا گیا ہے کہ جس کام کے کر دکھانے کی مجھ میں طاقت و قوت نہیں بلکہ کسی انسان میں یہ قدرت نہیں کیونکہ سورج کو طلوع و غروب کرنے کی قدرت صرف اللہ رب العزت کی ہی قدرت میں ہے۔ لہذا نمرود ساقط و مبہوت ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔

ایک اہم نکتہ کی جانب قارئین کرام کی توجہ ملتفت کرنا ضروری ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود سے جو فرمایا کہ اگر تو اپنے خدائی کے دعویٰ میں سچا ہے تو آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دکھا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اگر نمرود نے بالفرض آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دکھایا ہوتا تو آپ اس کو خدا تسلیم کر لیتے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقین کے درجہ میں علم تھا کہ نمرود دین کنعان اپنے خدائی کے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور نمرود کا جھوٹ ظاہر کرنے اور اسے ذلیل و خوار کرنے کے لیے ہی آپ نے نمرود کے سامنے یہ چیلنج پیش کیا تھا تا کہ نمرود کو بھی اس حقیقت کا احساس ہو جائے کہ سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کرانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ میں ہے۔ میرے جیسے جھوٹے دعوے دار میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے۔

سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر دکھانے کی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت مبارزت میں نمرود کو شکست فاش ہوئی اور اس کے خدائی کے جھوٹے دعویٰ کی قطعی کھلی گئی اور اس مناظرے کی روڈ وادی اطلاع و درواز تک پھیلی بلکہ ہر زمانہ میں حضرت ابراہیم اور نمرود کے درمیان ہونے والے مناظرے کی روڈ وادعوا میں عنوان ختم کی حیثیت سے

خمس ہوئی۔ بلکہ نہ کہ جس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک لوگوں میں اس روز عروہ کا
 نہ ہے۔ نہ درجہ شہادت ہے۔ نہ جو رہا اور اس روز عروہ سے لوگوں نے کبھی تہجد نہ کیا کہ آفتاب کو
 بچے۔ مشرق کے مغرب سے طلوع کر دیکھ یا کبھی بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ عام
 صوفیہ اللہ چارک و حق تعالیٰ کی زیارت ہے۔ لوگوں کے ذہن میں یہ بات پھرتی کھیرتی غرض
 کہیں ہو چکی تھی۔ کہ آفتاب کو صرف اللہ تعالیٰ ہی بچے۔ مشرق کے مغرب سے طلوع کر سکتا
 ہے۔ بلکہ دونوں نے آفتاب کو بچے۔ مشرق کے مغرب سے طلوع کر دیکھانے کی طاقت کو خدا
 ہونے کی دلیل ہونے کی حد تک تسلیم کر رکھا تھا۔

جس نام و لوگوں نے خدا ہونے کی دلیل مان لیا تو وہ کام اللہ چارک و حق تعالیٰ کے عجیب
 و عظیم و درجہ اول حق تعالیٰ علیہ وسلم نے کر دکھایا۔

”جنگ خیبر سے واپس پر وقت مسہب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
 عصر کی نماز پڑھا فرمائی اور نماز پڑھا فرماتے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 و آلہ وسلم نے مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر اپنے سر مبارک رکھا کر
 ہم خواب و استراحت فرما ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز
 نہیں پڑھی تھی لیکن جان ایمان و جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آرام میں
 غفلت نہ پہنچے اس نیک ارادے سے اسی حالت میں بیٹھے رہے اور ان کو نماز
 پڑھنے کا وقت نہ بھر نہ ہوا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آفتاب غروب
 ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے اور
 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی
 ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک
 نماز عصر نہیں پڑھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اڈے ہوئے
 سوارج کی سمت اپنی آنکھیں مبارک سے اشارہ فرمایا اور ڈبا ہوا سوارج مغرب
 سے طلوع ہو کر بلند ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر ادا فرمائی اور
 پھر سوارج دوبارہ غروب ہو گیا۔“ (حوالہ مدارج المہجۃ، از: شیخ محقق شاہ

عبداللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عظیم معجزہ اور ترجمہ جلد ۱: ص ۳۳۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کا بیٹا یا اللہ کا شریک نہ مان لیں اور حضرت عزیر اور حضرت یحییٰ کو خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہہ کر جس طرح یہود و نصاریٰ گمراہ ہوئے ہیں اس طرح قوم مسلم بھی گمراہ نہ ہو جائے اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم خداوندی یہ فرمایا کہ ”اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ اور اس فرمانِ عالی کا مقصد یہی تھا کہ اے لوگو! میرے عظیم معجزات دیکھ کر یہود و نصاریٰ کی طرح گمراہ ہو کر مجھے خدا کا شریک مت مان لیتا۔ بلکہ توحید کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا کیونکہ ”اِنَّمَا الْهُنُكُم اِلٰهٌ وَّاحِدٌ“ یعنی ”تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔“ یعنی پرستش اور عبادت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق ہے۔ مجھ سے چاہے عظیم معجزات صادر ہوں لیکن میں ”اللہ“ یعنی ”معبود“ نہیں بلکہ ”عبد“ یعنی ”بندہ“ ہوں۔ قرآن مجید کی سورۃ الکہف اور سورۃ تہ اسجدہ کی آیت ”قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰی اِلَیَّ“ الخ کی تفصیل و مباحثہ رقم کرنے کے قبل مناسب ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے کچھ عظیم معجزات اور وہ معجزات کن حالات میں وقوع پذیر ہوئے اس پر بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کریں۔

”حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند عظیم الشان معجزات“

حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت نے پورے عالم کو منور فرمادیا۔ آفتاب نبوت و مانتاب رسالت کی نیاہ باریاں اپنی تاب و توانائی کے ساتھ درخشاں تھیں۔ نور ہدایت ہر سمت پھیل رہا تھا۔ کفر و شرک، جہالت و ظلم و ستم کی سیاہی اور بھیاں بھیاں آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھیں اور ان کے بکھرے سارے تاریک اندھیرا اب چمکدار اُجالے میں تبدیل ہو رہا تھا۔ مکہ معظمہ کے صاحب اقتدار لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اسلام کا پیغام توحید لوگوں کے دلوں میں رائج ہو رہا تھا۔ لوگ گمراہیت کی راہ ترک کر کے رشد و ہدایت کی ”صراطِ مستقیم“ پر گامزن ہو رہے تھے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اسلام کی سرعت کے ساتھ ہی نشر و اشاعت سے کفار اور مشرکین بغض و حسد کی آگ میں جل اُٹھے۔ مخالفت و عداوت کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ اسلام کے ”نور حق“ کو اپنی چوٹوں سے بجھانے کے لیے وہ ہر وقت متحرک و مستعد تھے لیکن ”وَاللّٰهُ مُبِيتٌ شُوْرِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ“ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بے مثل و مثال خدائیں کبریٰ اور معجزات عظیمہ کے سامنے اسلام دشمن عناصر کی ہر تحریک و کوشش ناکامیاب و نامراد ہو کر رہ جاتی تھی۔ اور دشمنانِ دین کا ہر جہاد ہاتھ گھسانا ثابت ہوتا تھا۔ نتیجتاً وہ ہاتھ کی پیچیدہ دانتوں سے کاٹا کرتے تھے۔ مثلاً:-

”ایک مرتبہ دشمن یمن ابو جہل اپنی مٹھی میں چند ٹنگریاں لیے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اسے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میری مٹھی میں کیا ہے؟ وہ تلو۔۔۔ فیہ۔۔۔ نہ کچھ ہے۔ اور یہی کل نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا کہ "تیری منہی میں کیا ہے؟ وہ میں بتا دوں یا تیری منہی میں جو ہے وہ بتا دوں کہ میں کون ہوں؟ ابو جہل نے کیا یہ تو زیادہ بہتر ہوگا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ابو جہل کے ہاتھ میں بند نکلریوں کی جانب منتقل ہوئیں اور ایک عظیم غرور و تکبر پر پڑے ہوا ابو جہل کے ہاتھ کی منہی میں جو نکلریاں تھیں ان نکلریوں سے "کلمہ شہادت" کی وکٹ صدا اٹھیں بلند ہونی شروع ہوئیں۔ پہلے تو ابو جہل کی سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن تھوڑی دیر میں اسے محسوس ہوا کہ کلمہ شہادت کی آواز تو میری منہی سے آرہی ہے۔ تحقیق کرنے کی غرض سے اس نے اپنی منہی اپنے کان کے قریب دھری تو حیران رہ گیا کیونکہ اس کی منہی سے کلمہ شہادت کی تسبیح کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ بے جان و روح پتھر کی نکلریوں سے کلمہ شہادت کی صدا بلند ہونی دیکھ کر وہ کھلایا اور غصہ سے جھوٹ ہو کر نکلریاں پیچیک کر بھاگ نکلا۔"

ایسے تو کئی واقعات پیش آئے ہیں۔ کئی وہ مشرکین نے حضور ہمدن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بڑھ کر اور ان کو کئی مرتبہ ایسی نازیبا حرکتیں کیں اور یہ مرتبہ ان کی ایسی غیر مہذبانہ جاہلانہ حرکت تھیں کہ ان کو تو جواب پہنچاں بھجودیت فرمایا گیا۔ یہاں اتنی عجیب و غریب باتیں کہ ان تمام عجرات کا تصنیف و تکریر کیا جائے لہذا چند عجرات کا اختصار بیان کیا جاتا ہے۔

◎ مرد و بڑی کو قبر میں زندہ فرمایا:-

محدثی کے "تذکرۃ النبیؐ" میں مرد و بڑی کا نام محمد بن محمد خلیفہ مدنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غشیوہ مومن کو دعوت دی۔ اس غشیوہ نے کہا کہ جب تک آپ میری عقل شدہ دماغ کو دوبارہ زندہ نہیں فرمائے گا تو میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ حضور ہمدن نے اس غشیوہ سے فرمایا کہ مجھے تیرے ساتھ آؤ۔

لے آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کو پکارا۔ اس مرد بڑائی نے جواب دیا "لَبَّيْكَ وَصَفِّقْ" یعنی "میں حاضر ہوں اور آپ کی فرمانبرداریوں سے۔" بعدہ حضور اقدس نے اس لڑکی سے دریافت فرمایا کہ کیا تو دوبارہ دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "نہیں، یا رسول اللہ! میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔"

(احوال: "مدارج النبوۃ"، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۵۹)

① پکائی ہوئی بکری پھر زندہ ہو گئی:-

حضرت ابو نعیم بن عبد اللہ اصفہانی (متوفی ۳۳۰ھ) اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں روایت فرماتے ہیں:-

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کر کے اسے سالم دم پخت طریقہ سے پکائی اور اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ اس وقت خدمت اقدس میں جو حضرات حاضر تھے ان تمام نے اسے کھایا۔ کھانے والوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا شروع کرنے سے پہلے حکم ارشاد فرمایا کہ تم سب اسے کھاؤ لیکن اس کی ہڈیاں مت توڑنا۔ چنانچہ حاضرین نے اسی طریقہ سے کھایا۔ اس کے بعد حضور اقدس نے تمام ہڈیاں جمع کرنے کا حکم فرمایا اور جمع شدہ ہڈیوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ بکری زندہ ہو کر کھڑی ہوئی اور اپنے کان ہلانے لگی۔" (حوالہ: "مدارج النبوۃ"، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۶۱)

② حضرت جابر بن عبد اللہ کے دو مردہ بیٹوں کو زندہ فرمایا:-

ایک مرتبہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

و سلم کی دعوت کی اور ایک بکری کا بچہ ذبح کیا۔ بکری کا بچہ ذبح کر کے اسے صاف کر کے اسے پکانے کے لیے گھر میں دے دیا۔ حضرت جابر کی بیوی بکری کے بچہ کا گوشت پکانے میں مصروف ہو گئیں۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے گھر بلا لائے اور باہر والے کمرے میں بٹھایا۔ باہر والے کمرے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیش تر جان سے علم و عرفان کی باتیں سماعت کرنے میں حضرت جابر بہترین گوش مشغول ہو گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بکری کا بچہ ذبح کیا تھا تب حضرت جابر کے دونوں بیٹے بھی وہاں موجود تھے۔ اور انہوں نے اپنے والد کو بکری کا بچہ ذبح کرتے دیکھا تھا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جابر کے مکان پر تشریف لے آئے اور حضرت جابر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ہم کلامی کی سعادت میں اور حضرت جابر کی بیوی باورچی خانہ میں گوشت پکانے میں مصروف تھیں۔ تب حضرت جابر کے بڑے بیٹے نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں گے ہمارے والد نے بکری کا بچہ کس طرح ذبح کیا۔ اور اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو زمین پر لٹا کر گلے پر چھری چلا دی اور تادیبی میں اپنے چھوٹے بھائی کو ذبح کر ڈالا۔ اچانک حضرت جابر کی بیوی کی نظر اپنے بڑے بیٹے کی حرکت پر پڑی تو وہ دودھ کر اس کی طرف آئیں۔ بڑے بیٹے نے اپنی والدہ کو اپنی طرف دوڑتی ہوئی آتی دیکھا تو وہ خوف کے مارے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ حضرت جابر کی بیوی اس کے تعاقب میں مکان کی چھت پر گئیں لیکن اس نے اس خوف سے کہ والدہ مار پیٹ کر یں گی، چھت پر سے زمین پر چھٹا جم گادی اور چھت سے زمین پر گرتے ہی دو بھی وہ اصل تخت ہو گیا۔

ایک ساتھ دودھ بیٹوں کی موت کے حادثہ نے حضرت جابر کی بیوی کا کچھ بیشق کر دیا لیکن اس صابر و عورت نے صرف اس خیال سے کہ حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت پر شاق نہ گزے قلعہ دارانہ اور چھتا نہ کیا بلکہ میرے کام لیتے ہوئے دونوں صابرانہ کی لاشوں پر کپڑا ڈال دیا اور کسی کو بھی اس حادثے کی اطلاع نہ دی یہاں تک کہ حضرت جابر کو بھی مطلع نہیں کیا۔ حضرت جابر نے اپنے بھائی کے انتقال پر حیرت و غصہ سے

اقدس کی مہمان نوازی میں معروف ہو گئیں۔ جب دسترخوان پر کھانا آیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی شریک طعام کریں۔ حضرت جابر گھر میں گئے اور اپنی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ بچے کہاں ہیں؟ انہوں نے بات ٹالنے کے لیے بہانہ بنا دیا کہ ادھر ادھر کہیں ہوں گے۔ لیکن حضرت جابر نے جب اپنی بیوی کو بتایا کہ حضور اقدس کا حکم ہے کہ ان کو بھی ساتھ میں کھانا کھلانے کے لیے آؤ، تب ان کی بیوی نے روتے ہوئے پورا ماجرہ بیان کیا۔ اور قریب والے کمرہ میں لے جا کر بچوں کی لاشوں سے کپڑا بٹا دیا۔

دونوں میاں بیوی روتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑے اور روتے ہوئے سارا واقعہ عرض خدمت کیا۔ حضرت جابر کے گھر میں کبرام مچ گیا۔ یمن اُس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ”یا رسول اللہ! آپ ان بچوں کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ حضور اقدس مکان کے اندر تشریف لے گئے اور بچوں کی لاشوں کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔ فوراً وہ دونوں بچے زندہ ہو گئے۔“ (حوالہ: ”شواہد النبوة“ مصنف: علامہ نور الدین عبد الرحمن جامی بن احمد بن محمد ایرانی، السنن ۸۹۷ھ، اردو ترجمہ، ص: ۱۵۶)

◎ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے :-

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کی اس طرف اور دوسرا ٹکڑا اس طرف تھا۔ اس روایت کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کرتے

ہوئے کہنے لگے کہ اگر آپ سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔ حضور اقدس نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ لوگوں نے چاند کو اس حالت میں دیکھا کہ گوہرِ آ (حرّ نام کا پیرا) چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان آ گیا ہے یعنی چاند کا ایک ٹکڑا گوہرِ آ کی دائیں طرف اور دوسرا اُٹھایا اُس طرف نظر آتا تھا۔
(حوالہ: "مدارج المنی" ۱۰، از: شیخ تھق شہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱۱، ص: ۳۳۸)

⑤ حضور اقدس کو پتھر، درخت، چٹان وغیرہ سلام کرتے تھے:-

کتب احادیث میں مجھ راویوں سے ایسی بہت سی صحیح روایات منقول ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محادات و نباتات بھی پکھانے تھے اور آپ کی خدمت عالی میں بدین سلام پیش کرتے تھے۔ یہاں ان تمام روایات کا ذکر ممکن نہیں۔ تاہم کرام کی نسبت شیخ کی خاطر ذیل میں چند واقعات پر اکتفا کیا ہے۔

(۱) طبرانی، المعجم اور سیوطی نے حضرت سیدنا موسیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:-

”ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کہ معظمہ میں تھے۔ ایک روز آپ نے کہ معظمہ کے نواحی (ارد گرد) علاقے میں تشریف لے گئے۔ راویوں جو بھی چٹان، پتھر اور درخت ہم کو قریب راہ متادو آپ سے ”السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ“ کہتے۔“ (خاصاً کبریٰ ماہ)۔ علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱۱، ص: ۳۳۱)

(۲) طبرانی، المعجم اور سیوطی نے حضرت جابر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:-

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے جس رات میں مہوٹ ہوا۔ جب میں اس کے پاس سے گزرتا تھا تو پتھر مجھ کو سلام کرتا تھا اور بے شک

(حوالہ: خصائص کبریٰ جلد ۱: ص ۲۴۰)

(۳) یزافہ اور الوہیم نے اُم المؤمنین، سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ:-

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی تو میں جس پتھر یا درخت کے قریب سے گزرتا اس سے آواز آتی کہ
”الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ (حوالہ: ایضاً ص: ۲۴۱)

(۴) سنبلی نے ابنِ ابی اسحق کی سند سے روایت کی کہ:-

”جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کرامت و نبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ جس پتھر و حجر کے پاس سے گزرتے وہ سلام کرتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ اعلیٰ کلمات سلامتی سماعت فرما کر ہر طرف دیکھتے مگر وہاں کوئی بھی نہ ہوتا۔ وہ پتھر اور درخت منصب نبوت کو خطاب کے ساتھ اس طرح تحیت پیش کرتے کہ ”الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ (حوالہ: ایضاً ص: ۲۴۰)

جانوروں نے برسات کی گواہی دی اور سجدہ و تعظیم کیا:-

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار کے سبھی خاندان اونٹوں کو پالنے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ نے حضور اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاؤ کر لاتے ہیں لیکن اب وہ اونٹ سرکشی اور سختی کرنے لگا ہے اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لاؤ نہ نہیں دیتا۔ لہذا اس وجہ سے ہمارے تختستان اور باغات سب بیاسے ہیں۔ انصار کی اس گزارش پر حضور آرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اٹھے اور اونٹ کی جانب تشریف لے چلے۔ جب باغ میں پہنچے تو اونٹ باغ کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انصار عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہ وہی اونٹ ہے جو کتوں کی

طرح کا قاف ہے۔ بیس ڈر ہے کا کہ حضور اس کے نزدیک گئے تو کہیں وہ حضور کو ایذا نہ پہنچائے۔ حضور اقدس نے فرمایا میرا کوئی خوف نہ کرو۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے سامنے آئے تو اس نے اپنا سر اٹھایا اور آپ کو دیکھتے ہی جمدے میں سر رکھ دیا۔ پھر حضور نے اونٹ کی پیٹائی کے بال پکڑ کر اسے کام میں لگا دیا۔

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوة، اردو ترجمہ: جلد ۱: ص ۳۳۲)

(۲) شواہد النبوة، اردو ترجمہ: ص ۲۴۰

(۲) امام ابو بکر احمد بن حسین بخاری نے احادیث کثیرہ میں اور قاضی ابوالفضل،

عیاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) نے اپنی کتاب "الشفا

بتعريف حقوق المصطفى" میں امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ:-

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ محفل اقدس میں تشریف فرما تھے کہ چاکہ قوم بنی سلیم کا ایک بدوی شخص سوہار (گودہ) کا شکار کر کے محفل اقدس میں آیا۔ اس بدوی نے گودہ کو اپنی آستین میں چسپا رکھا تھا اور گھر جا کر اسے بھون کر کھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جب اس نے ایک جماعت کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا کہ لوگوں کے بیچ میں بیٹھے ہوئے یہ شخص کون ہیں؟ صحابہ کرام نے بدوی کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس بدوی نے گودہ کو اپنی آستین سے نکالا اور کہنے لگا کہ قسم ہے لات اور عزرائیل کی! میں اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔ جب تک یہ گودہ آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے۔ یہ کہہ کر اس نے گودہ کو حضور کے سامنے ڈال دیا۔ حضور اقدس، رسول مقبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گودہ کو آواز دی کہ اسے گودہ! گودہ نے سنجیدہ زبان میں جواب دیا کہ اَللّٰهُمَّ وَتَسْتَغْفِرُكَ یعنی حاضر ہوں اور فراموش ہوں۔" گودہ کا یہ کلام تمام حاضرین جماعت نے سنا۔

بچر حضور اقدس نے فرمایا اے گوہ! قیامت میں کون آئے گا؟ گوہ نے جواب دیا کہ ساری مخلوق آئے گی۔ پھر فرمایا تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ جواب دیا کہ اس خدا نے پاک کی جس کا عرش آسمان میں ہے اور جس کی سلطنت زمین میں ہے۔ اور جس کا دریاؤں پر غلبہ ہے۔ اور جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا نذاب ہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ گوہ نے جواب دیا آپ رسول اللہ، رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ هَدَّكَ وَخَاتَمَ كَذَّبَكَ“ یعنی یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے آپ کی تصدیق کی اور نامراد ہے وہ جس نے آپ کی تکذیب کی۔ گوہ کی زبان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کی یہی ہیئت کر قوم بنی سلیم کا وہ بدوی شخص فوراً اسلام لے آیا۔“

(حوالہ:- مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۳۳۶)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ:-

”ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی۔ اس بکری نے حضور کو سجدہ کیا۔“

(حوالہ:- (۱) شواہد النبوة، اردو ترجمہ، ص ۲۲۲)

(۲) مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۳۳۳)

◎ مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے:-

احادیث کریمہ کی معتبر و مستند کتب میں ایسے کئی واقعات درج ہیں کہ لشکر اسلام میں پانی ختم ہو گیا یا کوئی قلعہ سفر میں ہے اور اثنائے راہ پانی ختم ہو گیا اور کہیں بھی پانی نہیں یا پانی کے دستیاب ہونے کے آثار نظر نہیں آتے ہیں۔ پانی کے فقدان کی وجہ سے لوگ حیران و پریشان

ہیں۔ ایسے وقت میں حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب اقدس کی مقدس انگشتان مبارک سے دریا کی طرف پانی کے چشمے رواں ہو کر بہہ نکلے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے ان چشموں سے پانی پیا، وضو اور غسل کیا اور اپنے مشکیزوں و برتنوں میں ذخیرہ کر لیا۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ بالائتیباب تمام واقعات رقم کیے جائیں۔ صرف دو واقعات قارئین کرام کے گوش گزار کیے جاتے ہیں:-

(۱) حضرت ابو نعیم نے قاسم بن عبد اللہ اور ارفع سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد سے اور انہوں نے ابو ارفع کے جد امجد سے اس طرح روایت فرمایا ہے کہ:-

”وہ جناب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر اسلام میں تھے۔ رات کے وقت لشکر نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ اس وقت لشکر میں پانی کی سخت قلت تھی بلکہ پانی ختم ہو چکا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس کسی کے پاس بھی پانی ہو، وہ پانی لے کر حاضر ہو۔ لشکر میں تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف ایک شخص کے پاس مشکیزے میں تھوڑا پانی بے بقیہ تمام لوگوں کے مشکیزے خالی ہیں جس شخص کے پاس پانی کا مشکیزہ تھا وہ خدمت اقدس میں لایا گیا حضور اکرم نے مشکیزے کا پانی ایک کھلے منہ والے برتن میں ڈالنے کا حکم فرمایا۔ پھر حضور اقدس نے پانی سے بھرے ہوئے برتن میں اپنا مبارک ہاتھ ڈبوایا تو میں نے کیا دیکھا کہ آپ کی مقدس انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مارتا ہوا نکلنے لگا اور انگشتان اقدس سے پانی اُبل اُبل کر نکلے۔ برتن میں جمع ہونے لگا۔ تو میں نے اس برتن سے میرا پ ہو کر پانی پیا۔ پھر آپ نے برتن سے ہاتھ مبارک نکال لیا۔ تو یہ برتن میں اتنا ہی پانی باقی رہا جتنے کہ مشکیزے سے اس میں ڈالا گیا تھا۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ اور ترجمہ جلد ۲، ص ۱۰۸)

(۲) حضرت حارث بن اعصاب نے اپنی سند میں لایا ہے کہ ابو نعیم نے فرمایا:-

زیادہ بن حارث سداہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:-

”ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا۔ صبح فجر کی نماز کے وقت حضور اقدس نے مجھ سے فرمایا کہ اے سدا کے بھائی! کیا تمباے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس بہت سی تھوڑی مقدار میں پانی ہے جو آپ کے لیے کافی نہیں۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ اس پانی کو ایک برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آؤ، میں اس پانی کو ایک برتن میں ڈال کر خدمت اقدس میں حاضر آیا۔ حضور اقدس نے اس برتن میں اپنا سب اقدس ڈال دیا۔ دفعتاً میں نے دیکھا کہ آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کے جیسے اُبل رہے ہیں۔ پھر حضور اقدس نے مجھے حکم دیا کہ میرے صحابہ کو بلاؤ اور انہیں خبر دو کہ جس کو بھی پانی کی ضرورت ہو وہ یہاں آ کر لے جائے۔ چنانچہ پورے قافلہ کے لوگ وہاں مُنڈ پڑے اور جس جس کو پانی کی ضرورت تھی ان سب نے حسب ضرورت پانی لے لیا۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۰۶)

بقول امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ:-

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے مجموع کر

ندیاں چغاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ!

① درخت اپنی جڑیں اُکھاڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا:-

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:-

”ایک بدوی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔ حضور اقدس نے اس بدوی سے فرمایا کہ سامنے جو درخت ہے اُسے جا کر کہو کہ تجھے رسول اللہ بلا تے ہیں۔ بدوی نے جا کر درخت سے حسب ارشاد پیغام سنایا۔

وافتح اس درخت نے ادھر ادھر اور آگے پیچھے جنبش کی اور زمین میں سے اپنی پھیلی ہوئی جڑوں کو نکالا۔ پھر زمین کو چیرتا ہوا اور اپنی جڑوں کو اپنے ساتھ ہی گھسیٹتا ہوا آیا اور حضور اقدس کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا "اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ" تھوڑی دیر کے بعد حضور اقدس نے اس درخت کو اپنی جگہ واپس جانے کا حکم دیا تو وہ درخت جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس لوٹ کر اپنی جگہ چلا گیا اور اس کے رگ دریش بھی زمین میں پیوست ہو گئے اور زمین بھی مثل سابق ہموار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس بدوی نے عرض کیا کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے دست اقدس اور مبارک قدم شریف کو بوسہ دینے کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضور اقدس نے اس کی اجازت نہایت عنایت فرمائی۔

(حوالہ:- مدارج المنبوذ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۳۳۹)

”لمحہ فکر یہ!!!“

مذکورہ بالا معجزات کے علاوہ ایسے بے شمار معجزات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ وہ تمام معجزات ایسے عظیم المرتبت تھے کہ جن کو دیکھ کر لوگ یقین کے درجہ میں کہنے لگے کہ ایسے معجزات دکھانا کسی عام انسان سے ممکن ہی نہیں۔ یہ سب خدا کی قدرت کے ہی کرشمے ہیں لہذا کچھ لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گزارش کرنے لگے کہ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لوگوں کے جذبات و اعتقاد کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ پاتے۔ اور غلو کی حد میں داخل ہو کر آپ کو سجدہ کرنے کے معنی اور آرزو مند ہو رہے ہیں۔ اور آپ کو سجدہ کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں، تو آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کے جذبات اور عقیدت غلو کی اعلیٰ منزل اختیار کرنے کا اندیشہ تھا۔ اور محبت میں بہک کر شرک کے ارتکاب کا خطرہ تھا۔ جیسا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ اور حضرت سیدنا عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے چند معجزات دیکھ کر ان کی قوم کے لوگوں نے اندھی محبت کے جوش اور ولولہ میں ان کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور آلوہیت الہی و توحید خالص کی خلاف ورزی کر کے گمراہ ہوئے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تو لوگوں نے ایک دو نہیں بلکہ کثیر تعداد میں خرق عادت عظیم معجزات دیکھے تھے۔ ان معجزات میں سے کچھ معجزات تو ایسے عظیم الشان تھے کہ ماضی قریب یا ماضی بعید میں کبھی بھی، کبیں بھی، کسی طرح بھی، کسی نبی و رسول سے ایسے معجزات کا ظہور و صدور نہیں ہوا تھا۔ مثلاً ① چاند کے دو ٹکڑے ہونا ② غروب ہو چکنے والے آفتاب کا دوبارہ مغرب سے طلوع ہونا ③ عبادات اور نباتات کا کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی گواہی دینا، وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ مغرب سے آفتاب کو طلوع کر دکھانے کو لوگ خدا ہونے کی دلیل کے طور پر مانتے تھے۔ جیسا

کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود بن کنعان کو اپنی خدائی کے دعوے کی صداقت کے ثبوت کے طور پر سورج کو پچھم سے طلوع کروانے کا چیلنج (Challenge) دیا تھا اور نمرود اپنے خدائی دعویٰ میں سراسر جھوٹا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کے لٹکار کے سامنے خائب و خاسر ہو کر رہ گیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرفات، قدرت اور اختیارات پر مشتمل معجزات کا یہ عالم تھا کہ پانچ سو سورج اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کی انگشتانِ مبارک کے ایک اشارہ پر مطلع و فرمانبردار ہو کر نوری کھلونے کی حیثیت سے حکم کی قیل و پجا آوری کرتے تھے۔ انگشتِ مبارک کا اشارہ پاتے ہی چاند و چکڑے ہو گیا اور ڈوبا ہوا سورج مغرب سے پھر طلوع ہوا۔

لہذا! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان عظیم معجزات کی بناء پر آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کہیں لوگ آپ کو ”رسول خدا“ کے بجائے ”شریک خدا“ نہ بنادیں اور لوگ شرک کی قباحت و گندگی میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے قیامت تک کے ہونے والے انسانوں کو اس حقیقت سے واقف کیا جا رہا ہے کہ حضرت سیدنا و نبینا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”خدا“ یا ”خدا کے بیٹے“ یا ”شریک خدا“ نہیں بلکہ ”انسان“ اور اللہ کے بندے ہیں۔ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ اس طرح لوگوں کو جتنی تنبیہ اور مقدم تاکید کے ذریعہ خبردار اور متنبہ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ لوگ محبت کے جذبات میں احتیاط و شعور سے کام لیتے ہوئے غلو و مبالغہ سے باز رہیں اور شرک کی بدی میں غرق ہونے سے محفوظ رہیں۔ قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ”بشریت“ کا تذکرہ صرف اسی نقطہ نظر سے کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے عظیم معجزات و کیمے کو غلط فہمی اور گمانِ فاسد کی وجہ سے آپ کو ”خدا“ یا ”خدا کا شریک“ نہ کہہ بیٹھے۔ اہلِ صل: قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ”بشریت“ کا تذکرہ فرما کر ہمیشہ کے لیے شرک کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیت قرآن کا مطلب و معنی اور اس کی صحیح تفہیم

کچھ نامعاہت اندیش اور سفاک لوگ اس غلط و ہم و گمان میں ہیں، قرآن مجید کی سورۃ کہف اور سورۃ فتح مجیدہ میں ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیت دوسرے نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کو بشر کہا ہے اور ان کی شان و عظمت گھٹائی گئی ہے۔ اس خیالی خواب کے نشے میں بہک کر اس آیت کریمہ کا صحیح معنی و مطلب اور ان کا مقصد کبھی بغیر جاہلانہ تاویل و تفسیر کرتے ہوئے یہاں تک کے نازیبا جملے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے جیسے بشر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمان کی جان حب رسول و تعظیم رسول کی نگاہ سے اس آیت پر غور و فکر کیا جائے تو اس آیت کے ذریعہ حضور اقدس کی شان و عظمت ہرگز گھٹائی نہیں گئی بلکہ رفعت و بلندی شان زیادہ ارفع و اعلیٰ طور پر ظاہر کی گئی ہے۔ اس آیت شریف کے ہر ہر لفظ بلکہ ہر ہر حرف سے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلندی شان کا پرچم اہرا رہا ہے۔

محترم قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اب ہم قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ضمن میں بہت ہی اہم اور ضروری گفتگو کرنے جا رہے ہیں۔ لہذا اس ضمن کو یہ نظر عیسق اور یکسوئی سے مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمام غلوک و شبہات کا ازالہ اور تمام اعتراضات کا شافی، وافی اور کافی حل و جواب حاصل ہوگا۔ نیز اس آیت کریمہ کا من گھڑت ترجمہ اور من بھاتی تفسیر و تاویل کر کے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخانہ اور توہین آمیز کلمات بولنے والے دور حاضر کے منافقین کے جال فریب میں چھٹنے سے بال بال بچ سکیں گے۔ بلکہ ان منافقین کے گتے جانیر کل سے کا دندان شکن جواب دینے کی استعداد

و ملائحت حاصل کر سکیں گے۔

آئیے! ہمارے ایک مرتبہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں:-

⑤ - قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ

ترجمہ:- (۱) تو فرماؤ، ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

(ترجمہ: از:- کنز الایمان، پارہ: ۱۶، سورۃ الکہف، آیت: ۱۱۰)

(۲) تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

(ترجمہ: از:- کنز الایمان، پارہ: ۳۳، سورۃ تم جیدہ، آیت: ۶)

اس آیت کی ابتدا میں لفظ ”قُلْ“ وارد ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے ”کہہ دو“ اس آیت

کی ابتدا میں ”کہہ دو“ کا جو ارشاد ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ ”اے محبوب!

تم کہہ دو“ کیا کہہ دو؟ یہی کما لے لوگو! انسان ہونے کے واسطے یعنی ظاہری صورت بشری میں تو

میں تم جیسا انسان ہوں۔ یعنی تمہارے جسمانی اعضا اور میرے جسمانی اعضا برابر نظر آتے

جیسے۔ صرف اتنا کہنے پر ہی بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اتنا کہہ لینے کے فوراً بعد ارشاد ہے کہ

”يُوحَىٰ إِلَيَّ“ یعنی ”میری طرف وحی آتی ہے۔“ قرآن مجید کے عالی شان انداز بیان و

ملاحظہ فرمائیں۔ آیت کے پہلے حصہ میں بشری مساوات ہونے کا اقرار و اعتراف کرنے سے

فوراً بعد ہی ”خیر البشر“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عام بشر کے ذمے سے مستثنیٰ (Separate)

کیا جا رہا ہے۔ یعنی دوسرے حصہ میں ”مجھے وحی آتی ہے“ کی خصوصیت کا اظہار

فرما کر مساوات مراتب کی نفی فرمائی گئی ہے۔ اب اس آیت کا مفہیم یہ ہوا کہ:-

⑥ میں ایسا بشر ہوں کہ جس کی طرف وحی آتی ہے۔

⑦ تم ایسے بشر ہو کہ جن کی طرف وحی نہیں آتی۔

قارئین کرام! آیت شریفہ کے ہم قسط ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ حضور و اور جملہ کی نفس

بندش و ترتیب در پیکو بغور ملاحظہ فرمائیں کہ ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے فوراً بعد علی الاطلاق ”يُوحَىٰ إِلَيَّ“ وارد ہے۔ جس کا صاف مطلب و مفہوم یہ ہے کہ تم ایسے بشر ہو جن پر وحی نہیں آتی یعنی تم اُمّی ہو اور میں ایسا بشر ہوں جس پر وحی آتی ہے۔ یعنی میں نبی و رسول ہوں۔ نبی اور اُمّی کے درمیان کا فرق واضح طور پر ظاہر فرما کر اس حقیقت کا یقین دلایا جا رہا ہے کہ:-

⑤ ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ میں بیان شدہ مساوات و ہمسری صرف جسمانی

ظاہری مساوات اور دکھاوے تک ہی محدود ہے۔

⑥ ”يُوحَىٰ إِلَيَّ“ کے ذریعہ درجات و مراتب کی ہمسری کی نفی فرمائی گئی

ہے۔ یعنی میں نبی و رسول ہوں اور تم اُمّی ہو اور نبی و اُمّی کا درجہ و مرتبہ کبھی برابر نہیں ہو سکتا۔

”آیت کے شروع میں وارد لفظ ”قل“ کے استعمال میں کیا حکمتِ خداوندی ہے؟“

آیت کی ابتداء میں لفظ ”قل“ کا استعمال فرما کر بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کی زبانوں میں قفل لگا دیا گیا ہے۔ عربی زبان کے علم صرف و نحو کے اعتبار سے لفظ ”قل“ صیغہٴ امر ہے۔ یعنی حکم کرنے کا کلمہ ہے۔ اس کا مصدر ”قَوْلٌ“ یعنی ”کہنا“ ہے۔ لہذا صیغہٴ امر ”قل“ کا معنی ہوا ”تم کہہ دو“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ”اے محبوب! تم کہہ دو کہ میں ظاہر صورت بشری یا آدمی ہونے میں تم جیسا ہوں۔“ غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ اے لوگو! میرا محبوب تمہارے جیسا بشر ہے بلکہ اپنے محبوب کو حکم فرماتا ہے کہ اے محبوب! لوگوں سے یہ بات تم اپنی زبانِ مبارک سے فرمادو۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اعظم کو عام لوگوں کی طرح بشارت یا نذرانہ کی آیت اس طرح ہوتی کہ ”اَنْتَ بَشَرٌ مِّثْلُہُمْ“ یعنی ”تم ان لوگوں جیسے آدمی ہو۔“ یا آیت کریمہ اس طرح ہوتی کہ ”قُولُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا“ یعنی ”اے لوگو! تم کہو کہ نبی ہماری طرح انسان ہیں۔“ یا آیت کریمہ اس طرح ہوتی کہ ”اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ“ یعنی ”بے شک! وہ نبی تمہاری طرح بشر ہیں۔“ لیکن قرآن مجید میں آیت کریمہ اس طرح ہے کہ ”قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ“ یعنی تم فرماؤ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ”یَا اِنِّہَا الْبَشَرُ“ یعنی ”اے بشر“ کہہ کر خطاب نہیں فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معزز و معظم القاب سے کئی جگہ خطاب فرمایا ہے اور عزت اور عظمت بھرے القاب سے ملتب فرمایا ہے۔ مثلاً:-

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ marfat.com ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾

یعنی "اے رسول" ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ یعنی "اے جبرمٹ مارنے والے" ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ یعنی "اے بالاپوش اوڑھنے والے" ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ یعنی "حاضر و غاظر (مکروہ)" ﴿تَبَيَّنَ لَكَ﴾ یعنی "خوشخبری دینے والے" ﴿تَبَيَّنَ لَكَ﴾ یعنی "ڈرسانے والے" ﴿سَبَّحْتَ بِحَمْدِ اللَّهِ الْمَلِئِكُ﴾ یعنی "پکادینے والا آفتاب" ﴿وَحَقَّ لِلْعَالَمِينَ﴾ یعنی "سارے جہان کے لیے رحمت" ﴿خَاتَمُ النَّبِيِّينَ﴾ یعنی "سب نبیوں کے پیچھے" ﴿يُؤْخَذُ﴾ یعنی "دیکھ" ﴿تُؤْخَذُ مِنَ اللَّهِ﴾ یعنی "اللہ کی طرف سے نور"۔

الحاصل! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے معزز و معظم القاب سے ہی خطاب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام مجید میں کہیں بھی اپنے محبوب کو "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" سے خطاب نہیں فرمایا۔

ہماری یہاں تک کی گفتگو سے کوئی صاحب یہ غلط استدلال نہ کریں کہ معاذ اللہ! ہم کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت سے انکار ہے اور ہم حضور اقدس کو "غیر بشر" مانتے ہیں۔ بے شک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر یعنی انسان تھے۔ نباتات یا فرشتوں میں سے نہ تھے۔ لیکن آپ کے بشر ہونے میں اور ہمارے تمہارے بشر ہونے میں عظیم فرق ہے۔ آپ کی بشریت نورانی ہے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ہونے کے باوجود "صرف بشر" یا "ہمارے تمہارے جیسے بشر" کہنا گستاخی ہے۔ ہم اس حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں کہ "نبی کا بشر ہونا اور نبی کو بشر کہنا" اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن میں مستحضر رکھتے ہوئے، عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس حقیقت کی تفصیلی وضاحت آئندہ اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

جو ممکن ہوتا ہے وہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "نوری بشر" مانتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ آپ جیسا کوئی بشر نہ پیدا ہوا ہے اور نہ کبھی پیدا ہوگا۔ بقول حضرت رضا:-

"ان سائیس انسان، وہ انسان ہیں یہ" جو منافق ہوتا ہے وہ حضور اقدس خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا عام،

قرآن میں "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہنے کی کیا وجہ ہے؟

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ حضور اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اور تمہارے جیسے بشر نہیں ہیں تو پھر قرآن مجید میں "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا جملہ کیوں ارشاد فرمایا گیا ہے؟ اس جملہ کا صحیح مطلب و مفہوم کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اس آیت میں "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں۔" کا جو جملہ ہے وہ علمِ ادب کی اصطلاح میں مبتدا ہے اور یوحیٰ اِلَیَّ اِنَّمَا الْاِنْسَانُ لِرَبِّهِ وَاحِدٌ یعنی "مجھے وحی ملتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے" یہ جملہ اس کی خبر ہے۔ یعنی دوسرے جملہ کی حقیقت و شناس اور باور کرانے کے لیے پہلا جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس آیت کو یہ کو حسب ذیل چار حصوں میں تقسیم کریں:-

- (۱) "قُلْ" = تم فرماؤ
- (۲) "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" = آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں
- (۳) "يُوحِي اِلَيَّ" = مجھے وحی آتی ہے کہ
- (۴) "اِنَّمَا الْاِنْسَانُ لِرَبِّهِ وَاحِدٌ" = تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

مندرجہ بالا چار حصوں میں آپس میں تعلیقی و مواظقت ہے۔ چاروں جملوں میں ایسا پایا اور میل ہے کہ ہر حصہ اپنے بعد والے حصے سے خود بخود مل جاتا ہے۔ یعنی پہلے حصے کا خلاصہ دوسرے حصے میں، دوسرے کا تیسرے میں اور تیسرے کا چوتھے میں ہے۔ اور جو چوتھا حصہ ہے وہی اپنے اگلے تینوں حصوں کا خلاصہ، نچوڑ اور لپٹ لپاب ہے۔ یعنی اسے لوگو! میں تم کو انسان ہونے کے بارے میں کہتا ہوں اور رسول ہونے کے بارے میں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ یعنی:-

”خدا نہ ہونے کے معاملہ میں نہیں تم جیسا ہوں“

کیونکہ اُس وقت کا ماحول ایسا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم الشان معجزات دیکھ کر لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ ایسے خرق عادت اور غیر ممکن کمالات جو انسان کے لیے محال ہیں، آپ انسان نہیں بلکہ خدا، یا خدا کے بیٹے یا خدا کے شریک ہیں۔ لوگوں کو اس دہم و گمان کے نتیجہ میں شرک کی جھلک پدی میں گرفتار ہونے سے بچانے کے لیے اس آیت کریمہ کے ذریعہ اس حقیقت کو باہر کر دیا جا رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عظیم معجزات ظہور پذیر ہونے کے باوجود بھی آپ انسان ہیں، بندے ہیں، مخلوق ہیں۔ آپ اللہ نہیں، معبود نہیں اور خالق نہیں۔

اس آیت کریمہ کے مندرجہ بالا چار حصوں کی طرف پھر ایک مرتبہ التفات فرمائیں۔ آیت کریمہ کے دوسرے حصے کی ابتدا میں لفظ ”اِنَّمَا“ اور چوتھے حصے کے شروع میں ”اِنَّمَا“ لفظ وارد ہے۔ ”اِنَّمَا“ اور ”اِنَّمَا“ دونوں لفظ ایک ہی معنی کے حامل ہیں۔ دونوں لفظوں کی ترکیب (Composition) حسب ذیل ہے:-

① اِنْ + مَا = اِنَّمَا

② اَنْ + مَا = اِنَّمَا

لفظ ”اِنْ“ اور ”اَنْ“ دونوں کلمہ تاکیدی ہیں اور دونوں میں حرف ”نَا“ کی اضافت کی گئی ہے لہذا ”اِنْ“ سے ”اِنَّمَا“ بنا اور ”اَنْ“ سے ”اِنَّمَا“ بنا۔ علم نحو کی اصطلاح میں حرف ”نَا“ کو ”حرف زیادت“ کہتے ہیں۔ یعنی کہ زیادتی یا اضافے کا حرف۔

علم نحو کی اصطلاح میں کل آٹھ حروف زیادت ہیں (۱) اِنْ (۲) اَنْ (۳) مَا (۴) لَا (۵) مِنْ (۶) ك (۷) ب اور (۸) ل۔ (حوالہ:- علم النحو ص: ۶۳)

علم نحو کی اصطلاح کے مطابق جب کسی جملے کی ابتدا میں ”اِنْ“ یا ”اَنْ“ آئے تو وہ جملہ ”مؤكد“ یعنی تاکیدی کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس جملے میں کبھی ہوئی بات کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے۔ اور ”اِنْ“ و ”اَنْ“ میں ”نَا“ کی اضافت علم عروض کی اصطلاح میں کلام کی فصاحت و بلاغت یا جملہ کی بندش میں الفاظ کے اور ان کے اعتدال کے لیے کیا جاتا ہے۔ الحاصل!

آیت کریمہ کے چار حصوں میں سے حصہ نمبر ۲ اور حصہ نمبر ۳ کے شروع میں ”اِثْمًا“ اور ”اِثْمًا“ کا وارد ہونا اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ یہ دونوں حصوں میں کبھی ہوئی بات اہم اور ضروری ہے۔ اب ہم اس آیت کریمہ کے چار حصوں کو ترتیباً وار رکھتے کے بجائے نمبر ۱ کے ساتھ نمبر ۲، ۳ اور نمبر ۴ کے ساتھ نمبر ۳ رکھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ:-

(۱) تم فرماؤ (۳) میری طرف دہی آتی ہے۔ کیا دہی آتی ہے؟

(۲) ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں (۴) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

مذکورہ چار حصوں میں سے حصہ نمبر ۲ اور ۳ کو اہمیت دیتے ہوئے دونوں کے شروع میں ”اِثْمًا“ اور ”اِثْمًا“ کو ”ما“ کی اضافت کے ساتھ ارشاد فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ:-

”میں تمہارا معبود نہیں اس معنی میں نہیں تمہارے جیسا بشر ہوں۔“

”أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“

آیت کا خلاصہ اور اس کی ضروری وضاحت

قرآن مجید میں جو آیات ہیں وہ تمام آیات ایک ہی قسم کی نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات کی بہت سی اقسام ہیں مثلاً ① آیات حکمت ② آیات مشابہات ③ آیات مقطعات ④ آیات مہمات ⑤ آیات ناسخہ ⑥ آیات منسوخہ ⑦ آیات مقدمات ⑧ آیات سوخرات۔

قرآن مجید کی آیات کی تمام اقسام کی تفصیلی بحث یہاں ممکن نہیں۔ لہذا ہمارے عنوان کا جن سے تعلق ہے، وہ دو اقسام یعنی آیات حکمت اور آیات مشابہات کے متعلق ہم قرآن، حدیث اور تفسیر کی روشنی میں اختصاراً گفتگو کریں گے۔ قرآن مجید میں ارشاد رب تعالیٰ ہے کہ:

”هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ“

(پارہ: ۳، سورہ اہل عمران، آیت: ۷)

ترجمہ:- ”وہی ہے جس نے تم پر کتاب اتاری، اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری: وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی و مطلب واضح طور پر صاف ظاہر ہوں۔ اس قسم کی آیتوں کو ”آیات حکمت“ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی و مطلب اور مراد واضح طور پر صاف ظاہر نہ

ہوں بلکہ اس کے معنی دمراد میں "اشتباہ" ہو۔

⑤ اشتباہ = مشابہ ہونا، دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکہ ہو جائے، ممکن،

شبہ، شک، Ambiguity, doubt

(حوالہ: (۱) فیروز اللغات، ص: ۹۶)

(۲) دی نور ایل پرشین انگلش ڈکشنری از: ایس بی، پال، ص: ۲۳)

اب ہم آیات محکمات اور آیات متشابہات کو مندرجہ ذیل تقسیم سے سمجھیں:-

⑥ آیات محکمات:-

(۱) جن کا معنی اور مراد واضح ہو۔ اور جن میں ایک ہی معنی کا احتمال ہو۔

(۲) جن کی معرفت و وضاحت بیان کرنے میں اہل علم کو کسی قسم کا توقف یا تاویل کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

(۳) جن میں کسی قسم کا کوئی احتمال اور شک نہ ہو۔ یعنی اس کے معنی اور مراد میں کوئی تردد نہ ہو۔

(۴) احکام شریعت، عقائد، ایمان، وغیرہ میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قرآن کی اصل ہیں۔

(۵) حلال و حرام کے معاملہ میں ان آیات پر عمل کیا جائے گا۔

متحد کتب نقایس میں آیات محکمات کے جو اصول و ضوابط متعین کیے گئے ہیں ان کا حاصل ہم نے مندرجہ بالا پانچ اصولوں میں مختصر کر دیا ہے۔ ان اصولوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ذیل میں پیش کردہ چند مثالیں ذہن نشین کر لیں۔

⑥ مثال نمبر ۱:- "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ"

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۳۸)

ترجمہ:- "گنہگار نہ بنو کہ سب نمازوں کی اور پانچ کی نمازوں کی۔" (کنز الایمان)

⑥ مثال نمبر ۲:- وَأَتَىٰ هَاجِرًا

marfat.com

(پارہ: ۱، سورۃ البقرہ، آیت: ۳۳)

ترجمہ:- ”اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔“ (کنز الایمان)

ان دونوں آیتوں کے معنی اور مراد صاف ظاہر اور ان دونوں آیتوں سے نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت معلوم ہوتی ہے۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ وارد نہیں کہ جس کی تاویل کرنا ضروری ہو۔
 ﴿مِثَال نمبر ۳:- شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾

ترجمہ:- ”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُتر ا۔“ (کنز الایمان)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:-

”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“

(پارہ: ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۸۵)

ترجمہ:- ”تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں رمضان المبارک کے مہینہ میں قرآن شریف نازل ہونے کا تذکرہ فرمانے کے بعد یہ حکم نافذ فرمایا جا رہا ہے کہ جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے وہ رمضان المبارک کے مہینہ بھر کے روزے رکھے۔ یعنی اس آیت کے ذریعہ رمضان کے مہینے کے روزوں کی فرضیت نافذ ہوئی۔

﴿مِثَال نمبر ۴:- وَقُلْ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

(پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۹۷)

ترجمہ:- ”اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں صاحب استطاعت پر حج فرض ہونے کا حکم صادر فرمایا گیا ہے۔

یہاں تک ہم نے کل چار مثالیں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں میں پیش کردہ آیات قرآنیہ کے معنی اور مراد ایسے واضح طور پر صاف ہیں کہ نماز، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کے احکام ان آیات سے بآسانی اخذ کیے جاسکتے ہیں اور ان آیات کو بطور دلیل پیش کر کے نماز کی، زکوٰۃ کی اور صاحب استطاعت کے لیے حج کی فرضیت ثابت کرنے والے کو آیت کے کسی بھی لفظ کی تاویل یا کسی قسم کے توقف کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ کیونکہ آیات میں وارد تمام الفاظ کے

معنی اور مراد صاف و واضح ہیں۔ لہذا یہ تمام آیات حکمت میں سے ہونے کی وجہ سے احکام میں ان کی طرف بلا کسی تاویل یا توقف کے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

⑤ مثال نمبر ۵:- "وَلَا تَقْرُبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاجِشًا"

(پارہ: ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۳۳)

ترجمہ:- "اور بدکاری (زنا) کے پاس نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے۔" (کنز الایمان)

⑤ مثال نمبر ۶:- "حَرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ" (الخ)

(پارہ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۳)

ترجمہ:- "تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت" (کنز الایمان)

⑤ مثال نمبر ۷:- "يَنْهَاهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ

وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَأَجْتَنِبُوا"

(پارہ: ۷، سورۃ المائدہ، آیت: ۹۰)

ترجمہ:- "اے ایمان والو! شراب اور خمر اور نمک اور پانسے ٹاپاک ہی ہیں شیطانی

کام۔ تو ان سے بچتے رہنا۔" (کنز الایمان)

⑤ مثال نمبر ۸:- "وَأَخْلَ اللَّهُ التَّبَيُّعَ وَحَرَّمَ الزَّيْبَ"

(پارہ: ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۷۵)

ترجمہ:- "اور حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سوگو۔"

مثال نمبر ۸۲۵ میں پیش کردہ قرآن مجید کی آیات کے معنی اور مراد ایسے صاف اور واضح

ہیں کہ ⑤ زنا ⑤ مردار ⑤ خون ⑤ سور کا گوشت ⑤ شراب ⑤ خمر ⑤ بے حیائی ⑤ پانسے اور ⑤

سور کے حرام ہونے کا حکم اور بیع یعنی تجارت کے حلال ہونے کا حکم ان آیات سے بے ساسی اخذ کیا

جاسکتا ہے۔ ان آیات کو بطور دلیل پیش کرنے کے لئے زنا، خمر، شراب وغیرہ کے حرام ہونے اور تجارت

کے حلال ہونے کا ثبوت پیش کرنے والے کو آیت کی تاویل یا توقف کرنے کی قطعاً ضرورت

نہیں۔ کیونکہ ان آیات میں وارد تمام الفاظ کے معنی صاف اور مراد واضح ہیں۔ لہذا یہ تمام کی

تمام آیات حکمت ہونے کی وجہ حلال و حرام کے معاملے میں ان آیات پر عمل کیا جائے گا۔

◎ آیات متشابہات :-

- (۱) جن کے معنی صاف اور مراد واضح نہ ہو۔ اور جن میں چند معنوں کے احتمالات ہوں۔
- (۲) جن کی معرفت و وضاحت بیان کرنے میں اہل علم کو بھی توقف یا تاویل کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔
- (۳) جن کے معنی اور مراد میں اشتباہ ہو۔ جو تاویل کے بغیر دور نہ ہو۔
- (۴) جن کے معنی ظاہر نہ ہوں اور جو ظاہر ہوں وہ مراد نہ ہوں بلکہ معنی و مراد دونوں مشتبہ ہوں۔
- (۵) ایمان، عقائد اور احکام وغیرہ امور ضروریات دین میں ان آیات کے ظاہر معنی کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا بلکہ علماء راہنہ کی تاویل کردہ وضاحت کو مشعل راہ بنانا لازمی ہے۔
- (۶) حلال اور حرام کے معاملہ میں ان آیات کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کیا جائے گا۔
- (۷) یہ آیات لوگوں کے ایمان و عمل کی آزمائش کے لیے ہیں۔
- (۸) ان آیات میں چند وجوہ کا احتمال ہوتا ہے۔ یعنی ان آیات کی صحیح مراد بآسانی سمجھ میں نہیں آتی کہ ان آیات میں وارد الفاظ کا کس معنی و مراد میں استعمال ہوا ہے۔ ان کی صحیح مراد اللہ ہی جانتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ اس کا علم عطا فرماتے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۰)

◎ آیات متشابہات کے متعلق مزید وضاحت :-

قرآن مجید کی کون کون سی آیات متشابہات میں سے ہیں یہ طے کرنا بڑی ہی کٹھن مرحلہ ہے۔ لیکن صحابہ کرام، تابعین، ائمہ دین، مفسرین کرام اور علمائے راہنہ نے اس معاملہ میں

جان لیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے عرض کی ”یٰ“ واقف رموز واسرار الہیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم ہو گیا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی ”ع“ اس پر عالم ماکان و مایکون نے فرمایا میں نے جان لیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے عرض کی ”ص“ اس پر حضور اکرم نے فرمایا سمجھ گیا۔ الغرض آیت کریمہ ”کَلِمَاتٌ مَّعْقُودَاتٌ“ کے ہر حرف پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معلوم کر لیا یا میں نے جان لیا۔ اس ارشاد پر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی یا رسول اللہ! لیکن میں تو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ تو جب وحی لانے کی عظیم خدمت انجام دینے والے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حرف مقطعات کے معنی و مراد سے آگاہ نہیں ہو سکے تو لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ ان کا مطلب و مراد ”اللّٰہُ وَرَسُولُہُ اَعْلَمُ بِالْغُیُوبِ“ ان کی نسبت قول راجح یہی ہے کہ ”وہ اسرار الہی اور کتابہات سے ہیں۔ ہم اس کے حق ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔“ (تفسیر خزائن القرآن، ص: ۱۰۹۳)

(ب) جن آیات کا لفظی ظاہر معنی تو معلوم ہو مگر اس معنی کا اطلاق کرنا اسلامی عقائد اور نظریات کی بنا پر غیر مناسب اور خلاف شان الہییت ہو، ان آیات کا شمار بھی کتابہات میں ہوگا۔ مثلاً اللہ تبارک و تعالیٰ جسم سے، اعضاء جسم سے، جہت دست سے، مکان و مقام سے، اور محدود و منتہی ہونے سے پاک و منزہ ہے۔ لیکن قرآن مجید کی کئی آیتوں میں وارو ہے کہ اللہ کا ہاتھ، اللہ کی نظر، اللہ کا رخ، اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ وغیرہ ذیل میں بطور مثال چند آیات پیش خدمت ہیں:-

© مثال نمبر ۱:- ”يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيہُمْ“

(پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت: ۸)

ترجمہ:- ”ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“ (کنز الایمان)

نوٹ:- یہاں ہاتھ سے مراد جسمانی عضو ہاتھ نہیں لیا جائے گا بلکہ یہاں ہاتھ سے مراد اللہ کی مدد، پشت پناہی، اللہ کا کرم، اللہ کی نصرت وغیرہ مراد لی جائے گی۔

© مثال نمبر ۲:- ”فَإِنَّمَا هُوَ إِلَہُ وَجْہُ اللّٰهِ“

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۱۵)

ترجمہ:- ”تو تم جدِ حرم نہ کرو اور حجِ اللہ ہے۔“ (کنز الایمان)

نوٹ:- ”وَجَعَلْنَا“ کے معنی چہرہ، نرغ، منہ وغیرہ ہیں۔ اس آیت میں ”وَجَعَلْنَا اللہ“ کا کلمہ وارد ہے۔ اس کے ظاہری معنی اللہ کا چہرہ، اللہ کا نرغ ہرگز نہیں اخذ کیا جائے گا۔ بلکہ یہاں ”وَجَعَلْنَا اللہ“ سے مراد اللہ کی رحمت کا متوجہ ہونا مراد لیا جائے گا۔ اور آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ ”تو تم جدِ حرم نہ کرو اور اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے۔“ (کنز الایمان)

© مثال نمبر ۳:- ”وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا“

(پارہ: ۲۷، سورۃ الطور، آیت: ۴۸)

ترجمہ:- ”اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔“ (کنز الایمان)

نوٹ:- آیت میں ”وَاصْبِرْ لِحُكْمِ“ کا لفظ وارد ہے جس کے لفظی معنی ”ہماری آنکھیں“ ہوتا ہے لیکن یہاں اللہ کی آنکھیں ایسا ترجمہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی تاویل کر کے ہماری آنکھوں سے مراد ہماری نگہداشت لی جائے گی۔ جیسا کہ کنز الایمان کے ترجمہ میں ہے۔

© مثال نمبر ۴:- ”الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى“

(پارہ: ۱۶، سورۃ طہ، آیت: ۵)

ترجمہ:- ”وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ جیسا کہ اس کی شان لائق ہے۔“ (کنز الایمان)

نوٹ:- اس آیت میں ”اسْتَوَى“ کا لفظ ہے۔ اس لفظ کے ظاہری معنی میں اس آیت کا ترجمہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ ”اسْتَوَى“ کے معنی ہیں ”بیٹھنا“ یا ”جلوس کرنا“ اگر صرف ظاہری معنی پر اکتفا کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کیا جائے گا تو ترجمہ یہ ہوگا۔ ”رحمن نے عرش پر جلوس فرمایا“ یا ”رحمن عرش پر بیٹھا“ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بیٹھنے سے اور مقام سے پاک ہے لہذا ظاہری معنی سے انحراف درودگردانی کرتے ہوئے،

اس لفظ کی مناسب تاویل کی جائے گی اور وہی ترجمہ صحیح ہے جو ہم نے کنز الایمان شریف سے نقل کیا ہے۔

○ مثال نمبر ۵:- "وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ"

(پارہ ۲۶، سورہ قی، آیت: ۱۶)

ترجمہ:- "اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔"

نوٹ:- اس آیت میں لفظ "أَقْرَبُ" وارد ہے۔ جس کا ظاہری اور لفظی ترجمہ

"زیادہ قریب" یا "زیادہ نزدیک" ہوتا ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے

لیے ان الفاظ کی نسبت و اضافت وارد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک

و بے نیاز ہے لہذا ان الفاظ کی معنوی تاویل کرنی لازمی ہے۔ اس آیت

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:- "یہ رگ گردن میں ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ

انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے پردہ میں ہیں اور اللہ کے لیے کوئی

پردہ نہیں۔" (تفسیر قرآن العرفان، ص: ۹۳۳)

یہاں تک پیش کی گئی مثالوں اور دیگر آیات قرآنیہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ○ یَدُ

یعنی ہاتھ ○ وَجْہُ یعنی چہرہ ○ عَیْنُ یعنی آنکھ ○ اِسْتَوٰہ یعنی بیٹھنا ○ قَدُوْی یعنی اوپر

○ اَقْرَبُ یعنی بہت قریب اور ○ جَلَّہ یعنی آیا کے الفاظ وارد ہیں۔ ان الفاظ کے ظاہری اور

لفظی معنوں کا ترجمہ کر کے اس کی نسبت و اضافت اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات مقدس کے لیے

نہیں کی جاسکتی کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے لہذا ان

الفاظ کی مناسب معنوی تاویل کرنی ہوگی اور جب آیت کے الفاظ کی معنوی تاویل کی ضرورت

پیش آئی تو اب وہ آیات حکمت سے ندر ہیں بلکہ آیات تشابہات میں شمار کی جائیں گی۔

(ت) وہ آیات جن کے الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنی کو دلیل بنا کر کسی کو نبوت و رسالت

کے اعلیٰ منصب کی تعظیم و توقیر کے خلاف معنی اخذ کر کے تنقیص و توہین کرنے کی

جرات ہو بلکہ آیت کے الفاظ کے ظاہری لفظی معنی کسی بھی نبی و رسول کے علوم مرتبت

کے منافی معلوم ہوتے ہوں، ان تمام آیتوں کا بھی آیات تشابہات میں شمار ہوگا۔

ان آیتوں کی ایسی مناسب تاویل کرنی ہوگی کہ تاویل کرنے پر آیت کا ترجمہ لغت کے خلاف نہ ہو اور اس ترجمہ سے عصمت انبیائے کرام پر حرف بھی نہ آئے۔ مثلاً:-

﴿يَنْفِذُكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲)

﴿وَمَا أُنَبِّئُ نَفْسِي﴾ (پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۵۳)

﴿وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى﴾ (پارہ ۱۶، سورۃ طہ، آیت ۱۲۱)

﴿وَأَسْتَغْفِرُ لَذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (پارہ ۲۶، سورۃ محمد، آیت ۱۹)

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى﴾ (پارہ ۳۰، سورۃ الضحیٰ، آیت ۷)

﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (۱) (پارہ ۱۶، سورۃ الکہف، آیت ۱۱۰)

(۲) (پارہ ۲۳، سورۃ حم مجید، آیت ۶)

مندرجہ بالا تمام آیات کا شمار آیات متشابہات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان آیات کے ظاہری اور لفظی معنی کو دلیل بنا کر بھی نفین و منافقین کو تنقیص و توہین و رسالت و نبوت کی جرأت ہوتی ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ شاید ہے کہ دور حاضر کے منافقین ان آیات کو پیش کر کے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین و گستاخی کرتے ہیں۔

انشاء اللہ مندرجہ بالا آیات کی وضاحت اور اس کی صحیح تفہیم ہم اگلے صفحات میں زیور گوش سامعین اور بزرگ مہیوں ناظرین کرنے کی سعی فیض کریں گے۔

یہاں تک کی ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات حکمت اور بعض آیات متشابہات ہیں۔ آیات حکمت کے الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنوں سے آیت کے معنی اور مرادوں ظاہر ہوتے ہیں اور جن کے سمجھنے میں تاویلات کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی لہذا ان آیات سے ایمان و عقائد، عبادت و معاملات اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام نکالے اور طے کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن آیات متشابہات کے الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنوں سے آیت کے معنی اور مرادوں صاف اور واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس میں اشتباہ ہوتا ہے اور جن کو سمجھنے کے لیے لغت کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب تاویلات کرنا ضروری ہوتا ہے۔

لہذا ان آیات سے ایمان و عقائد، عبادت و معاملات اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام اس کے

لفظی معنوں سے اخذ نہیں کیے جاسکتے۔

آیاتِ حکمت اور آیاتِ تشابہات دونوں پر ہمارا ایمان ہے۔ دونوں حق ہیں۔ جو مؤمن ہوتا ہے وہ آیاتِ حکمت پر تسلیمِ خم کر کے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اور آیاتِ تشابہات میں اپنی رائے زنی سے باز رہتا ہے لیکن جو منافقین ہوتے ہیں، وہ آیاتِ تشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ قرآن مجید سے ایسی تشابہات آیات پُچن پُچن کر نکالیں گے۔ ان آیات کے ظاہر پر حکم کریں گے اور گمراہی پھیلانے کے فاسد ارادہ سے اس کی باطل و مفید تاویلیں کریں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:-

”منافقین آیات متشابہات کے ظاہری معنی کو دلیل بنا کر گمراہیت پھیلاتے ہیں“

آیات متشابہات کو دلیل بنا کر گمراہیت پھیلانے والوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ

ہے کہ:-

”فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زِينَةٌ فَيَسْتَبِغُونَ مَا تَشَابَهَ بِهِ ابْتِغَاءَ الْمُنْتَفَعَةِ وَالْمُنْتَفَعَةِ تَأْوِيلُهُ“

◎ = پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت: ۷۷ = ◎

ترجمہ:- ”وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ و ادالی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- ”یعنی گمراہ اور بد مذہب لوگ ہوائے نفسانی کے پابند ہیں اور اس کے ظاہر پر حکم کرتے ہیں یا تاویل باطل کرتے ہیں اور یہ ٹیک نیکی سے نہیں بلکہ شک و شبہ میں ڈالنے اپنی خواہش کے مطابق، باوجودیکہ وہ تاویل کے اہل نہیں“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۱)

◎ حل لغت:- کجی = ترچھاپن، نیز چاپن (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۹۹۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی (Crookedness) یعنی نیز چاپن ہوتا ہے وہی لوگ اشتباہ و ادالی سے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور

گمراہی پھیلانے کے فاسد ارادے سے ان آیات کے اپنی خواہش کے مطابق سن جاتے تراجم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں تفسیر میں وارد ہے کہ ایسا کرنے والے "ہوئے نفسانی کے پابند ہیں" یعنی انہیں کی خواہش و لالچ کے پابند ہیں۔ ایسے لوگ تخیلات فاسدہ (Sinful thoughts) کے عادی ہوتے ہیں اور لوگوں کو شک و شبہ کے ذریعہ فتنہ میں مبتلا کرنے کی غرض سے آیات متشابہات کے غلط مفہوم بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے احادیث میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

حدیث :- ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

”مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ يَزَايِهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعِدَهُ مِنَ النَّارِ“
ترجمہ :- ”جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے کے مطابق معنی بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (حوالہ :- مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۵)

حدیث :- ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

”مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ يَغْنِيهِ عِلْمٌ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعِدَهُ مِنَ النَّارِ“
ترجمہ :- ”جو شخص بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔“ (حوالہ :- فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، جز اول، ص: ۹۶)

حدیث :- بخاری شریف و مسلم شریف وغیرہا میں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ ذَيْغٌ“ (الح) پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ :-

”فَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَاءُ مِنْهُ فَلَوْلِكَ الَّذِينَ

سَمِعَ اللّٰهَ فَلَاخْذُ لَهُمْ

ترجمہ:- ”جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو آیاتِ مشابہات کی پیروی کر رہے ہوں تو سمجھ لو کہ وہ وہی ہیں جن کے دلوں میں کجی اور گمراہی ہے۔ تم ان لوگوں سے بچتے رہنا۔“

”ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ“

علامہ امام عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل دارمی سرقندی (المتوفی ۳۵۰ھ) اپنی ”مسند“ میں حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ:-

”امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ”صحیفہ“ نامی ایک شخص مدینہ منورہ میں وارد ہوا اور جن جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس قرآنی ذخائر یا قرآنی اجزاء موجود تھے ان کی خدمات میں آمد و رفت شروع کی اور ان حضرات صحابہ کی مدد سے ان ذخائر اور اجزاء میں سے آیاتِ مشابہات کو تاویلات کا مدہائی فرض سے سمجھ کر شروع کیا۔ اسے المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے ”صحیفہ“ کو دوبار خلافت میں طلب فرمایا اور مجبور کے درخت کی شاخیں متواگنیں۔ جب صحیفہ دوبار خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے اس سے پوچھا ”تمہارا نام کیا ہے؟“ اس نے کہا میرا نام تو عبداللہ بن صحیفہ بن مکرّم بن صحیفہ کے نام سے مشہور ہوں۔“

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم نے اسے اپنی صفائی چٹائی میں کھڑکے کا موقع نہیں دیا۔ بعد میں کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو حجتِ اطلاعات فراہم کیں تھیں اس پر اجماع کرتے ہوئے ”صحیفہ“ کو مجھ کی شاخوں سے پھٹا ڈھک دیا۔ اس نے اپنے آپ کو ”عبداللہ بن صحیفہ بن مکرّم بن صحیفہ“

نوٹ گئیں مگر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پینے رہے یہاں تک کہ اس کے سر سے خون کے فوارے جاری ہو گئے اور اس کی تہ بند بھی خراب ہو گئی۔ پھر آپ نے پیننا موقوف فرمایا اور اسے قید میں ڈال دیا۔ جب صبح قید خانے میں چند دنوں رہنے پر صحت یاب ہو گیا تو امیر المؤمنین نے اسے دوبارہ دار الخلافہ میں طلب فرمایا۔ مگر صبح نے اپنی کڑوت سے باز آنے کا انکار کیا۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے اسے دوبارہ پیننا شروع فرمایا اور جب صبح پیننے پینے خون سے تر ہو گیا تو امیر المؤمنین نے اس سے پوچھا ”اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“ صبح نے اڑیل اور سرکش ہوئے کہا کہ ”اگر آپ کا ارادہ قتل کرنے کا ہے تو مجھے بے شک قتل کر دیجئے، لیکن جب تک میں زندہ ہوں اپنے کام سے باز نہیں آنے والا“

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ ”اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔“ لہذا مدینہ منورہ کو اپنے وجود سے آج ہی پاک کر دو اور جہاں سینگ سائے چلے جاؤ۔“ عبداللہ بن صبح نے اسی وقت ملک شام کا راستہ اختیار کیا اور ملک شام (Syria) چلا گیا۔

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط ارسال فرمایا اور یہ حکم تحریر فرمایا کہ عبداللہ بن صبح کا سامی بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی بھی مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرے۔“

(بحوالہ: قرآنی علوم، ص: ۱۳۰)

اس واقعہ میں امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور شاہکار مگر ”اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا۔“ قابل غور وجہ ہے کہ یہ فتنہ صرف عبداللہ بن صبح کی شخصیت تک ہی منحصر اور محدود تھا بلکہ بقول حضرت فاروق اعظم ”میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔“ ۱۹ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہوئی یہ چین گونی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی ہے کیونکہ خلافت فاروقی کے زمانے سے لے کر آج تک بھی کسی چین گونی کے چورہ سو سال بعد تک

یہ فتنہ جاری ہے بلکہ دور حاضر میں یہ فتنہ اپنے شباب پر ہے کیونکہ دور حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت میں گستاخی اور توہین کرنے کی غرض سے ہمیشہ آیات و کتابہات ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور قرآن کے نام پر اور قرآن ہی کے ذریعہ امت مسلمہ میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔

دور حاضر کے منافقین نے ماحول ایسا پر امن نہ بنا دیا ہے کہ جاہل ملاؤں کی تکلفی ٹولی کے ساتھ دہلی یا مدراس کا ایک چلہ کرتے والا "اجمل مبلغ" اپنے آپ کو مولانا، مولوی، مفتی، محدث یا مفسر سے کم نہیں سمجھتا، جن جہلاء کو احتیاط طہارت اور نماز کے مسائل کی بھی معلومات نہیں ہوتی ان کو چالیس دن کے چلے کے درمیان دو-چار آیات و کتابہات تراویح جاتی ہیں اور وہ جہلاء ان آیات و کتابہات کے لفظی معنوں کو بطور دلیل پیش کر کے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرنے کی گھناوی حرکت و جرأت کرتے ہیں۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دور حاضر کے منافقین کی بے راہ روئی اور علمی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ قرآن کی آیات کے حکم، کتابہ، مقدمہ، مؤخرہ، عائدہ، خلاصہ، مجملہ، مؤیدہ، ماسخ، منسوخ، مطلقہ، منطوقہ، صبرہ، منہومہ کے احوال کا جنہیں ضروری اور لازمی علم نہیں اور جو قرآن مجید کے انداز بیان کے اہم شعبے مثلاً، حقیقت، مجاز، تشبیہ، استعارات، معنی، ربط، تعریض، کنایات، ایجاز، الٹاب، مصر، اختصار، مبتدا، خبر، انشاء وغیرہ سے مکمل بے خبر اور جاہل بلکہ اجمل ہوتے ہیں وہ قرآنی تعلیم، قرآن نبوی اور تنہیم کے مبلغ اعظم اور مفسر اجل بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ تبلیغ دین کے نام پر مفضال و مضیل کی تحریک چلاتے ہیں۔

○ سیدنا عمر فاروق اعظم کا ارشاد گرامی :-

عالم الغیب والشمادہ رب تبارک و تعالیٰ کے غیب جاننے والے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب داں میل اللہ رحمہ اللہ، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آج سے چودہ سال پہلے آج کے دور کے منافقین کو مد نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَأَخْرَجَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْمُحَرَّمِ رِجَالٌ ثَلَاثُونَ مُبْتَدِلِينَ

نَاسٌ يُجَادِلُونَكُمْ بِمُتَشَابِهَاتِ الْقُرْآنِ. فَخَذُّوْهُمْ بِاَلْمُتَنِّ
فَإِنَّ أَصْحَابَ الشُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ -

ترجمہ:- ”ایسے لوگوں کا ظہور ضرور ہوگا، جو قرآن کی آیات متشابہات کے ذریعے مسلمانوں سے جھگڑا کریں گے۔ ان کو سنت (ارشاد نبوی) سے بچاؤ۔ کیونکہ اہل سنت کے علماء اللہ کی کتاب (قرآن) کو زیادہ جاننے والے ہیں۔“

بارہا کا تجربہ ہے کہ آیات متشابہات کے ظاہری لفظی معنوں کو بطور دلیل پیش کرنے والے دور حاضر کے منافقین کا جب کسی شی عالم سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ منافق مسلح اپنی عقلیں جھانکتا ہوا نمود و گیارہ ہو کر راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی خیر و عافیت محسوس کرتا ہے۔

⑤ آیات مشککات و متشابہات کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد عالی:

عجل القدر صحابی رسول، رئیس المفسرین، حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام علوم تفسیر قرآن میں ایسا ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ زمانہ صحبہ کرام سے آج تک ”ترجمان القرآن“ کے معزز منصب پر فائز ہیں۔ جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

”يَنْفَعُ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ“

ترجمہ:- ”عبداللہ بن عباس قرآن مجید کا بہترین ترجمان ہے۔“ اسی لیے آپ کا لقب ترجمان القرآن ہے۔

⑥ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن عباس کے متعلق بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص آپ کی امت کا ”خبر“ ہونے والا ہے۔ (اخرج ابونعیم)

حضرت جبرئیل کی عرض کردہ اطلاع کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس کے کثرت علم اور فصاحت کا یہ عالم ہوا کہ آپ کا لقب ”خبر اللہ“ یعنی ”خبر اللہ کا ذریعہ“ عالم دین ”مشہور ہوا۔“

○ امیر المؤمنین سیدنا عارف رقی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرماتے تھے کہ اپنی جوانی ہی میں پختہ عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو واضح البیان اور دل کو عظیم دانش کدہ بنایا ہے۔

○ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی کم عمر تھے۔ نو جوانی کے عالم میں تھے۔ جوانی کے شباب کی بہاریں بھی ابھی نہیں آئی تھیں لیکن آپ کے تفقہ فی الدین اور علم تفسیر سے حضرت سیدنا عارف رقی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر متاثر تھے کہ آپ کو اصحاب بدر صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے۔

اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مجید کی آیتوں کی صحیح تفسیر اور تفسیم کے لیے ہمیشہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہی رجوع فرماتے تھے۔ وہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-

”آیات محکمات و آیات متشابہات دونوں قسم کی آیتیں منجانب اللہ ہیں لہذا دونوں کے حق و صداقت پر ہمارا ایمان ہے مگر دینیات اور شرعی احکام کا دار و مدار آیات محکمات پر ہے اس لیے آیات متشابہات کو احکام شرع یا دینیات میں بطور استشہاد (سند) پیش نہیں کیا جاسکتا“ (خرجا بن حاتم)

حدیث:- طبرانی میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-
”میں اپنی امت پر تین چیزوں کا خوف کرتا ہوں۔ (۱) زیادتی مال جو باعث حسد ہو (۲) جنگ و جدال (۳) متشابہات کی تاویل“

حدیث:- ابن فرویہ نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”قرآن کی جن آیتوں کو سمجھ سکو (یعنی محکمات) ان پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لے آؤ۔“ (دونوں احادیث بحوالہ: تفسیر نعیمی، جلد ۳، ص ۳۱۳)

الحاصل! صحیح العقیدہ مؤمن متشابہات کی تاویل کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان لے آئے۔ ان کے جو معنی ہیں وہ حق ہیں۔ ان کی مراد اللہ اور رسول کو معلوم ہے۔ ان کے معنی اور مراد ہماری عقل و فہم میں آئیں یا نہ آئیں، مگر یہ آیات ہمارے رب کی طرف سے ہونے کی وجہ سے ہم ان کی حضانیت و صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن! انا سدا لعقیدہ منافقین متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہری الفاظ کی جھوٹی اور باطل تاویلیں کرتے ہیں۔ تفسیر میں ہے کہ:-

⑤ ”اصطلاح میں کسی لفظ کو ظاہری معنی سے بھیرنا تاویل کہلاتا ہے۔ یہاں دو باطل تاویلیں مراد ہیں جو عقائد اسلامیہ کے خلاف ہوں۔ اور مسندین کی مرضی کے مطابق یعنی الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالنا یعنی ایسے بے دین لوگ محض گمراہی پھیلانے، مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے کشت و خون کرانے اور لوگوں کو بہکانے کے لیے نیز اپنے مطلب کے موافق قرآن بتانے کے لیے آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ حکم آجوں اور روشن احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔“

(حوالہ:- تفسیر فیسی، جلد ۳، ص: ۳۰۸)

الخصر! دور حاضر کے منافقین انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کے اپنے مطلب فاسد کی غرض سے ہمیشہ قرآن مجید کی آیات متشابہات کو بطور سند اور دلیل پیش کر کے فتنہ اور فساد برپا کرتے ہیں اور ملت اسلامیہ کو آپسی خانہ جنگی اور گمراہیت کے گہرے دلدل میں پھنسانے کی سعی متبوعہ اور حرکت نازیبا کرتے ہیں۔

”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیات متشابہات سے ہے

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، ہمسری کا دعویٰ ثابت کرنے اور حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے فاسد ارادے سے دور حاضر کے منافقین بڑے

عی مطراق سے قرآن مجید کی آیت شریف "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" بطور دلیل اور سند پیش کرتے ہیں لیکن اصطلاح قرآن کے مطابق یہ آیت آیات تشابہات میں شمار ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم مطلب اسلامیہ کے عظیم اماموں اور محققوں کی معتد اور معتبر کتابوں کے چند حوالے پیش کرتے ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیات تشابہات میں سے ہے۔

حوالہ ۱:- شیخ محقق، شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک محدث و بلوچی قدس سرہ العزیز (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اپنی کتاب "مدارج النبوة" میں فرماتے ہیں کہ:-

"وہ آیات جن میں انبیائے کرام کے لیے صفات عمومی ثابت کیے جائیں دو تشابہات ہیں۔ جیسے "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اور "فَقَطَّصْنِي أَلِمْ وَبَنَةً فَغَوَّيْتُ" اور "وَأَسْتَغْفِرُ لَذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ"۔

حوالہ ۲:- تفسیر احمدی

"تمام وہ آیتیں جن سے انبیائے کرام کا گنہگار ہونا معلوم ہوتا ہو، ان سب کی تاویل واجب ہے۔ جیسے "وَهَمَّكَ بِهِ وَهَمٌ بِهَا" "فَتَكُونْنَا مِنَ الظَّالِمِينَ" "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" وغیرہ۔ گو یا ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ آیتیں تشابہات ہیں۔"

(دونوں حوالے بحوالہ: تفسیر نعیمی، جلد ۳، ص ۳۱۱)

"بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی غرض سے منافقین زمانہ "أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کی طرح دیگر آیات تشابہات کو بھی دلیل بناتے ہیں"

دور حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرنے

کی فرض سے قرآن مجید کی ان آیات متشابہات کو پیش کرتے ہیں جن آیات کے لفظوں کے غامبی اور لغوی معنوں کی تاویل کرنا واجب ہے۔ ان آیات کے لفظی معنوں کو بطور دلیل و سند پیش کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کو بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی جرأت دلاتے ہیں۔ ان منافقین کے پیشواؤں کے دام فریب میں آکر ان کے جاہل مبلغین برسر عام دلیری سے توہین و تنقیص بارگاہ رسالت کرتے ہیں۔ راقم الحروف سے ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے ایک جاہل مبلغ نے یہاں تک کہا کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ سرزد ہوئے تھے اور اللہ نے انہیں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کا حکم فرمایا۔ اور اپنے اس فاسد عقیدہ کے ثبوت میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ بطور سند پیش کی:-

﴿وَأَسْتَغْفِرُ لَذَنبِكَ وَاللَّٰمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾

(پارہ: ۲۶، سورہ محمد، آیت: ۱۹)

ترجمہ از منافقین:- ”اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔“

ترجمہ از:- دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین مولوی محمود الحسن دیوبندی، استاد مولوی اشرف علی تھانوی۔

اس آیت کے علاوہ ایک اور آیت بطور دلیل پیش کی تھی:-

﴿كَیَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾

(پارہ: ۲۶، سورہ الفتح، آیت: ۲)

ترجمہ از منافقین:- ”تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے“

معاذ اللہ !!!

ان آیات کے صحیح معنی کیا ہیں؟ اور آیت میں وارد لفظ ”ذنب“ سے استدلال کر کے منافقین کیسی کیسی دھوکہ دہی کرتے ہیں؟ اس کی وضاحت ہم انشاء اللہ آئندہ صفحات میں تفصیلاً کریں گے لیکن یہاں ہم قرآن مجید کی ایک اور متشابہ آیت پر تفصیلی گفتگو کر رہے ہیں جس آیت کو دلیل بنا کر منافقین زمانہ نے آسمان سر براہ ہمارا کھا ہے۔ اور وہ آیت ہے:-

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾

(پارہ: ۳۰، سورہ النبی، آیت: ۷)

اس آیت کے منافقین زمانہ کے تین پیشواؤں کے تراجم ذیل میں درج ہیں:-

(۱) مولوی محمود الحسن دیوبندی:- ”اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دکھائی“

(۲) مولوی اشرف علی تھانوی:- ”اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے

خبر پایا، سو آپ کو شریعت کا راستہ بتا دیا۔“

(۳) مولوی عبدالغفور کاکوری:- ”اور پایا اس پروردگار نے آپ کو راہ سے بے خبر، پس

ہدایت کی اس نے (آپ کو)“

اس آیت میں دو اور لفظ ”ضَالًّا“ کا ترجمہ دو در حاضر کے منافقین ⑤ گمراہ ⑥ ہو چکا ہوا

⑤ راہ سے بے خبر وغیرہ اخذ کر کے آیت کا لفظ ترجمہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ظاہری نبوت سے سرفراز ہونے کے قتل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گمراہ، یعنی شریعت سے بے خبر اور بھٹکے ہوئے تھے۔ مثلاً:-

⑥ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدینین اور دو در حاضر کے منافقین کے پیشوا مولوی

اشرف علی تھانوی صاحب کے استاد کہ جن کو علماے دیوبند بڑے فخر سے ”شیخ الہند“ کے لقب

سے متلب کرتے ہیں، وہ مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:-

”اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دکھائی“

اس ترجمہ میں مولوی محمود الحسن دیوبندی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے

لفظ ”بھٹکتا“ کا استعمال کیا ہے۔ لفظ ”بھٹکتا“ کے معنی ہم لغت سے دیکھیں:-

⑤ بھٹکتا = گمراہ ہونا، آوارہ پھرنا (حوالہ:- جامع اللغات)

⑥ بھٹکتا = گمراہ ہونا، راہ بھولنا، آوارہ پھرنا (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۲۳۲)

⑦ دیوبندی مکتبہ فکر کے نامور مصنف اور جن کو منافقین زمانہ بقیۃ الشیخ،

حُجَّةُ الْخَلْف، حُجَّةُ الْإِسْلَام اور امام الملکت کے نامیوں سے نوازتے ہیں، وہ

مولوی عبدالغفور کاکوری، نے لفظ ”بھٹکتا“ کے معنی وضاحت کرتے

ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ:-

⑤ "حاکم شریعہ کی اصل اصول یعنی ایمان باللہ کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔"

⑥ "اخلاقی حاکم کے تین جز ہیں۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدن۔ ان تینوں سے آپ قطعاً وصالاً بے خبر تھے۔ جب آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب الہی کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے تو اور حاکم سے آپ کو کیگر آگئی ہو سکتی ہے۔"

⑦ "بکئی کبھی ایسے کلمات آپ کی زبان سے صادر نہیں ہوئے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ اپنے لیے اس مرحبہ عظمیٰ کی امید رکھتے ہیں، جو چالیس برس کے بعد آپ کو حاکمیت ہوا۔" (حوالہ - محقق میرتب نبویہ، از رسولوی عبد الشکور ص ۴۳)

تاقرین کریم، انھو فرمائیں کہ منافقین زمانہ آیت شریف
کے ترجمہ کی آرمیں بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کسی سخت گستاخیاں کر رہے ہیں۔
مندرجہ بالا تراجم و تفسیر منافقین کا اقتباس یہ ہے کہ:-

سواذ اللہ انتم معاذ اللہ! نعوذ باللہ من ذالک!

⑤ مضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جھٹکے یعنی گمراہ اور لو بھولے ہوئے تھے۔

⑥ مضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریعت سے بے خبر تھے۔

⑦ مضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راہ سے بے خبر تھے۔

⑧ چوبیس سال کی عمر شریف تک ایمان باللہ کی حقیقت بھی نہ جانتے تھے۔

⑨ چوبیس سال کی عمر شریف تک اخلاقی حاکم سے قطعاً وصالاً بے خبر تھے۔

⑩ چوبیس سال کی عمر شریف تک کتاب الہی اور ایمان کیا چیز ہے وہ بھی نہ جانتے تھے۔

⑪ چالیس سال کی عمر شریف تک آپ کو نبوت کے مرحبہ عظمیٰ کی بھی امید نہ تھی۔

آیت توبہ - وَوَجَّهْتُكَ صَالَاً فَهْدًی کا صحیح ترجمہ و تفسیر اور اس کی تفصیلی وضاحت

تیسرا حصہ نمبر ۱ کے تحت یہ جانا بھی ضروری ہے کہ وہ حاضر کے منافقین کے مندرجہ بالا

نقصیات و اعتقادات بارگاہ رسالت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سخت گستاخی بلور رہے اور نبی

ہونے کے ساتھ ساتھ ارشادات احادیث کے بھی متصادم ہیں۔

حدیث:- ۱۰ امام احمد ۱۱ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ۱۲ حاکم ۱۳ بیہقی اور ۱۴ ابونعیم نے مسند الفجر سے، و نیز حضرت عرباض سے اور حضرت ابو ہریرہ سے ۱۵ یزید اور ۱۶ طبرانی نے ”وسط“ میں ۱۷ ابونعیم نے یہ طریق خمس حضرت عبداللہ بن عباس سے ۱۸ ابن سعد نے ابن ابی الجعد عاصہ اور مطرف بن عبداللہ بن اشقر اور عاصہ سے ۱۹ طبرانی و ۲۰ ابونعیم نے ابی مریم غسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

كُنْتُ نَبِيًّا وَ اَدُمُ بَيِّنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

ترجمہ:- ”میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم روح و جسم خاکی کے درمیان تھے“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ فی مہجرات خیر الوزی، از:- امام اجل علامہ جلال الدین

عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) اور درجہ، جلد: ۱، ص: ۱۲)

حدیث:- حافظ ابوالفضل ابن حجر ”شرح بخاری“ میں فرماتے ہیں کہ سیر واقفی

میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوائل عمر میں پیدا ہوتے

ہی کلام فرمایا اور ابن مسیح نے ”الخصائص“ میں ذکر کیا ہے کہ سب سے

پہلا کلام جو آپ نے فرمایا وہ یہ تھا ”اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

كَبِيرًا“۔ (حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۳۸)

اس قسم کی احادیث کثیر تعداد میں ہیں، جن کا بیان کرتا یہاں ممکن نہیں۔ منجملہ ایک حدیث

میں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تب دنیا میں

تشریف لاتے ہی آپ نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا اور اپنی امت کے لیے اپنے رب سے عرض کی

”رَبِّ هَبْ لِي أَتَقِي“ یعنی ”اے رب! مجھے میری امت پر فرما دے“۔

تو جو ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے

وقت سے ہی نبی کے منصب الہی پر جلوہ افروز ہوا، اور جس ذات گرامی نے دنیا میں تشریف

لاتے ہی اللہ کی تکبیر کہی اور صحابہ فرمائی دنیا میں ایک صبح کی پہلائی کے لیے دعا فرمائی، اُس

ذات گرامی کو اپنی پیدائش کے وقت ہی اللہ کے رب ہونے کا، اپنے نبی ہونے کا اور اپنی امت کا خیال تھا۔ وہ ذات گرامی جو اپنی ولادت باسعادت کے وقت اللہ کی وحدانیت، اپنی نبوت اور اپنی امت سے واقف ہو، اُس ذات گرامی کے لیے معاذ اللہ یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ چالیس سال کی عمر شریف ہونے تک ایمان باللہ کی حقیقت بھی نہ جانتے تھے وغیرہ کہنا یقیناً بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی ہے۔ اور احادیث کے ارشادات کی خلاف ورزی ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی مخالفت ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ:-

”مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ“

⑤ = پارہ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۳ = ⑥

ترجمہ:- ”تمہارا صاحب نہ بھٹکا، نہ بے راہ چلے“ (کنز الایمان)

تفسیر:- (۱) صَاحِبُكُمْ سے مراد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ حضور انور نے کبھی طریق حق و ہدایت سے ہدول نہ کیا۔ ہمیشہ اپنے رب کی توحید و عبادت میں رہے۔ آپ کے دامن عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی۔ (۲) اور بے راہ نہ چلنے سے یہ مراد ہے کہ حضور ہمیشہ رشد و ہدایت کی اعلیٰ منزل پر مُتَمَسِّک رہے اور اعتقاد فاسد کا شائبہ کبھی آپ کے حاشیہ بساط تک نہ پہنچ سکا۔

(حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۳۶)

قرآن مجید کا صاف ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”مَا ضَلَّ“ یعنی ”کبھی نہیں بھٹکا“ لیکن دور حاضر کے منافقین قرآن کے اس ارشاد کے خلاف جا کر ”ضَلَّ“ کہتے ہیں یعنی ”بھٹکا“۔ اگر معاذ اللہ حضور اقدس باوی الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ گمان کیا جائے کہ وہ ”بھٹکا“ تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ”راہ دکھائی“ تو پھر قرآن مجید کی سورۃ النجم کی آیت کریمہ ”مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ“ کے کیا معنی رہیں گے؟ قرآن یہ فرما رہا

ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "کبھی نہیں بھٹکتے" لیکن دورِ حاضر کے منافقین کہتے ہیں کہ "بھٹکتے ہیں" کافر کین کرام فیصلہ فرمائیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ کا صحیح ترجمہ و تفسیر اور آیت کی تفصیلی وضاحت و تفہیم

جیسا کہ اور اوراق سابقہ میں ہم نے تفسیر احمدی، تفسیر خزائن العرفان اور کتاب مستطاب ”مدارج النبوة“ کے حوالوں سے عرض کیا ہے کہ ”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ آیات متشابہات میں سے ہے۔ اس آیت مقدسہ کی ایسی مناسبت تاویل کرنا واجب ہے کہ آیت کا ترجمہ لغت کے خلاف نہ ہو اور اس ترجمہ سے عصمت انبیاء اور تعظیم و توقیر رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرف نہ آئے لیکن دورِ حاضر کے منافقین کو اس آیت متشابہ کے الفاظ کے ظاہری اور لغوی معنی اخذ کر کے، اس ظاہری معنی بیان کرنے میں نہ جانے کون سا لطف حاصل ہوتا ہے کہ ہر جگہ اس آیت سے غلط استدلال اور مفہوم اخذ کر کے حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عالی میں بھٹکتا، راہ سے بے خبر، مگر اور وفیر و توہین آمیز الفاظ و جملے بولتے ہیں بلکہ کتابوں میں طبع کرتے ہیں۔

جب ان سے مؤدبانہ گزارش کی جاتی ہے کہ جناب! اس آیت کا آپ نے جو ترجمہ بیان کیا ہے وہ درست نہیں تو اپنے آپ کو علامہ دہر اور مفسر عظیم سمجھتے ہوئے فوراً سورۃ الفسطیٰ کی مذکورہ آیت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ”ضال“ وارد ہے اور لفظ ”ضال“ کا ترجمہ گمراہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت ”غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا لَلْضَالِّیْنَ“ میں بھی ”ضال“ کا لفظ وارد ہے۔ ”ضال“ کی جمع (Plural) ”ضالین“ ہے۔ اور سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت کا ترجمہ ہے۔ ”نہ مغضوب ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ ان کا جو

گمراہ ہوئے" تو سورہ فاتحہ میں "ضال" کے معنی گمراہ ہیں، وہی معنی اخذ کر کے ہم نے سورہ الفتحی کی اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اس آیت میں بھی لفظ "ضال" وارد ہے۔

واو صاحب واہ! کیا بقرہ اہل اور بے ٹکئی منطق چماتی ہے؟ ان کو وہ غزوہ کر کہ باطن بلکہ سیاہ باطن منافقوں کو کون سمجھائے کہ قرآن مجید رب تبارک و تعالیٰ کا ایسا جامع اور مانع کام ہے کہ اس کے ہر ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ غاۓ ازیں قرآن مجید کا کوئی ایک لفظ ہر جگہ صرف ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ موقع و محل کے اعتبار سے متفرق معنی، مطلب و مراد میں مستعمل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ "ضال" کو ہی لیجیے۔ لفظ "ضال" کے عربی لغت کے اعتبار سے چند معنی ہیں جیسے ⑤ گمراہ ⑥ بے خبر ⑦ آوارہ ⑧ انہماں ⑨ بہکا ہوا ⑩ بے خود ⑪ بارنہ ⑫ خورنہ ⑬ غار ⑭ فریفتہ و غیرہ۔ لفظ "ضال" کا صرف گمراہ یا بے خبر معنی ہی اخذ کرنا بددیانتی اور نا انصافی ہے۔ قرآن مجید کی اہل اور بے مثال فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی لفظ الگ الگ موقع پر واقعہ کی متابعت کے اعتبار سے الگ الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً لفظ "ضال" سورہ فاتحہ میں بے شک گمراہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اللہ تعالیٰ سے استعانت و مدد طلب کرنے کا اقرار سیدھے راستہ پر چلانے کی دعا اور گمراہ دہے دین لوگوں کے راستہ پر چلنے سے بچنے کی دعا ہے جو آخری آیت "تَغْيِرَ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" ہے۔ لیکن قرآن مجید میں ہر جگہ لفظ "ضال" گمراہ کے معنی میں وارد نہیں بلکہ موقع و محل کے اعتبار سے دیگر معنوں میں بھی وارد ہے۔ مثلاً

⑤ سورہ یوسف میں بھی لفظ "ضال" کا استعمال ہوا ہے لیکن سورہ یوسف میں لفظ "ضال" کس معنی و مراد میں وارد ہوا ہے اسے باسانی سمجھنے کے لیے موقع و محل اور واقعہ کی صورت حال سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

"حضرت سیدنا یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ ان بارہ بیٹوں میں سے آپ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت بن یاسین کو زیادہ چاہتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس چاہت پوری پر حضرت یوسف کے دیگر

بھائیوں کو رشک و حسد ہوتا تھا لہذا جب یہ آپس میں جمع ہوتے تو اکثر ان کا موضوعِ سخن یہی ہوتا تھا کہ ہمارے والد محترم ہمارے مقابلہ میں حضرت یوسف اور بن یاسین کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان سے زیادہ محبت و چاہت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں کی مذکورہ گفتگو کا ذکر فرمایا گیا ہے اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں کا مقولہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:-

<p>إِنْ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ</p>
<p>⊙ = پارہ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت: ۸ = ⊙</p>
<p>ترجمہ:- ”بے شک ہمارے باپ مرانا ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں“ (کنز الایمان)</p>

اس آیت میں لفظ ”ضَلَالٌ“ وارد ہے جو ”ضَالٌ“ سے مشتق اور ہم معنی ہے لیکن اس آیت میں یہ لفظ گمراہی کے معنی میں ہرگز وارد نہیں ہوا بلکہ یہاں یہ لفظ محبت میں وارفتہ ہونے کے معنی میں ہے۔ اگر اس آیت میں اور لفظ ”ضَلَالٌ“ کو گمراہی کے معنی میں اخذ کیا جائے گا تو واقعہ کی صحیح تذکیر و تنبیہ ہی مفقود ہو جائے گی کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی اپنے والد کے ایمان و اعتقاد یا عمل و ارتکاب، عبادت و ریاضت، تبلیغ، رشد و ہدایت یا اور کسی معاملہ کے متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے والد ماجد میں کوئی اعتقاد فاسدہ یا اعمالِ قبیحہ دیکھے تھے کہ جس کی وجہ سے یہ کہہ رہے تھے کہ ”إِنْ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“ بلکہ ان کی گفتگو حضرت یوسف اور حضرت بنیامین سے والد ماجد کا زیادہ محبت کرنا اس سلسلہ میں ہو رہی تھی اور والد صاحب کی ان دونوں کی طرف محبت کا رجحان اور شفقت کی کثرت کو موضوعِ سخن بنا کر اسی موضوع کے ضمن میں ہی انہوں نے اپنے والد کو ”ضَالٌ“ کہا تھا اور انہوں نے اپنے والد کو جس بنا پر ”ضَالٌ“ کہا تھا وہ صرف اور صرف ”محبت میں ڈوبنا“ کے معنی ہی میں کہا تھا۔ گمراہیت کے معنی میں ہرگز نہیں کہا تھا۔ یہاں لفظ ”ضَالٌ“ کا ترجمہ گمراہی کرنا

مراصر گمراہی اور ضلالت ہے۔ اسی طرح سورہ النجمی میں وارد لفظ ”ضَال“ کا مطلب بھی گمراہی نہیں بلکہ ”محبت میں ڈوبا ہوا“ ہے۔ ”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ آیت میں وارد لفظ ”ضَال“ کا ترجمہ کرنے میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور تعظیم و توقیر غور رکھنا اشد ضروری ہے اور یہاں ”ضَال“ کا ترجمہ گمراہی کرنے سے بارگاہ رسالت کی سخت توہین و بے ادبی ہے۔ یہاں لفظ ”ضَال“ کی مناسب تاویل کرتے ہوئے ”محبت میں ڈوبا ہوا“ کے معنی اور مراد میں ترجمہ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حضور اللہ جان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”فَنَفَا فِي اللَّهِ“ کی اعلیٰ منزل پر متمکن تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں ”ضَال“ یعنی خورد رفتہ پایا تو ”فَهَدَىٰ“ یعنی اپنی طرف راہ دی یعنی معراج میں باعزت و تکریم بلا کر اپنے دیدار حضور و اور قرب سے بہرہ مند فرمایا۔

اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام عشق و محبت، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین و ملت و شیخ الاسلام و المسلمین، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت کا جو ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے وہ قابلِ مدح تحسین و آفرین ہے۔ ذیل میں ہم اس آیت کا کثیر الامکان سے ترجمہ اور تفسیر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“
⊙ = پارہ: ۳۰، سورہ النجمی، آیت: ۷ = ⊙
ترجمہ:- ”اور تمہیں اپنی محبت میں خورد رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی“ (کثیر الامکان)
تفسیر:- ”اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم ہما کلاں و بنا یُنکُھن عطا کیے۔ اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارد رفتہ پایا کہ اپنے نفس اور مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی

معرفت عطا فرمائی۔

مسئلہ:- ”انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ عارف ہوتے ہیں۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۰۹۷)

ہوسکتا ہے کہ کسی مخالف معترض کو یہ اعتراض ہو کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس آیت کے لفظ ”ضَالًّا“ کا ترجمہ ”اپنی محبت میں خورفتہ“ اور ”فہدیٰ“ کا ترجمہ ”تو اپنی طرف راہ دی“ کیسے اور کس حوالہ سے کر دیا؟ اس سوال کا مدلل اور مفصل جواب حاصل کر کے اپنا ایمان تازہ کرنے کے لیے اب جو عنوان ارتقا مہونے والا ہے اسے یہ نظر عمیق مطالعہ فرمائیں۔

”جلیل القدر صحابی رسول حضرت ابو عبیدہ نے
آیت شریف ”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ کا کیا
ترجمہ، تفسیر اور وضاحت بیان فرمائی ہے؟“

امین الامت، حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے حلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”لِكُلِّ اُمَّةٍ اَیْمٰنٌ وَ اَیْمٰنُ هَذِهِ الْاُمَّةِ اَنْبُو غُنْبِیْنَدَ“ یعنی ”ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ ہیں۔“ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ۱۹ سال کی عمر میں دعوت حق کو قبول کیا اور اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو عبیدہ کا شمار ان مقدس حضرات میں ہوتا ہے جن کو ”عشرہ مبشرہ“ کہا جاتا ہے یعنی وہ دس مقدس حضرات جن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت

۱۔ سہی جی اور ان کے بھتی ہوئے پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔

تاثرین کرام کی معلومات کے لیے ذیل میں حضرات عشرہ مشرکہ کے نام پیش خدمت ہیں:

(۱) امیر المؤمنین (عید اللہ) ابو بکر بن عثمان (عنان) ابو قحافہ بن عاص بن عمر یعنی

حضرت صدیق اکبر

(۲) امیر المؤمنین عمر بن خطاب بن نفیل یعنی حضرت عمر فاروق اعظم

(۳) امیر المؤمنین عثمان بن عفان بن العاص بن ابی اسید بن عبد اللہ یعنی

حضرت عثمان غنی

(۴) امیر المؤمنین علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف یعنی

حضرت سہلی علی مشکل کشا

(۵) حضرت ابوعبیدہ عاص بن جراح۔ لقب :- امین الامت

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص۔ لقب :- رجل صالح

(۷) حضرت عبدالرحمن بن عوف جن کو حضور اقدس کی نماز میں امامت کرنے

کا شرف حاصل ہے۔

(۸) حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔ لقب :- طلحہ الخیر۔ ایمان لانے والوں میں

آنحویں شخص ہیں۔

(۹) حضرت زبیر بن العوام۔ لقب :- حواری رسول۔ حضور اقدس کی پھوپھی

حضرت سفیدہ کے صاحبزادے

(۱۰) حضرت سعید بن زید۔ لقب :- سعید القفرت۔ حضرت عمر فاروق کے

بھائی اور چچا زاد بھائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) عین وارضاہم ہوتا)

عشرہ مشرکہ کی سند جب بالا فہرست میں حضرت ابوعبیدہ کا اسم گرامی پانچواں ہے۔ آپ کا

نام "عاص بن جراح" ہے لیکن آپ کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اقدس

کی وجہ سے آپ اپنے نام کے بجائے "امین الامت ابوعبیدہ" کے نام سے ہی مشہور ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ کی حد درجہ تعظیم و توقیر کرتے ہوئے تمام صحابہ کرام آپ کی

جلاست علم اور تھقی فی الدین کے متفقہ طور پر قائل تھے۔

اسلامی لشکر کو ملک شام (Syria) فتح کرنے کے لیے امیر المؤمنین، اصدق الصادقین، امام المستعین، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب روانہ فرمایا تو اس لشکر کے ”پہ سالار اعظم“ (Commander in chief) کی حیثیت سے امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعین فرمایا تھا۔ اسلامی لشکر نے ملک شام میں عظیم فتوحات حاصل کیں اور ملک شام کے اہم مقامات ۞ اردک ۞ خند ۞ حوران ۞ بصری ۞ بیت لہیا ۞ اجنادین ۞ دمشق ۞ حصن ابی القدس ۞ جوسہ ۞ حمص ۞ شیرز ۞ رستن ۞ حمات ۞ قسریں ۞ بعلبک ۞ یرموک اور ۞ بیت المقدس (Jerusalem) فتح کر لیے۔ ان تمام مقامات کی فتوحات میں ”جنگ یرموک“ کی فتح اسلامی تاریخ میں منبری حروف سے مرقوم ہے کیونکہ جنگ یرموک میں عیسائیوں کے لشکر کی تعداد گیارہ لاکھ سے بھی زیادہ تھی جب کہ اسلامی لشکر کی تعداد صرف پچاس ہزار کے قریب تھی لیکن اسلامی لشکر کے جاں باز اور کفرن بردوش مجاہدوں نے رومی لشکر کو دن میں تارے دکھادیے۔ اسلامی لشکر سے کل پانچ ہزار پانچ سو (۵۵۰۰) مجاہدین شہید ہوئے اور رومی لشکر کے تقریباً پانچ لاکھ سے بھی زائد سپاہی قتل ہوئے تھے۔

جنگ یرموک کی فتح عظیم سے پورے ملک شام پر اسلامی لشکر کا رعب اور دبدبہ چھا گیا اور ملک شام کے ہر شہر اور ہر قلعہ کا حاکم یقین کے درجہ میں جاننے لگا کہ اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنا باز سچے اطفال نہیں۔ لیکن ملک شام کے شہر ”حلب“ کے حاکم نے اسلامی لشکر کا بڑی دلیری و شجاعت سے مقابلہ کر کے اسلامی لشکر کو مشقت میں ڈال دیا۔ جنگ یرموک کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے ”حلب“ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔

⑦ قلعہ حلب کے حاکم کا تعارف اور اسلامی لشکر سے مقابلہ کی

کی کیفیت :-

قلعہ حلب کے حاکم کا نام یوحنا تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی کا نام ”یوحنا“ تھا۔ حاکم یوحنا اپنے والد بطریق کے نقش قدم پر چل کر سیاسی اور جنگی امور میں مہارت تامہ کا حامل تھا۔ وہ بذات خود بھی ایک دلیر و شجاع اور جنگ جو شہسوار تھا۔ جب کہ اس کا چھوٹا بھائی یوحنا نہایت نرم طبیعت کا عبادت گزار شخص تھا۔ سیاسی اور جنگی امور سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ دو دین نصرانیت کا زبردست عالم اور راہب تھا۔ تمام وقت وہ کتیرہ میں حاضر رہ کر تورات، انجیل اور دیگر کتب مقدسہ کی تلاوت و مطالعہ اور عبادت میں بسر کرتا تھا۔ اور وہی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

جب اسلامی لشکر نے حلب کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو حاکم یوحنا نے اپنی فوج اور شہر کے تمام باشندوں کو ہتھیاروں سے لیس کر کے اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لیے اکسایا لیکن راہب یوحنا نے اپنے بھائی حاکم یوحنا کو عربوں سے جنگ نہ کرنے کا اور ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کرنے کا مشورہ دیا۔ اس وجہ سے دونوں میں شدید اختلاف پیدا ہوا۔ راہب یوحنا نے اسلام کی صداقت اور حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کھلم کھلا شہادت پڑھا لہذا حاکم یوحنا خشم ناک ہوا اور اس نے اپنے حقیقی بھائی حضرت یوحنا علیہ الرحمہ کو شہید کر دیا۔ یہاں اتنی گھمبائش نہیں کہ جنگ حلب کا واقعہ با تفصیل بیان کریں۔ ملک شام کی تمام جنگوں کے تفصیلی احوال کے لیے فقیر رقم الخرواق کی کتاب ”مصر کائناتے ہیں تیرے نام پر مردان عرب“ کا مطالعہ فرمائیں۔

حاکم یوحنا نے اپنے بھائی یوحنا کو شہید کرنے کے بعد اسلامی لشکر کا ایسا سخت مقابلہ کیا کہ پورے ملک شام (Syria) میں کسی نے اسلامی لشکر سے ایسی ٹکرائی نہ تھی مثلاً :-

⑧ کل ایک سو سو ستھ (۱۶۷) دن تک یوحنا نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا اور سخت جوانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شدید حملے کیے۔

⑨ رات کے وقت سوئے ہوئے اسلامی لشکر پر چھاپہ مار کر مجاہدوں کو شہید و قید کرنا اور ان کا اسباب لوٹنا وغیرہ قسم کی ترکیبیں کرتا تھا۔

- ① رات کے وقت اسلامی لشکر کے کیمپ سے پچاس (۵۰) مجاہدوں کو قید کر کے لے گیا اور دوسرے دن قلعہ کی دیوار پر ان مجاہد قیدیوں کو چڑھایا اور اسلامی لشکر کے سامنے ان کو شہید کر دیا۔
- ② اسلامی لشکر کے لیے غلہ لینے گئے ہوئے قافلہ پر حملہ کر کے قافلہ کے سردار حضرت مناد بن ضحاک کو مع تیس (۳۰) مجاہدوں کے شہید کر کے تمام غلہ لوٹ لیا۔

- ③ جنگ کے دوران حاکم یوتقانے قلعہ کی دیوار سے سخت حملہ کر کے سیکڑوں کی تعداد میں اسلامی لشکر کے مجاہدوں کو شہید کر دیا۔

الغرض حاکم یوتقانے اسلامی لشکر کو سخت مشقت میں ڈال رکھا تھا۔ لیکن بالآخر اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ہم ہمارے عنوان **وَوَجَّعَكَ ضَآلًا فَهْدَىٰ** آیت کے ترجمہ کے تعلق سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے ترجمہ و تفسیر کے سلسلہ میں مضمون کے اہم موڈ کی طرف بہت ہی قریب آچکے ہیں لہذا اب تمام توجہات ملتفت فرما کر مطالعہ فرمائیں۔

حاکم یوتقا بیواؤں کی روٹی تھا۔ اسے صرف روٹی زبان ہی آتی تھی۔ عربی زبان سے دو بالکل نا آشنا تھا۔ جنگ کے دوران حضرت ابو عبیدہ سے جنگ کے امور کے متعلق جب بھی گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تب مترجم (Translator) کے توسط سے ہی گفتگو کی جاتی تھی۔ لیکن جب اسلامی لشکر طلب قلعہ میں داخل ہوا اور حلب کے باشندوں نے امان مانگی تو اسلامی لشکر کے سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے ان کو امان دے دی، جب حاکم یوتقا حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ بجائے روٹی زبان کے فصیح و بلیغ عربی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت تعجب ہوا اور آپ نے حاکم یوتقا سے دریافت فرمایا کہ میری معلومات کے مطابق تم عربی زبان نہیں جانتے ہو لیکن اچانک اس طرح عربی زبان میں گفتگو کرنا کہاں سے حاصل ہوا؟

⑤ حاکم یوقتا کو حضور اقدس نے خواب میں ہی عربی زبان کا علم عطا فرمادیا:

امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال کے جواب میں حاکم یوقتا نے جو جواب دیا، اس جواب کو ہم امام ارباب سیر و تاریخ، ثقہ راوی، شیخ الاہل، امام اجماع، عدل، علامہ محمد بن عمر واقدی المعروف بہ ”علامہ واقدی“ کے الفاظ میں دیکھیں:-

”پس کہا یوقتا نے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ وَشَوَّلُ اللَّهِ آیا تجب کرتے: تو تم اے سردار اس حال سے۔ ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا ہاں۔ یوقتا نے کہا کہ میں شب گزشتہ کو فکر اور اندیشہ کرتا تھا تمہارے کام میں کہ کیونکر مدد اور غلبہ لے سکے تم لوگ ہم پر حالانکہ کوئی گروہ تم سے زیادہ ضعیف ہمارے نزدیک نہ تھا۔ پس جب دل میں ڈالا میں نے تمہارے معاملہ کو تو سو گیا میں۔ پس دیکھا میں نے ایک شخص کو روشن تر چاند سے۔ پس پوچھا میں نے کیفیت اُن کی۔ پس کہا گیا مجھ سے کہ یہ مُحَمَّدٌ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پس گویا میں سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ نبی صادق ہیں تو درخواست کریں اپنے پروردگار سے آگاہ اور تعلیم کر دیوے مجھ کو پروردگار ساتھ زبان عربی کے۔ پس گویا اشارہ فرماتے ہیں میری طرف اور درخواست کی اپنے پروردگار سے اس امر کی۔ پس بیدار ہو گیا میں اس حال میں کہ زبان عربی میں کلام کرتا تھا۔“

(حوالہ:- فتوح الشام، از:- علامہ واقدی علیہ الرحمہ)

مطبوعہ:- نوکلشور لکھنؤ، اردو ترجمہ، ص: ۳۲۸)

ہم نے علامہ واقدی علیہ الرحمہ و الرضوان کی کتاب ”فتوح الشام“ کے اردو ترجمہ سے حرف بحرف حوالہ نقل کیا ہے۔ ایک سو (۱۰۰) سال پہلے کی اردو زبان کا طرز تحریر موجودہ جدید اردو سے متفرق ہے۔

⑥ پھر کیا ہوا؟ حاکم یوقتا نے کیا کیا؟

marfat.com

حاکم یوحنا نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد میں اپنے مرحوم بھائی یوحنا کے گھر گیا اور یوحنا کی کتابوں کا خزانہ کھول کر آسمانی کتابوں، صحیفوں اور مطامع کو پڑھا۔ تو ان میں میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف جیلہ پائے اور ان کے وہ حالات مرقوم پائے جو رونما ہونے والے تھے۔ ان حالات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے زیادہ تر دشمن یہودی ہوں گے۔ کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ حضرت ابو عبیدہؓ فرمایا: ہاں! واقعی قوم یہود کے لوگ ان کی عداوت میں غلو اور انتہا تک پہنچے تھے اور ان کی جان کے دشمن بن گئے تھے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو دشمنوں پر فتح اور غلبہ عطا فرمایا۔

حاکم یوحنا نے مزید کہا: کہ میں نے ان کی ایک صفت یہ پائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے شیعوں کو وصیت فرمائے گا کہ قیدیوں اور مسکینوں کی مدد و اعانت کرو۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا: کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں اس امر کا حکم فرمایا ہے:-

”وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ لَعِنَ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“

(پارہ: ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت: ۲۱۵)

ترجمہ:- ”اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ! اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے۔“ (کنز الایمان)

☆ پھر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہی ارشاد فرمایا کہ:-

”الَّذِينَ يَسِجِدُكَ تَبَتُّمًا قَانُوتٍ ۖ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۖ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۖ فَأَنَا الْبَيْتُ فَلَا تَفْهَرُ ۖ وَأَنَا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرُ ۖ“

(پارہ: ۳۰، سورۃ الضحیٰ، آیت: ۱۰-۲۶)

ترجمہ:- ”کیا اس نے تمہیں تبتیم نہ پایا پھر جگہ دی ۖ اور تمہیں اپنی محبت میں خور و روزہ پایا تو اپنی طرف راہ دی ۖ اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی

کر دیا ۝ تو جیم پر دانت ڈالو ۝ اور سنگنا کوٹ چھڑکو ۝ (کنز الایمان)

امین الامت، حضرت ابوبعیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مذکورہ آیات تلاوت فرمائیں تو ان آیات میں سے ایک آیت ”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ سماعت کر کے حاکم یوقا کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ اس آیت میں لفظ ”ضال“ کی وجہ سے انہیں اشتباہ ہوا اور لفظ ”ضال“ کے ظاہری لفظی معنی ”گمراہ“ نے ان کو شک و شبہ میں ڈال دیا اور وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ آیت میں وارڈ لفظ ”ضال“ کو اس کے ظاہری لفظی معنی پر محمول کرنے سے یہ آیت ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی لہذا انہوں نے اپنی حیرت اور شش و پنج کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابوبعیدہ بن الجراح سے جو کہا وہ امام سیر و توارخ حضرت علامہ واقدی نے اپنی کتاب میں اس طرح روایت فرمایا ہے کہ:-

”یوقتا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی نسبت مفت منالوت کی کیوں بیان کی ہے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں۔“

(حوالہ:- فتوح الشام، از:- علامہ واقدی، ص: ۳۸۸)

لغت میں لفظ ”ضال“ کا ترجمہ گمراہ ہوتا ہے حالانکہ لفظ ”ضال“ دیگر بہت سے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن اکثر اس کا استعمال گمراہ کے معنی میں ہوتا ہے لہذا حاکم طلب حضرت یوقا (عبداللہ) کے ذہن نے یہ بات قبول نہ کی۔ اس آیت کا ترجمہ ظاہری معنی سے دیکھیں:-

”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“

ظاہری لفظی ترجمہ:- ”پایا آپ کو ”ضال“ پس ہدایت دی“

اس آیت کا آیت متشابہات میں سے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس آیت میں وارڈ لفظ ”ضال“ سے حضرت یوقا جیسے نو مسلم کو بھی اشتباہ ہوا کہ نبی کریم ہرؤف و رحیم، سرور عالم، رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بھی ”ضال“ یعنی ”گمراہ“ نہیں ہو سکتے لہذا انہوں نے حضرت ابوبعیدہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی نسبت "ضال" سے کیوں کی ہے؟ حالانکہ حضور اقدس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے لہذا وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتے لیکن چونکہ اللہ کے مقدس کلام میں ہی ان کی نسبت صفت "ضال" سے کی گئی ہے لہذا اشتباہ پیدا ہوا ہے اور اس اشتباہ یعنی شک و شبہ کو دور کرنے اور آیت کی صحیح تفہیم حاصل کرنے کی غرض سے انہوں نے حضرت ابوعبیدہ سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ "ضال" کی نسبت کیوں فرمائی ہے؟

حضرت ابوعبیدہ نے حضرت یحیٰ کو جواب دیتے ہوئے اس آیت کا صحیح مفہوم اور جو تفسیر بیان فرمائی ہے وہ یقیناً ایمان افروز اور باطل سوز ہے، جس کو علامہ واقدی نے اس طرح روایت فرمایا ہے کہ:-

"پس کہا ابوعبیدہ بن الجراح نے معاذ اللہ یہ معنی اس کے نہیں ہیں بلکہ معنی یہ ہیں وَوَجَدَكَ ضَالًّا فِیْ تَنبِیْهِ مُخْبِتًا فَهَدٰیكَ اِلٰی مُشَاهَدَتِنَا وَاَيْضًا سَهَّلَ لَكَ الْوُضُوْلَ اِلٰی مَنَازِلِ الْمُنْكَاشِفَةِ وَوَقَّفَكَ لِلْمَوْقُوْبِ فِیْ مَقَامِ الْمُشَاهَدَةِ وَاَيْضًا وَوَجَدَكَ ضَالًّا فِیْ بِحَارِ الطَّلَبِ عَلٰی مَرَائِبِ الطَّلَبِ فَآوَاكَ اِلٰی سَوَاجِلِ الْحَقِّ وَقَرَّبَكَ اِلٰی ظِلِّ حَقَائِقِ الصِّدْقِ"

⑤ = حوالہ :- "فتوح الشام، از:- علامہ واقدی، اردو ترجمہ ص: ۳۲۸ = ⑤

ترجمہ:- "اور پایا ہم نے تم کو جھٹکنے والا اپنی محبت کے جنگل میں پس سیدھی راہ تلاوی ہم نے تم کو بجانب اپنے دیر اور مشغوری کے اور نیز آسان کر دیا ہم نے تمہارے واسطے پہنچنے کو بجانب مقامات کمال جانے چھپے ہوئے بھید دن کے اور با سامان کر دیا ہم نے تم کو واسطے ظہر نے حضور صحن اور پایا ہم نے تم کو چتر کے دریاؤں میں تلاش کی کشمیروں پر پس پناہ دی ہم نے تم کو اللہ جل جلالہ کی جانب لگا کر اور باطل و راست

کے اور نزدیک کرو یا ہم نے تم کو بجانب سایہ اور پناہ حق تعالیٰ راستی کے۔“
(ترجمہ ماخوذ از: حاشیہ فتوح الشام، از: علامہ وائدی، ص: ۳۲۸)

امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ”وَوَجَدَكَ هَآلًا فَهَدَىٰ“ کی مندرجہ بالا ایمان افروز تفسیر، امت کر کے حاکم غالب حضرت عبد اللہ بن قمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام شکوک کا ازالہ ہو گیا اور ان کو پورا اطمینان ہو گیا اور قلبی سکون و سرور حاصل ہوا۔ ان کا دل خوشی سے بھر گیا اور دل کی خوشی کے آثار چہرہ پر نمودار ہوئے اور ان کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا کیونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی جو تفسیر بیان کی تھی اس کا مضمون تو ریت شریف کے حاشیہ کے مضمون کے عین مطابق تھا۔ جس کو حاکم یوقانے اپنے مرحوم بھائی حضرت یوحنا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب میں پڑھا تھا۔ جس کا انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان الفاظ میں اعتراف کیا۔ (علامہ وائدی کی زبانی):

”بس جب سنا یوقانے یہ کلام ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چمکنے لگا چہرہ ان کا خوشی سے اور کہا کہ ایسا ہی پڑھا تھا میں نے شب گزشتہ کو اپنے بھائی یوحنا کی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ پاپا اُس نے اس مضمون کو تو ریت کے حاشیہ میں اور اب مضبوطی پکڑ لی تمہارے دین نے میرے دل میں اور جان لیا میں نے کہ یہی دین حق ہے۔“

(حوالہ: فتوح الشام، از: علامہ وائدی، اردو ترجمہ، ۳۲۹)

ناظرین کرام! ”وَوَجَدَكَ هَآلًا فَهَدَىٰ“ کی جو تفسیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے، اس تفسیر کو ہر ایک مرتبہ بغور مطالعہ فرمائیں بعد ازاں غشت و محبت امام احمد رضا محدث بریلوی میہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ وہ ترجمہ اس طرح ہے:-

”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔“ (کنز الایمان)

امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ ترجمہ گویا امین الامت، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ

منہ کی بیان فرمودہ تفسیر کی ترجمانی کر رہا ہے۔ امام احمد رضا کا یہ ترجمہ حضرت ابوبعیدہ کی تفسیر اور تورات شریف کے حاشیہ کے عین مطابق ہے۔ یہ وہ ترجمہ ہے کہ جس کے ہر لفظ سے محبت و عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکل رہی ہے۔ امام احمد رضا کے اس ترجمہ پر اعتراض کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے اس ترجمہ کی امین الامت حضرت ابوبعیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر تائید فرما رہی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے امین الامت حضرت ابوبعیدہ کے نقش قدم پر چل کر اور ان کے فیض سے مستفیض ہو کر ان کی بیان فرمودہ تفسیر کو ماخذ اور مشعل راہ بنا کر جو ترجمہ کیا ہے وہ سو فیصدی راست و درست اور خطا و غلطی سے محفوظ ہے۔ منافقین زمانہ نے شیاطین الانس کا طریقہ اپنا کر، بارگاہ رسالت میں گستاخی کرتے ہوئے اس آیت کا توہین آمیز ترجمہ کر کے گمراہ و بددین ہو کر راہ جہنم اختیار کی، جب کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے صحابہ کرام کے نقش قدم اختیار کر کے عظمت رسول کا اظہار کرتے ہوئے محبت آمیز ترجمہ کر کے راہ نجات و راہ خدا پائی ہے۔

بقول حضرت رضا بریلوی:-

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراٹھ لے کے چلے

تاریخ کے اوراق شاہد عادل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ولادت شریف سے لے کر ظاہری نبوت ملنے تک یعنی چالیس (۴۰) سال کی عمر شریف تک مکہ معظمہ میں ہی تشریف فرما رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ معاشرے میں کفر، شرک، چوری، زنا، بھوا، جاوہر، شراب نوشی، سود خوری، ذمکتی قتل و غارت گری، جھوٹ و کذب گوئی، بہتان تراشی، دھوکہ بازی، بددیانتی، مکر و فریب دہی، وغیرہ جیسے افعال قبیحہ و ذلیلہ عام تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام برائیوں سے پاک و منزہ رہے۔ ان میں کی کسی بھی کوئی برائی کا کوئی بھی فعل، کبھی بھی اور کسی طرح بھی آپ سے صادر نہیں ہوا بلکہ ان میں سے کسی بھی مکر وہ فعل کی گرد بھی آپ کے دامن عصمت تک نہ پہنچی۔ آپ پیدائش سے لے کر بعثت تک ہمیشہ رشد و ہدایت، توحید و خالص اسلام کا مبلغ تھے۔

سے متغیر اور بیزار می کا اظہار فرماتے رہے اور اپنے حلقہ کے لوگوں کو ان برے کاموں سے
 ابتناب اور پرہیز کرنے کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کوئی شخص
 "کلمات اور عزائم" نام کے مشہور بتوں کی قسم کیا کرے شکوہ کرتا تو آپ اس کی بات کا جواب نہیں
 دیتے تھے بلکہ اس شخص کو بت کی قسم کھانے سے منع فرماتے تھے اور اللہ وحدہ لا شریک کی قسم
 کھانے کا حکم اور نصیحت فرماتے تھے۔ آپ پیدائشی ہدایت یافتہ اور راہِ راست پر گامزن تھے۔
 آپ نہ کبھی گمراہ تھے، نہ راہ اور شریعت سے بے خبر تھے اور نہ ہی کبھی شکستے ہوئے تھے۔ لیکن جن
 کے دلوں میں کبھی یعنی میز حایین اور بغض و عداوت رسول کا ترچھا پن ہے۔ وہ قرآن مجید کی
 آیات و تشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور آیت کے ظاہری لفظی معنی سے غلط استدلال کر کے
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بھٹکتا، راہ اور شریعت سے بے خبر کہتے اور ٹکستے ہیں۔

◎ "ضال" کا ترجمہ وارفتہ ہونے کی ایک مزید قرآنی شہادت :-

یہاں تک کا مطالعہ کرنے پر قارئین کرام کو یقین کے درجہ میں معلوم ہو چکا ہو گا کہ
 سورۃ البغیٰ کی آیت شریف "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" میں "ارو لفظ "ضال" کے معنی اور
 مراد برگز گمراہ کے نہیں بلکہ محبت میں خود رفته کے معنی میں ہے۔ حالانکہ اس ترجمہ کی
 تائید و توثیق میں قرآن و حدیث کے کثیر دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن طول تحریر کے
 خوف سے صرف ایک مزید قرآنی شہادت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

◎ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے والد بے حد چاہتے تھے اس حسد
 کی بنا پر حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان کو ہلاک کر دینے کی غرض سے کوئٹھ میں
 ڈال دیا۔ پھر ایک قافلہ نے آپ کو کوئٹھ سے نکالا۔ آپ کو مصر کے بازار میں فروخت
 کیا، مصر کے بادشاہ مریان بن ولید بن مزدان علیہ السلام نے آپ کے وزن کے برابر سونا،
 اتنی ہی چاندی، اتنی ہی مشک اور اتنی ہی حریر (ریشمی کپڑا) قیمت چکا کر آپ کو خرید لیا۔
 پھر آپ کے دامن عصمت پر جوئے افرام کے داغ لگانے کی کوشش کی مگر جس کے
 نتیجے میں www.marfat.com (۱۳) سال کے

بعد مصر کے بادشاہ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا جس کی تعبیر بتانے سے ملک کے تمام علماء و حکماء عاجز رہے۔ جب اس کی تعبیر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی تو مصر کا بادشاہ آپ کا معتقد ہو گیا۔ آپ پر عائد کردہ جھوٹے الزامات سے آپ کی برأت ظاہر کی گئی۔ اور بادشاہ نے آپ کو اپنے اقدرب و صاحب میں عزت کا مقام دیا۔ رفتہ رفتہ آپ مصر کے بادشاہ ہو گئے اور اپنے بھائیوں سے آپ کا میل ملاپ بھی ہو گیا۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال دریافت فرمایا تو آپ کے بھائیوں نے کہا کہ آپ کی جدائی اور فراق کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی ہے۔ تب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کرتہ اپنے بھائیوں کو عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ کرتہ والد محترم کے چہرہ پر ڈال دینا، ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔

الحق! حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرتہ لے کر ان کے بھائی مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ ابھی سفر ہی میں تھے بلکہ کئی میل کی دوری پر تھے اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے ہی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرتے کی خوشبو محسوس کر لی اور آپ نے اپنے پوتوں اور پاس والوں سے فرمایا کہ:-

إِنِّي لَآجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تَفْقِدُونِ

(پارہ: ۱۳، سورہ یوسف، آیت: ۹۳)

ترجمہ:- ”بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں، اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سنو (بہک)

گیا ہے“ (کنز الایمان)

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بات سن کر ان کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بہت تعجب ہوا کیونکہ یہ لوگ تو اس گمان میں تھے کہ اب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں ہیں؟ ان کا تو انتقال ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے لیکن پھر بھی حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ اس وقت میں حضرت یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے ان کی حیات میں جو محبت اور وارفتگی تھی، وہ ابھی تک

برقرار ہے بلکہ ایسا ہی ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنی پرانی محبت اور وارفتگی سے متاثر ہو کر ایسا کر رہے ہیں۔ ان کو اپنی پرانی محبت اور وارفتگی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ لہذا انہوں نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ کیا کیا؟ ان کا مقولہ قرآن مجید میں اس طرح منقول ہے کہ:-

”قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍا۟۟۟“

⑤ = پارہ ۱۳، سورہ یوسف، آیت: ۹۵ = ⑤

ترجمہ:- ”بیٹے بولے، خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔“
(کنز الایمان)

اس آیت میں بھی لفظ ”ضلال“ وارد ہے لیکن یہاں یہ لفظ گمراہیت کے معنی میں نہیں ہے۔ ہم نے اس آیت شریف کے قبل بہت ہی اختصار کے ساتھ حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ اس لیے ذکر کیا ہے کہ ناظرین کرام پورے واقعہ سے اچھی طرح باخبر ہو جائیں کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ کس معاملہ میں گفتگو ہو رہی ہے؟ موضوع خن کیا ہے؟ اور کس امر کے ضمن میں یہ جملہ کہا گیا ہے؟ تاکہ آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے آگاہی ہو سکے اور آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ سکے۔ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دینی محبت، قلبی لگاؤ اور محبت کی وارفتگی کی وجہ سے ہی ”جسم پر“ کی خوشبو محسوس کی تھی اور فرمایا تھا کہ ”میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔“ اور ان کے اس محبت بھرے جملے اور جذبہ وارفتگی کو جب بنا کر حضرت یعقوب کے بیٹوں اور پوتوں نے کہا تھا کہ ”اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍا۟۟۟“ یعنی ”آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔“ یہاں ”ضلال“ کا ترجمہ گمراہی کرنا ہرگز صحیح نہیں کیونکہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے فرزندوں نے کسی اعتقاد فاسد یا ارشاد کتاب و تہذیب کی وجہ سے ”ضال“ نہیں کہہ تھا بلکہ ایک شفیق و محبت باپ کی اپنے خلیفہ فکر کے ساتھ بے انتہا محبت کی وجہ سے کہا تھا۔ لہذا یہاں ”ضال“ بمعنی ”وارفتہ“ اور ”ضلال“ بمعنی ”وارفتگی“ ہی مستعمل ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح سورۃ النعمٰنی کی آیت کریمہ

”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ میں وارد لفظ ”ضال“ بھی برزبرگز ”گمراہ“ یا ”بھٹکتا“ یا ”راہ سے بہ خیر“ کے معنی میں نہیں بلکہ ”اپنی محبت میں خود رفتہ“ کے ہی معنی میں لازماً ماننا چاہئے گا۔

”سورۃ الفتح اور سورۃ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں وارد لفظ ”ذنب“ بمعنی گناہ نہیں“

ادراق سابقہ میں آیات تشابہات کے عنوان کے ضمن میں ہم نے قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷۷ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ اس آیت میں اللہ جل جلالہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:-

”قَاتِلُوا الَّذِينَ فِي أَيْدِيكُمْ فَتُغْنِيَكُمْ عَنْهَا وَتُقَدِّسُوا لَهَا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ“

ترجمہ:- ”وہ جن کے دلوں میں کئی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی چاہئے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو“

دو در حاضر کے منافقین اس آیت کریمہ کے موافقہ ہی مضہ اقہوں ایسا محسوس ہوتا ہے کیونکہ ان کا ہمیشہ یہی دعوہ اور شیوہ رہا ہے کہ آیات تشابہات کے پیچھے پڑنا یعنی آیات تشابہات کو بطور سند اور دلیل پیش کر کے گمراہی پھیلانے کا پہلو ڈھونڈھنا اور لوگوں کو گمراہ کرنا۔ قرآن مجید کی تشابہات آیتیں انہیں مرغوب خاطر ہیں۔ گویا کہ وہ اس حقیقت کا بند لفظوں میں اعتراف و اظہار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷۷ میں ”وَجَدَكَ ضَالًّا“ میں کئی ہے کا جزو ذکر ہے، وہ اور کوئی نہیں بلکہ ہم ہیں۔ کیونکہ وہ ہر جگہ آیات تشابہات و دلیل بن کر انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی شان و وقار گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ النجم کی آیت ”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ جس کی تفصیلی وضاحت ابھی ابھی ہم نے پیش خدمت کی

بر اندام ہو جاتا ہے۔

ارادہ تو یہ تھا کہ آیت شریف ”وَوَجَدَكَ خَسَافًا فَهَذَىٰ“ کی طرح ان دونوں آیات کی تفصیل وضاحت قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر ارقام کریں لیکن سورۃ الطہ کی آیت کی قدر سے طویل وضاحت ہو جانے کی وجہ سے نیز ہمارے اس مقالہ کا جو عنوان یعنی ”بشر“ اس کے ضمن میں سورۃ الکہف اور سورۃ حم مجیدہ کی آیت ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے تعلق سے ابھی کچھ لکھتا باقی ہے۔ لہذا مندرجہ بالا دونوں آیتوں کے تعلق سے بہت ہی اختصاراً وضاحت پیش خدمت ہے۔ ہم اپنی اس کوتاہی پر محترم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایسا جامع اور مانع کلام ہے کہ ہر کس و ناکس میں اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی آیتوں کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے وسیع پیمانے پر علم و حکمت و درکار ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے افضل، ممتاز، فصیح، بلیغ، اور کثیر المعنی الفاظ و اہم کی حامل ہے۔ عربی زبان کی بے مثال وسعت کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا کہ اس میں ایک چیز کے بہت سے نام اور بہت سی لغات پائی جاتی ہیں۔ ایک ہی مفہوم کو سینکڑوں عنوانات اور الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک ہی لفظ کے متعدد معنی اور مطلب ہوتے ہیں اور کون سا لفظ کس معنی و مراد میں استعمال ہوا ہے اسی پر جملہ کی صحیح تفہیم کا دار و مدار ہے۔ مثلاً:-

◎ جملہ کی بندش و ترکیب باعتبار اصطلاح نحو اور الفاظ کا ربط اور ان کا باہمی تعلق کیا ہے؟

◎ جملہ کے الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ اور ان دونوں معنوں میں کیا فرق ہے؟

◎ جملہ کا کچھنے اور اگلے جملہ کے ساتھ کیا ربط ہے؟

◎ جملہ کے کلموں کی نوعیت اور وجہ تکرار کیا ہے؟

◎ جملہ استغناء میں ہے؟ خبریہ ہے؟ شرطیہ ہے؟ معنی ہے؟ فعلیہ ہے؟

معترضہ ہے؟ معطوفہ ہے؟ معطلہ ہے؟ مستندہ ہے یا انتہیہ؟

جملہ کا بطور محاورہ، مثل یا مثال استعمال ہوا ہے یا نہیں؟

جملہ میں وارد تمام الفاظ میں سے وہ اہم لفظ کہ جس لفظ کی صحیح تفہیم اور مراد پر پورے جملے کے مفہوم کا انحصار ہے، وہ لفظ حقیقتاً استعمال ہوا ہے یا محاورہ؟

جملہ میں کسی فرد یا شئی کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ بطور تشبیہ ہے؟ یا استعارہ ہے؟ اور اگر بطور استعارہ ہے تو استعارہ بالقرینہ ہے یا استعارہ بالکنایہ ہے؟

جملہ کے تہکم کی وجہ تشبیہ کرتا ہے؟ بشارت دیتا ہے؟ وعید سناتا ہے؟ یا یہ جملہ بطور زجریا توخیع ہے؟ یا ظہار حقیقت کے لیے ہے؟ یا تسبیح ہے؟

جملہ بطور طنز کہا گیا ہے؟ امرونی کی بنا پر کہا گیا ہے؟ یا تائید و تہلیل کہا گیا ہے؟

اگر جملہ امرونی کی بنا پر کہا گیا ہے تو اس کا حکم مخصوص ہے یا عام؟

تہکم کالب و لہجہ کیا ہے؟ تاکہ اس کی مراد کا اندازہ لگایا جاسکے کہ کیا کہنا چاہتا ہے؟

تہکم اور مخاطب کے درمیان کیا رشتہ یا تعلق ہے؟

تہکم کی طبعی، ادبی، خاندانی، شرتی، سیاسی، مذہبی، اقتصادی، تسلطی،

اخلاقی حیثیت اور اس کا ہر پہلو سے کیا رویہ ہے؟

مخاطب کی بھی مذکورہ کیا حیثیت اور رویہ ہے؟

جملہ سے مخاطب کو رشاد و ہدایت، چند نصیحت، مشورہ یا وصیت مراد ہے؟ یا اور کچھ؟

جملہ سے مخاطب کی تخریم مراد ہے یا تہلیل؟

اگر تخریم مراد ہے تو صرف اظہارِ اہمیت مراد ہے یا ارتقاء و درجات؟

اگر تہلیل مراد ہے تو تہلیل خفیف یا راوہ اصطلاح مراد ہے یا تہلیل شدید

برائے انتفاع، تعلق و رذیل، خواہ کر کے مردود یا بارگاہ کرنا مراد ہے؟

مندرجہ بالا چند اصول و ضوابط انسانوں کے درمیان آپس میں بولی جانے والی لغت کو مد نظر رکھ کر متعین کیے گئے ہیں۔ جو اہل عرب میں عربی زبان کے ادب کے تحت رائج ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام قرآن مجید کی آیات کے کلمے اور الفاظ کو اس کے صحیح معنی،

مطلب اور مراد میں سمجھنے کی نوبت پیش آئے گی جب چند قیود اور ضوابط کا افسانہ ہو جائے گا۔ مثلاً قرآن کی آیت نکلے، کتابہ، مقدّمہ، مؤخرہ، علانہ، خافئہ، جملہ، صریحہ، مضمونہ، ماضی، مضبوط، غلطیہ، منطوق، مبہر، مفہوم، وغیرہ کا فرق کرنا۔ علاوہ ان میں ایجاز، الطاب، جعفر، مہند، خبر، کنایہ، تعریف، حقیقت، مجاز، انشاء، اختصار سے بھی آگہی رکھنا اشد ضروری ہے، ورنہ قرآن کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکے گا اور غلط ہوگا۔

مندرجہ بالا اصول جو ہم نے جملہ کے تعلق سے ارقام کیے ہیں، ان میں غوی اصطلاح کے الفاظ جو قارئین کو تکمیل الفہم محسوس ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب کی سمجھ میں نہ آئیں، لہذا ذیل میں ”محل لغت“ کے کالم میں ان دقیق و مشکل الفاظ کے معنی پیش خدمت کرتے ہیں

”حل لغت“

نمبر	دقيق الفاظ	معنى اور وضاحت
۱	إِصْطِلَاحٌ	کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ کوئی خاص مفہوم مقرر کر لینا، مرادى معنی = Term =
۲	إِسْتِعَارَةٌ	علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم جس میں کسی لفظ کے مجازی اور حقیقت معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حروف تشبیہ کے حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ = Trope, Metaphor =
۳	إِسْتِعَارَةٌ بِالتَّضْوِيعِ	اگر مشبہ پہ معنی جس کے لیے تشبیہ دی گئی ہے اس کا ذکر کریں اور مشبہ یعنی جس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے اس کو چھوڑ دیں یا مضاف یعنی منسوب کا ذکر کریں اور مضاف الیہ یعنی جس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا ذکر ترک کرنا۔
۴	إِسْتِعَارَةٌ بِالْكِنَايَةِ	مشبہ پہ کو چھوڑ کر صرف مشبہ کا ذکر کرنا۔
۵	إِطْنَابٌ	بات کو طول دینا۔ = Lengthen One's Discourses =
۶	أَمْرٌ وَنَهْيٌ	حکم کرنا اور ممانعت کرنا = Order and Prohibition =
۷	إِنْقِطَاعُ تَغْلُقٍ	تعلق ختم کرنا، رشتہ کا ناپہنچ توڑنا۔ = Cut off Relationship =
۸	إِنْجَازٌ	بات کو مختصر کرنا، کم لفظوں میں زیادہ مضمون بیان کرنا = Abridging =
۹	تَأْيِيبٌ	ادب سکھانا، علم زبان سکھانا۔ = Chastisement =

۱۰	تَوَكُّيْبٌ	علمِ نحو کی اصطلاح میں جملے کے ہر لفظ کے متعلق بتانا کہ وہ اسم، صفت، فعل وغیرہ ہے اور ان کا باہمی تعلق	= Composition =
۱۱	تَذْلِيلٌ	ذلیل در سوا کرنا، خواہ کرنا، بے عزت کرنا، ذلت	= Abusement =
۱۲	تَعْرِیضٌ	مجھڑنا، کنائے سے بات کرنا، اعتراض	= Opposition =
۱۳	تَكَلُّمٌ	بات کرنا، بولنا، کلام کرنا، گفتگو، بات چیت	= Conversation =
۱۴	تَكْرِیْمٌ	عزت کرنا، تعظیم کرنا، ادب کرنا،	= Honouring =
۱۵	تَشْبِیْہٌ	مشابہت دینا، قیاس، ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا	= Simile =
۱۶	تَلْمِیْحٌ	کلام میں کسی گزشتہ فقرہ کی طرف اشارہ کرنا	
۱۷	تَوْبِیْغٌ	طامت، جھڑکی، سرزنش، طنز	= Reproach, Speaking Harshly =
۱۸	جُمْلَہٗ اِسْتِفْہَامِیَہٗ	وہ جملہ جس میں سوال پایا جائے۔	= Interrogative Sentence =
۱۹	جُمْلَہٗ اِنْشَائِیَہٗ	علمِ نحو کی اصطلاح میں وہ جملہ جس میں کج جھوٹ کا احتمال نہ ہو۔	
۲۰	جُمْلَہٗ شَرْطِیَہٗ	وہ جملہ جو شرط اور جزا سے مل کر پورا ہو۔	
۲۱	جُمْلَہٗ صِفِّیَہٗ	وہ جملہ جس میں کسی کی صفت بیان کی گئی ہو۔	= Attributive sentence =

۲۲	جُمْلَه مُسْتَانِفَه	وہ مستقل جملہ جس کو سابقہ جملہ سے معنا تو ربط ہو مگر لفظاً کچھ بھی تعلق نہ ہو۔ =Obedient Sentence=
۲۳	جُمْلَه مُقْتَرَضَه	وہ آزادہ فقرہ یا بات جسے بنا دینے سے مطلب میں کوئی فرق نہ آئے یعنی ابھی ایک بات پوری نہ ہوئی تھی کہ دوسرا جملہ درمیان میں بول دیا جائے اور وہ جملہ ایسا ہو کہ نہ بولیں تو بھی کلام میں خلل نہ پڑے۔
۲۴	جُمْلَه مُعْطَوْفَه	وہ جملہ جو حرف عطف کے بعد واقع ہو =Conjoined Sentence=
۲۵	حَضَر	گھیرنا، احاطہ کرنا، منحصر کرنا =Siege=
۲۶	رَبْط	بندش، احاطہ کرنا، منحصر کرنا =Connection=
۲۷	رَّجْد	ڈانٹ ڈپٹ، دھمکی، تنبیہ، بھڑکی، روک، ملامت، =Threatening=
۲۸	مُتَكَلِّمٌ	کلام کرنے والا، بات کرنے والا = a speaker, Declaimer=
۲۹	مُخَاطَبٌ	جس سے خطاب کیا جائے، جس سے بات کی جائے۔ =Addressee=
۳۰	مُبْتَدَا	علم نحو کی اصطلاح جملہ اسمیہ کا پہلا جز، جس کے متعلق کوئی خبر دی جائے۔ =Subject=
۳۱	مُجَازَا	وہ جس کی حقیقت نہ ہو، کسی کلمہ کے غیر حقیقی معنی کو پہلی معنوں کے ساتھ نسبت کرنا، فرضی، فرض کیا ہوا، مرادنی =Hyperbolic=

۳۲	نَحْوُ	وہ علم جس سے کلمات کو جوڑنا توڑنا، اور ان کا یا بھی تعلق معلوم ہو۔ جملوں کا علم = Syntax =
۳۳	وَعِيدٌ	سزا دینے کی دھمکی، سزا دینے کا وعدہ = Threatening, Predicting =
۳۴	كُنَّيَاہ	ایسا درجہ اشارہ، مبہم بات = being Ambiguous in Speech =
۳۵	آيَةُ مُقَدِّمَةٍ	وہ آیت جو پہلے نازل ہوئی یا جو مضمون کے شروع میں آئے = Preface =
۳۶	آيَةُ مُؤَخَّرَةٍ	جو بعد میں نازل ہو یا جس کا ذکر بعد میں آئے = Posterior, Delayed =
۳۷	آيَةُ مُجْمَلَةٍ	وہ آیت جس کے معنی تفصیل سے محتاج ہوں۔
۳۸	آيَةُ مُبَيَّنَةٍ	جو صاف اور کھول کر بیان کی گئی ہو۔ مطلب ظاہر ہو۔ = Evident Verse, Unequivocal Verse =
۳۹	آيَةُ مَنسُوخَةٍ	جس کا حکم واپس لے لیا گیا ہو، رد کر دیا گیا ہو، روک دیا گیا ہو، تاخیر کر دیا گیا ہو، ترک کر دیا گیا ہو = Cancelled, Obliterated =
۴۰	آيَةُ نَاسِخَةٍ	وہ آیت جس کی وجہ سے کسی آیت یا آجھوں کا حکم رد کر دیا گیا ہو۔ منسوخ کرنے والی، رد کرنے والی = an amanuensis =
۴۱	آيَةُ مُطْلَقَةٍ	وہ آیت جو مقید نہ ہو جس کا حکم مطلق ہو = Liberated =

۴۲	آیۃ تَفْهُؤْمَہ	وہ آیت جو اچھی طرح سمجھ میں آئے۔ جس کا معنی، مطلب، ارادہ مراد، اور مفہوم آسانی سے معلوم ہو سکتے۔ =Understood=
۴۳	آیۃ مُبْہَمَہ	جس کا مطلب صاف نہ ہو، وضاحت نہ ہو رہی ہو۔ =Ambiguous, Equivocal=

⑦ عربی زبان کی لغت کے متعلق :-

دنیا کی کسی بھی زبان کی لغت (Dictionary) عربی زبان کی طرح بے مثال وسعت کی حامل نہیں۔ عربی لغت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور ایک معنی کے کئی الفاظ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے عربی زبان کی لغت اتنے وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے کہ عقلیں حیران ہیں۔ قارئین کرام کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک معنی میں اتنی کثیر تعداد میں الفاظ وارد ہیں کہ صرف ایک معنی کے متفرق الفاظ سے ہی ایک مستقل کتاب طبع کی جاسکتی ہے اور اس قسم کی سینکڑوں کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :-

⑧ امام اجل، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی اپنی کتاب

”مزمہ“ میں اور علامہ زبیدی ”مختصر کتاب الکلیل“ میں فرماتے ہیں :-

⑨ دو حرفی عربی لغت کی تعداد 750 (سات سو پچاس) ہے۔

⑩ تین حرفی عربی لغت کی تعداد 19,650 (انیس ہزار، چھ سو پچاس) ہے۔

⑪ چار حرفی عربی لغت کی تعداد 3,03,400 (تین لاکھ، تین ہزار، چار سو) ہے

⑫ پانچ حرفی عربی لغت کی تعداد 6,03,75,600 (چھ کروڑ، تین لاکھ، چھ سو

ہزار چھ سو) ہے۔

مندرجہ ذیل تعداد صرف دو تین، چار اور پانچ حرفی الفاظ کی ہے، پانچ حروف سے زیادہ

حروف والے الفاظ کی تعداد کا اس میں اضافہ کرنے سے یہ تعداد بہت ہی وسیع ہو جائے گی۔

○ تیر، کوار، نیزہ، شیر، اونٹ، بکری، سانپ، صبح و شام، آفت، مصیبت، وغیرہ الفاظ کہ جن کا ذکر کام و گفتگو میں بار بار آتا ہے، ان تمام کے لیے ایک ایک لفظ کے اتنے وسیع پیمانہ پر پہلے ہوئے لغت ہیں کہ آدمی حیران ہو جائے۔ ابن خالویہ کہ جن کا شمار عربی لغت کے ماہرین فن میں ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عربی لغت سے شیر (City) کے لیے پانچ سو نام جمع کیے ہیں، اور سانپ (Snake) کے دو سو (۲۰۰) نام تجویز کر کے جمع کیے ہیں۔ عربی لغت کے ایک اور ماہر فن حزرہ اصہبانی کا کہنا ہے کہ میں نے آفت اور مصیبت کے لیے موزوں ہوں ایسے کل چار سو (۴۰۰) نام لغت عرب سے جمع کیے ہیں۔ (حوالہ:- ”المعجم“ ص: ۱۳)

○ عربی لغت کے مشہور عالم اور رئیس ارباب فن لغت ”صاحب بن عباد“ کا واقعہ منقول ہے کہ ان کو کسی بادشاہ نے اپنے یہاں طلب کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میرے فن لغت کی کتابیں اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اگر میں یہاں سے منتقل ہو کر کہیں جاؤں تو مجھے ساٹھ (۶۰) اونٹ اپنی فن لغت کی کتابیں منتقل کرنے کے لیے چاہئیں۔ (حوالہ:- ”المعجم“ ص: ۱۳)

یہاں تک ہم نے صرف عربی لغت کے متعلق گفتگو کی لیکن دنیا کی ہر زبان میں ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ اردو زبان کی ہی مثال لیجیے۔ اردو زبان میں بھی اس خصوصیت کی جھلک نظر آتی ہے کہ اس کا ایک لفظ کئی معنوں کا حامل ہوتا ہے۔ مثلاً:-

○ رنگ = (۱) تین (۲) لون (۳) رنگت (۴) لڑاپ (۵) انداز (۶) طرز (۷) زوشن (۸) قسم (۹) نوع (۱۰) روغن (۱۱) بہار (۱۲) خوبصورتی (۱۳) بروق (۱۴) مانند (۱۵) نظیر (۱۶) دستور (۱۷) قاعدہ (۱۸) رسم (۱۹) طریقہ (۲۰) مزہ (۲۱) لطف (۲۲) خصل (۲۳) خوار (۲۴) نشہ (۲۵) طاقت (۲۶) قوت (۲۷) سلوک (۲۸) ہمت (۲۹) ہمسر (۳۰) جہز (۳۱) مکر (۳۲) فریب (۳۳) حیلہ (۳۴) فنی (۳۵) مذاق (۳۶) کھلی کود (۳۷) ہنج (۳۸) راگ (۳۹) گانا

(۴۰) کیفیت (۴۱) حالت (۴۲) حال (۴۳) خوشی (۴۴) خوشحالی
 (۴۵) سرت (۴۶) تماشا (۴۷) ناں (۴۸) گھنچے کی آنکھوں بازیوں کے نام
 (۴۹) تاش کی چاروں بازیوں کے نام (۵۰) خون (۵۱) لبو (۵۲) ترب
 Troop یعنی سامنے یا اسی سواروں کی جماعت (۵۳) نمپ Trump یعنی تاش
 میں الگ مقرر کر کے کھیلنا۔ (حوالہ: فیروز اللغات، ص: ۲۰)

جب اردو زبان میں ایک لفظ کے پچاس سے زائد معنی ہو سکتے ہیں تو عربی زبان تو یہ
 اعتبار لغت تمام زبانوں سے فصیح و بلیغ اور کثیر المعنی لغت کی حامل ہے۔ جیسا کہ اوپر کے فقرہ
 میں عرض کیا ہے کہ ”شہر“ کے لیے پانچ سو (۵۰۰) اور ”سانپ“ کے لیے دو سو (۲۰۰) اور ”
 آفت“ کے لیے چار سو (۴۰۰) نام لغت عرب میں وارد ہیں۔ ہم نے اردو زبان کے لفظ
 ”رنگ“ کے لغت سے پچاس سے بھی زائد معنی پیش کیے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم
 لفظ ”رنگ“ کو پچاس الگ الگ معنوں میں استعمال کر کے بطور مثال پچاس جملے لکھ دیتے۔

⑥ لغت کے تعلق سے کی گئی گفتگو کا ماحصل :-

دنیا کی ہر زبان کی لغت میں ایک لفظ کے متعدد معنی ہونے کی خصوصیت ہے۔ کسی لفظ
 کو ہر جگہ صرف ایک ہی معنی میں استعمال کرنے سے بڑی گز بڑی پیدا ہوگی۔ کسی لفظ کو ہر جگہ
 صرف ایک ہی معنی میں وہی استعمال کرے گا۔ جو علم و ادب سے نا آشنا اور قریب لغت سے
 نرا جاہل ہوگا۔ اہل عرب کی روزمرہ بولی جانے والی عربی زبان کی لغت کی وسعت سے جب ہم
 متحیر ہیں بلکہ ہماری عقلیں بھی دنگ ہیں تو پھر قرآن مجید کی عربی زبان کی لغت کا کیا عالم ہوگا؟
 اب ہم ہمارے موضوع سخن کی طرف واپس پلٹتے ہیں۔

سورہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی آیت نمبر ۱۹، اور سورہ الفتح کی آیت ۴، میں
 جو لفظ ”ذَنْبٌ“ وارد ہے اس کا منافقین زمانہ ”مناہ“ اور ”خطا“ معنی اخذ کرتے ہیں اور آیت کا
 ترجمہ تو ہیں و بتقیض رسول پر مشتمل کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مفسرین عظام کی اصطلاح
 کے مطابق یہ دونوں آیتیں ”تکذبات“ سے ہیں جن کی مناسب تاویل کرنی ضروری اور

لازمی ہے۔ ان آیات سے الفاظ کے ظاہری لفظی معنوں کو برزخ و کمال نہیں بنا سکتے۔ دوسری بات یہ کہ لفظ ”ذَنْبٌ“ کے کئی دیگر معنی بھی ہیں۔

لغت عربی کی مشہور کتاب ”المعجم“ کے ص: ۲۵۶ پر لفظ ”ذَنْبٌ“ کے معنی ”ذم“ کے وارد ہیں۔ علاوہ ازیں ”ذَنْبٌ“ مصدر سے مشتق لفظ ”الذَّنْبَابَةُ“ کے معنی ”قرابت“ کے کہے ہوئے ہیں۔ عام عربی بول چال میں لفظ ”ذَنْبٌ“ کا استعمال گناہ اور خطا کے علاوہ ذم، قرابت، وغیرہ معنی میں ہوتا ہے۔ مثلاً:-

(۱) ذَنْبُ الْكَلْبِ = کتے کی ذم

(۲) ذَنْبَابَةُ الزَّيْدِ = زید کے قرابت والے

”ذَنْبٌ“ کے دیگر معنوں میں ① اتباع کرنے والا یعنی تتبع ② پیروی کرنے والا Follower ③ ذریت یعنی اولاد اور نسل ④ بعد میں آنے والا وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔

”ذم“ کو ”ذنب“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جانور کی ذم اس کے جسم کی تابع ہوتی ہے۔ جہاں جسم جائے گا، اس کی پیروی کرتے ہوئے ذم بھی جائے گی۔ علاوہ ازیں ذم جسم کے بعد جائے گی۔ پہلے جسم جائے گا بعد میں ذم جائے گی۔ اسی طرح قرابت، ذریت، اولاد اور نسل کو ”ذنب“ کہتے کی یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کی اولاد اور نسل اس کے بعد ہوتی ہے۔ ہر شخص مقدم یعنی پہلے ہوتا ہے اور اس کی اولاد و نسل مؤخر یعنی بعد میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اتباع کرنے والے، پیروی کرنے والے یعنی امتی کو بھی اسی وجہ پر محمول کر کے ”ذنب“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جو متبوع ہوتا ہے یعنی جس کی پیروی کی جاتی ہے وہ پہلے کسی امر پر عمل کرتا ہے اور تبع یعنی تابع یعنی پیروی کرنے والا متبوع کی متابعت میں بعد میں عمل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب نماز فرض کی گئی تو سب سے پہلے حضور اقدس، سید المصومین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی پھر آپ کی پیروی اور اتباع کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز پڑھی۔ المختصر اردو نوں آیات میں وارد لفظ ”ذنب“ کا ترجمہ ”گناہ“ یا ”خطا“ نہیں ہے۔ بلکہ:-

⑤ ”وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ“

(سورہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)، آیت: ۱۹)

ترجمہ ایمانی:- ”اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو“ (کنز الایمان)

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾

(سورۃ الفتح، آیت ۳)

ترجمہ ایمانی:- ”تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشنے تمہارے انگلیوں کے اور تمہارے پچھلوں کے“ (کنز الایمان)

تفسیر:- ”اور تمہاری بدولت اُمت کی مغفرت فرمائے۔ (تفسیر خازن اور تفسیر روح البیان، بحوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۲۰)

امام عشق و محبت، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مندرجہ بالا دونوں آیات مقدسہ کے ایسے ایمان افروز تراجم فرمائے ہیں کہ ایمان تازہ ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی آیات کی بھی مخالفت و خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ مطابقت و موافقت ہوتی ہے۔ منافقین زمانہ نے ان دونوں آیات کے علی الترتیب مندرجہ ذیل تراجم کیے ہیں:-

(۱) ”اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے“

(ترجمہ از:- مولوی محمود الحسن، دیوبندی)

(۲) ”تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرماوے“

(ترجمہ:- مولوی اشرف علی تھانوی)

مندرجہ بالا دونوں ترجموں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ”گناہ“ اور ”خطا“ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جو قرآن مجید کے ارشاد کے سراسر خلاف ہے کیونکہ:-

”گناہ“ اور ”خطا“ اُسی سے سرزد ہوتے ہیں جو راہ سے بہک کر بے راہ چلتا ہے۔ سیدھی راہ یعنی صراطِ مستقیم پر قائم رہنے والے یعنی انبیائے معصومین سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا کیونکہ وہ راہ سے ہٹتے نہیں اور بے راہ چلتے نہیں۔ رہے وہ لوگ جن سے گناہ واقع ہوتے ہیں جو راہِ حق سے ہٹتے ہیں اور بے راہ بھی چلتے ہیں، ان سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی لے قرآن مجید کی سورۃ النجم، آیت ۳، میں

صاف ارشاد ہے کہ:-

"مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ"

ترجمہ:- "تمہارے صاحب نہ بھٹکے، نہ بے راہ چلے۔" (کنز الایمان)

یعنی آپ کی ذات گرامی نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا ہے اور نہ ہی آپ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے۔ یہ کسی کے گمراہی کی بات نہیں بلکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔ جو لوگ گناہ اور خطا کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے پاس سورۃ النجم کی اس آیت کا کیا جواب ہے؟

☆ ایک ضروری نکتہ:-

سورۃ النجم کی مذکورہ آیت کے ترجمہ میں ہم نے منافقین زمانہ کے دو پیشواؤں (۱) مولوی اشرف علی تھانوی اور (۲) مولوی محمود الحسن دیوبندی کے تراجم پیش کیے۔ ان تراجم میں حضور اقدس سید المصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کی:-

"اگلی پچھلی خطائیں اور وہ گناہ معاف کرے جو آگے ہو چکے اور جو پیچھے رہے۔"

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

مندرجہ بالا تراجم کے رد و ابطال میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ بلکہ اسی موضوع پر ہی ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے لیکن ہماری اس کتاب کا موضوع "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت کریمہ کی وضاحت اور تشریح کرنا ہے، کچھ وضاحت ہو چکی ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے لہذا سورۃ النجم کی آیت کریمہ لِيُنْفِقَ رِزْقَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کا منافقین زمانہ کے پیشواؤں نے جو تراجم کیے ہیں اس کے تعلق سے بائیس تفصیل تبہ و نہرت ہوئے اجمالاً اور کنایہ کچھ اہم نکات کی طرف توجہ دینا چاہیے ہیں۔ ان میں سے دو اہم نکات علم حضرات ان نکات کے ذریعہ وسیع اور مفصل وضاحت و تشریح کر کے منافقین زمانہ کے

کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔

marfat.com

”وَمَا تَأْخُذُ“ غیر متعبد ہونے کی وجہ سے اس کی معاوضہ قیامت بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا یہاں آیت کا ترجمہ گناہ اور خطا میں ہرگز درست نہیں کہ کیونکہ ”وَمَا تَأْخُذُ“ کے غیر متعبد ہونے سے یہ ذہن دیا ہے اور خطا صادر ہونے کا کوئی امکان نہیں تو مستقبل میں اور وہ بھی قیامت تک گناہ کا صادر ہونا محال اور غیر ممکن ہے۔ البتہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امت کے مومنین ماضی میں بھی ہوئے ہیں۔ اور مستقبل میں قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اسی حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام عشق دہمیت، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت کا حسب ذیل ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے کہ: ”تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے“ (کنز الایمان)

اس ایمانی ترجمہ میں ”تمہارے اگلوں کے“ سے مراد وہ مومن اسی ہیں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات پاک کے زمانہ میں انتقال فرمایا یعنی وہ حضرات اس دنیا سے پردہ کرنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے تھے لہذا وہ ”تمہارے اگلوں کے“ میں شمار ہوں گے اور اس ایمانی ترجمہ میں ”تمہارے پچھلوں کے“ سے مراد وہ تمام مومنین ہیں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد انتقال کیا یعنی انہوں نے حضور اقدس کے بعد دنیا سے کوچ کیا اور تا قیامت کوچ کرتے رہیں گے لہذا وہ ”تمہارے پچھلوں کے“ میں شمار ہوں گے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ”اگلے“ اور ”پچھلے“ امتوں کے گناہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس کے سبب سے معاف فرمائے گا۔

منافقین زمانہ میں عقل فہم کا ایسا فقدان ہے کہ ”اگلے“ منہ کے ساتھ ”پچھلے“ کو بھی جوڑ دیا اور ”پچھلے“ نے ان کو ایسا پچھاڑا کہ پچھا چھڑاتا بھی ان کے لیے پیچیدہ ہو گیا۔
 المختصر المنافقین زمانہ پر قائم کیے گئے سوالات کا سوال نمبر: ۴۳، برپیلو نے ان کو بھاری پڑتا ہے۔ اسی ایک سوال سے ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور گیارہ سوالات کے جوابات دیتے ہوئے ان کا دم گیا کا گیارہ جائے گا۔

⑤ امام احمد رضا کے ترجمہ پر اعتراض کے امکان کا مقدم اختصاراً جواب
 ”ہو سکتا ہے کہ کسی مترض کو یہ اعتراض ہو کہ آیت کریمہ ”لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ
 مِن ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ“ کا ترجمہ ”تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے انگوں کے
 اور تمہارے پیچھلوں کے“ جو امام احمد رضا نے کیا ہے اس ترجمہ میں ”تمہارے سبب سے“ کا
 جملہ زائد ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں ایسا کوئی بھی لفظ وارد نہیں جس کا ترجمہ ”تمہارے سبب
 سے“ ہوتا ہو۔ بلکہ آیت میں لفظ ”لَكَ“ وارد ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں ”تیرے لیے“
 اور اس معنی میں وارد لفظ ”ذنب“ کا ترجمہ ”گناہ“ کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ ”تیرے لیے
 تیرے اگلے اور پیچھے گناہ معاف کر دیے“ یہ ترجمہ ہی ہونا چاہئے یہ عجیب و غریب ترجمہ
 ”تمہارے سبب سے“ کے اضافہ کے ساتھ کیسے ہوا۔“

جواباً عرض ہے کہ آیت میں وارد لفظ ”لَكَ“ میں جو ”ل“ ہے اس لام پر ہی پورے ترجمہ
 کا وارد ہوا ہے۔ جن لوگوں نے ”تیرے لیے تیرے اگلے پیچھے گناہ معاف کر دیے۔“ کے
 معنی میں آیت کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے ”لَكَ“ کے حرف جر ”ل“ کو تخصیص کے معنی میں
 استعمال کیا ہے اور علم نحو کی اس سبیلی کو ملحوظ رکھ کر اور ترجمہ میں گزری ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے
 کہ اس آیت میں وارد لفظ ”لَكَ“ میں کاف سے پہلے جو حرف جر ”ل“ ہے وہ بجائے تخصیص
 کے ”تعلیل و سبب“ کے معنی میں ہے اور ”لام سبب“ حرف جر لام کے معانی مشترک اور خواص
 میں سے ہے۔ امام اجل، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الملک والدین، عبد الرحمن بن کمال بن ابی
 بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اس آیت میں وارد لفظ ”لَكَ“ کے ”ل“ کو لام سبب و تعلیل
 تسلیم فرمایا ہے اور لام کو لام تعلیل و سبب تسلیم کرنے سے خود بخود ”تمہارے سبب سے“ کے معنی
 رونما ہوں گے۔

علم صرف اور علم نحو کے ضوابط و اصول سے بہت ہی اختصاراً جواب عرض کر دیا ہے، اہل
 علم حضرات اس کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے دریائے علم میں غوطہ زن ہو کر علوم و عرفان کے بے
 بہا گوہر و جواہر برآمد فرمائیں گے۔

منش و محبت، امام احمد رضا نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے، اس ترجمہ کی تائید و توثیق صاحب "تفسیر جلالین شریف" فرما رہے ہیں، جیسے کہ سورۃ النبی کی آیت کہ یرسلہم رسولہم مِّنْہُمْ لَیُؤَدِّیَہُمْ إِلَى الصِّرَاطِ الَّذِیْ اُفْقِدُوا۔ اہل بیت علیہم السلام، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر سے ہوئی ہے۔ جس کا مفصل بیان اوراق سابقہ میں آپ حضرات نے مطالعہ فرمایا ہے۔

“اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ” خطاب کن سے ہے؟

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے دورِ حاضر کے منافقین ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے ”بشر“ نہیں کہتے بلکہ ہم تو حضور اقدس کا قول جو انہوں نے خود اپنے متعلق اللہ کے حکم سے کہا ہے، اُسے دہراتے ہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ یعنی ”میں تمہاری طرح بشر ہوں۔“ رسول اللہ کو اپنے جیسا بشر کہنے میں کوئی توہین نہیں ہے۔ ہم پر یہ غلط الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ کو اپنے جیسا بشر کہہ کر توہین کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تو وہی کہتے ہیں کہ جو رسول اللہ نے اپنے متعلق کہا ہے بلکہ اللہ نے قرآن مجید میں ان کو حکم فرمایا ہے کہ ”قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“

اس قسم کی چال بازی سے منافقین زمانہ بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنستے ہیں۔ عوامِ بیچارے مذہبی معلومات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کی جعل سازی کا شکار بنتے ہیں۔

یہ شک! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے کہ ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ لیکن حضور اقدس نے یہ ارشاد کب، کیوں اور کن کو مخاطب بنا کر فرمایا ہے؟ اس کو سمجھنا بھی اشد

وغیرہ ایسی خبریں روزانہ پھیلتی تھی۔ کفار مکہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوتی تھی کہ فلاں فلاں اشخاص نے اسلام قبول کر لیا ہے تو غصہ میں لال ہو جاتے تھے۔ اور انہوں سے انگلیاں کانٹتے تھے۔ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر کفار و مشرکین بوکھلا اٹھے اور ان کے پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے روکنے کے لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ دین اسلام اختیار کرنے والے مؤمنین کو سخت مصائب و تکالیف پہنچانی شروع کیں لیکن شیخہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروردانوں کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہ ہوا بلکہ اسلام کی حقانیت و صداقت ان کے دلوں میں زیادہ مستحکم اور راسخ ہو گئی۔

مکہ معظمہ کے کفار و مشرکین بڑی الجھن اور کشمکش میں مبتلا تھے۔ اسلام اور غیر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف کارگر ہو سکے ایسا ایک بھی اصولی ہتھیار ان کے پاس نہ تھا۔ لہذا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہمیت گھٹانے کے لیے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ:-

﴿أَبَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (سورۃ النبا، آیت: ۶، پارہ: ۲۸)

ترجمہ:- ”کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے؟“

یہ کہنے کا ان کا منشاء صرف یہی تھا کہ اے لوگو! تم جس کے کہنے پر اپنے باپ دادا کے دین سے منحرف ہو کر نیا دین اپناتے ہو، وہ دعوت دینے والا آدمی یعنی ”بشر“ ہی تو ہے۔ تو کیا ایک بشر ہمیں راہ بتائے گا؟ کیا ایک بشر کے کہنے پر تم نے اپنی قوم کے پرانے دین سے منہ موڑ لیا ہے؟

کفار و مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت حق سے لوگوں کو پراندہ و بہن کرنے کے لیے ”بشر“ ہونے کا یہ ہتھیار اس لیے اٹھایا تھا کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر زمین کہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں آپ کا بچپن گزرا۔ جوانی کے ایام بھی اسی شہر کے لوگوں کے درمیان بسر ہوئے۔ لیکن آپ نے کبھی بھی، کہیں بھی، کوئی بھی، اور کسی طرح بھی ایک بھی فعل تمروہ کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ اخلاق حسنہ کے پیکر جمیل بن

کر شد و ہدایت کی روشنی سے عالم دنیا کو تابناک فرما رہے تھے۔ آپ کی دیانتداری اور ایمانداری ایسی شہرت یافتہ تھی کہ کفار و شرکین بھی اس کے معترف تھے اور آپ کو ”محمد امین“ کے معزز و معظم لقب سے پکارتے تھے۔ آپ کی ظاہری اور فنی زندگی میں ذرہ برابر بھی کسی قسم کی کوئی خافی یا نقص نظر نہیں آتا تھا کہ جس کو موضوع بنا کر آپ کے خلاف بولا جاسکے۔ لے دے کر انہیں صرف ایک ہی بہانہ ملا اور وہ بہانہ بھی وہی ملا جو زمانہ ماضی کے کفار و شرکین نے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف تجویز کیا تھا لہذا کفار کہنے لگے ”مذہب کے ساتھ یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ یہ تو بشر ہیں۔ کیا ایک ”بشر“ ہمارا بادی و رہنما بنے گا؟ ہرگز نہیں؟ یہ تو ہمارے تمہارے جیسے بشر ہیں۔ الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف اپنی ہم ادھر تحریک چلانے کے لیے کفار و شرکین نے صرف ایک ہی نعرہ بلند کیا کہ یہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں۔ نتیجتاً وہ دولت ایمان سے محروم رہے اور کفر کے ظلمت کدہ میں بہکتے رہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

﴿فَقَالُوا أَتَشْرِيْ بِهٖذِهِمْ وَنَحْنُ نَكْفُرُ﴾

(پارہ: ۲۸، سورۃ النعاج، آیت: ۶)

ترجمہ:- ”تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے؟ تو کافر ہوئے۔“ (کنز الایمان)

﴿اِذْ جَاۤءَهُمُ الْهُدٰىۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَتَّبِعُ اللّٰهَ بِشَرِّۤ اَوْسُوۡلًاۙ

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۹۳)

ترجمہ:- ”جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو

رسول بنا کر بھیجا۔“ (کنز الایمان)

﴿لَاۤ اِهۡنَآۤ نَزَّلُوۡنَهُمْ ط وَاَسْزُوۡۤا السَّجُوۡۤى الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا هٰۤلَ

هٰذَاۤ اِلَّاۤ بِشَرِّۤ مِّثْلُکُمْ﴾ (پارہ: ۷، سورۃ الانبیاء، آیت: ۳)

ترجمہ:- ”ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت

کی کہ یہ کون ہیں۔ ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں۔“ (کنز الایمان)

الحاصل! کفار و شرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف

صرف ایک ہی آواز اٹھائی تھی کہ: وہ بشر ہیں۔ جہاں دیکھو وہاں بشر، بشر اور بشر کی رست مچی ہوئی تھی۔ کفار و شرکین نے بشر کی بانسری کے بھنڈے سے ٹکری بھد بھد سے ماحول کو پرالگ نہ کر رکھا تھا۔ ان کفار و شرکین کو جواب مرحمت فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "میں تمہارے جیسا بشر (آدمی) ہوں۔" ذرا غور فرمائیں! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور کیوں ایسا فرمایا؟ جواب صاف ہے کہ حضور اقدس کا یہ ارشاد جواب ہے یعنی کفار و شرکین نے "بشر" ہونے کا جو غوغا مچا رکھا تھا اس کا مسکت جواب دیتے ہوئے ان کافروں سے فرمایا تھا کہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں" کسی سو من سے یہ خطاب نہیں فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے کفار و شرکین سے صرف یہ فرمایا تھا کہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔" آپ نے ہرگز ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ "میں تمہارے جیسا ہی بشر ہوں۔" بلکہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔" فرمانے کے بعد کا جو جملہ ہے یعنی "يَتَوَحَّيْ اِلَيَّ" یعنی "مجھے وحی آتی ہے" یہ جملہ کفار و شرکین کو سنت تو زور و دندان شکن جواب ہے کہ تم مجھے اپنے جیسا بشر کہتے ہو اور مجھے بشر کہہ کر میری اور میری دعوت حق کی اہمیت گھٹانا چاہتے ہو تو سن لو! ہاں ہاں! میں تمہارے جیسا بشر ہوں یعنی ظاہری صورت بشری میں تمہارے جیسا بشر ہوں کیونکہ میں بصورت انسان پیدا ہوا ہوں لیکن میں تمہارے جیسا ہی بشر نہیں ہوں یعنی درجات و مراتب میں تمہارے جیسا بشر نہیں ہوں، میں تم جیسے عام انسانوں کی طرح نہیں ہوں کیونکہ "يَتَوَحَّيْ اِلَيَّ" یعنی "مجھے وحی آتی ہے" اور وحی ہر بشر پر نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور ذاتی مرتبہ بشر پر یعنی نبی اور رسول پر ہی وحی آتی ہے۔ اور تم میں اور مجھ میں نزول وحی کا فرق عظیم ہونے کی بناء پر ہمارے درمیان بشری صورت کی ظاہری مساوات ہونے کے باوجود بھی میں تمہارے جیسا عام انسان نہیں۔

حضور اقدس نور حق، بظن رب، نبی کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا جواب کفار اور شرکین کے اوہام و اتہام کے منہ پر ایسا طمانچہ تھا کہ اگر ان میں ذرہ برابر بھی غیرت انسانی ہوتی تو وہ اس جواب سے سبق حاصل کر کے اپنی حرکتوں سے باز آ جاتے، مگر انہوں نے اٹھا چور کو توال کو ڈانسنے والی مثل پر عمل کرتے ہوئے اٹلا دھڑا ہاندا حاور سرکشی

پراثر آئے۔

یہاں ایک ضروری وضاحت کرنا بھی اشد ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کو ایسا جواب کیوں ارشاد فرمایا کہ "أَنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔" اس کا جواب کتب احادیث میں مذکور اس واقعہ سے بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ ایک مرتبہ کفار مکہ کے سردار ابو جہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ تمہارے جیسا انا پسندیدہ چہرہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ جواب میں سرکارِ دو عالم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کے چہرہ اقدس جیسا حسین و جمیل چہرہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ اس پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ ابو جہل اور حضرت صدیق اکبر کے دو متضاد اقوال کے جواب میں حضور اقدس نے ایک ہی جواب مرحمت فرمایا۔ اس پر صحابہ کرام کو تعجب ہوا اور اس کی وجہ پوچھی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آئینہ حق نما بنایا ہے۔ ہر شخص مجھ میں اپنا عکس دیکھتا ہے۔ ابو جہل نے مجھ میں اپنا عکس دیکھ کر اپنا سراپا بیان کیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پرتو مجھ میں دیکھ کر اپنے سراپا کی تعریف کی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاصائص میں سے ہے کہ آپ ہر شخص سے اس کی زبان میں اور اس کی عقل کے مطابق گفتگو فرماتے تھے بلکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ "تَكَلَّمُوا النَّاسَ عَلَى حَسَبِ عَقُولِهِمْ" یعنی "لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو۔" علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے ہر شخص سے ایسی کامل واقفیت رکھتے تھے کہ ہر شخص کی فطرت، عادت اور خصلت سے آپ کامل طور پر واقف تھے۔ بلکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ "مَنْ لَمْ يَعْرِفْ أَهْلَ دِمَاسِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ" یعنی "جو اپنے زمانہ کے لوگوں کو نہ پہچان سکے وہ جاہل ہے۔" لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے قول "هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "وہ کیون ہیں؟ جسمیں جیسے آدمی تو ہیں۔" کا جواب ان کے قول کے منشاء کو پہچانتے ہوئے اور ان کی عقلوں کی بساط سے آگئی

رکتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ ”اَنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ یعنی ”آدمی (بشر) ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔“ لیکن اس جواب کے جملہ کے فوراً بعد علیؑ اتصال یہ بھی فرمایا کہ ”يُوحِي الْإِلٰهِي“ یعنی ”مجھے وحی آتی ہے“ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ایسا جامع و مانع ہے کہ یہ نظر عیسیٰ، نگاہ انصاف کے زاویہ سے اور غیر متضاد و غیر جانبدارانہ رویہ اپنا کر اس پر غور و فکر کرنے والا اپنی زبان سے کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ رسول اللہ تبارے جیسے بشر تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے جو کچھ بھی ارشاد ہوا وہ وحی الہی ہے۔ کبھی اس مقدس زبان سے قرآن مجید کی آیات سننے میں آتی تھیں اور کبھی یہ شکل حدیث خدا کا حکم اور وحی جاری ہوتی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:-

”وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝“

(پارہ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۳۳)

ترجمہ:- ”اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- ”اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں نسا کے اُس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا، کلی زبان فی کایہ استیلائے نام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وحی الہی ہوتی ہے۔

(تفسیر روح البیان، بحوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۳۶)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی ہر بات وحی خدا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام شان جامعیت کا حامل ہے۔ فرماتے ہیں کہ

”اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلَامِ“ (الحديث)

ترجمہ:- ”مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا ہے۔“

○ امیر المؤمنین، سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت دیکھی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایک ہی خاندان میں پیدا ہوئے لیکن آپ ہر زبان کے لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو فرمائیے ہیں، حالانکہ ہم ان کی بات تک سمجھ نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا اے علی! **”أَلَيْسَ رَبِّي فَأَلْحَقَن تَابِيئِي“** یعنی ”میری تربیتِ تعلیم میرے رب نے کی ہے اور بہت ہی اچھی کی ہے۔“

○ امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں یہاں تک عرض کیا کہ **”لَقَدْ طَلَعْتُ فِئَی الْعَرَبِ وَسَمِعْتُ فَصَاحَتَهُمْ فَتَأَمَّنْتُ أَنْ أَصْغَ مِنْكَ“** یعنی ”میں سارا عرب گھوما ہوں اور عرب کے فصحاء کو بھی سنا ہے مگر آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔“

○ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی فصیح عرب میں نہ پہلے پیدا ہوا ہے، نہ پیدا ہوگا۔“

الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ایسا جامع و مانع اور فصیح و بلیغ ہوتا تھا کہ ایک جملہ میں بہت کچھ ارشاد فرمادیتے تھے اور ہر طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ان کی عقلی و ذہنی بساط اور حیثیت کے مطابق کلام فرماتے تھے۔ کفار و مشرکین اور منافقین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا تو حضور نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی بھی مومن سے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں بلکہ کیا فرماتے تھے؟

”حضورِ اقدس نے صحابہ کرام سے کیا فرمایا؟
 اور صحابہ کرام حضورِ اقدس کو اپنے جیسا بشر
 کہتے تھے یا نہیں؟ بلکہ کیا کہتے تھے؟

حضورِ اقدس رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار و مشرکین سے خطاب فرماتے ہوئے
 یہ ارشاد فرماتے تھے کہ ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ لیکن آپ نے بھی بھی، کہیں بھی، کسی موقع پر بھی،
 کسی وجہ سے بھی اور کسی بھی مومن سے یہ نہیں فرمایا کہ ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ بلکہ کیا فرماتے تھے
 وہ دیکھیں:-

رمضان المبارک میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض راتوں میں
 وصال فرماتے تھے یعنی ”صوم وصال“ یعنی پے در پے روزے اس طرح
 رکھتے تھے کچھ بھی نہ کھائیں یا پیئیں اور افطار کریں بلکہ مسلسل روزہ رکھتے
 تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت میں صحابہ کرام
 رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی ”صوم وصال“ رکھنے شروع
 کر دیئے۔ نتیجتاً کچھ ہی دنوں میں ان کے جسموں میں لاغری، نالافتی،
 ناتوانی اور کمزوری آگئی۔ کچھ حضرات تو علیل و بیمار ہو گئے۔ اس امر کی
 حضورِ اقدس کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ازراہ شفقت و رحمت صحابہ کرام
 کو ”صوم وصال“ کی ممانعت فرمادی۔ جیسا کہ امام المومنین سیدنا عائشہ
 صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت فرمودہ حدیث میں ہے۔ حضور نے
 صحابہ کرام کو منع فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب

آپ صوم وصال رکھتے ہیں تو ہمیں کیوں منع فرماتے ہیں باوجودیکہ ہم حضور کی متابعت کی تمنا رکھتے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **كُنْتُ كَأَخِيكُمْ** یعنی ”میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں“

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ **أَيُّكُمْ يَفْلِي** ترجمہ:- ”تم میں سے کون میری مثل ہے؟“ پھر ارشاد فرمایا **أَيُّكُمْ يَفْلِي عِنْدَ رَبِّي يَطْعَمُنِي وَيَسْقِينِي** ترجمہ:- ”میں اپنے رب کے حضور رات کا قیام کرتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔“

(حوالہ:- (۱) مسلم شریف، باب الصوم (۲) مدارج النبوة، از شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۷۲۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ہو گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کمزور ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابل میں آدمی (نصف) نماز ہے۔ (یعنی نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے) اس کے بعد جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔ میں نے یہ گمان کیا کہ شاید حضور اقدس کو بخار ہے لہذا بیماری کی وجہ سے آپ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں۔ لہذا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جبین اقدس (پیشانی شریف) پر اپنی پھیلی رکھی کہ معلوم کروں کہ آپ کو تب (بخار) تو نہیں؟ جب میں نے مقدس پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا تو میری اس حرکت پر حضور نے فرمایا کہ اے عبد اللہ! کیا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! بیٹھ کر نماز پڑھنے کے حلق تو آپ نے ایسا کچھ فرمایا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں آپ بیٹھ کر نماز کھانا کھا رہے ہیں؟ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب عنایت کرتے ہوئے حضور
اقدس نے فرمایا کہ اَلَسْتُ تَخَافُ فَنُكْمَ تَرْجَمَةٍ۔ میں تم میں سے کسی
کی مانند نہیں۔ (حوالہ:- مسلم شریف، باب الصلوٰۃ)

اس حدیث کے ضمن میں (۱) خاتمہ المحققین، امام اجل، علامہ محمد بن علی دمشقی حنفی
(المتوفی ۱۰۸۸ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "لَذِي مَخْفَاً شَرَحَ تَفْوِيْزُ الْاَبْهَصَا" میں اور (۲) علامہ محقق، امین الدین محمد بن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب "وَلِذِي
الْمَخْفَاً عَلَى لَذِي الْمَخْفَاً" میں فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے خصائص میں سے ہے۔ یعنی آپ بیٹھ کر بھی نماز ادا فرمائیں گے تب بھی آپ کے لیے
کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب ہے۔

❶ حدیث شریف کی تقریباً تمام معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی
اللہ تعالیٰ عنہم نے کئی موقعوں پر یہ فرمایا ہے کہ "اَيُّنَا وُفِّلَ؟" یعنی:- "ہم
میں سے کوئی ایک بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل نہیں۔"
مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ:-

- (۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تم میں
سے کسی کی مانند نہیں اور تم میں سے کون میری مثل ہے۔
- (۲) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی بھی حضور
اقدس کی مثل نہیں۔

لہذا ثابت ہوا کہ:-

- ❷ کفار، شرکین اور منافقین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے
جیسا بشر کہتے تھے لہذا حضور اقدس نے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے
جیسا بشر ہوں۔

- ❸ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے
جیسا بشر نہیں کہتے تھے لہذا حضور اقدس نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تم جیسا

بشر نہیں ہوں۔

ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ:-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں، مشرکوں اور منافقوں کا طریقہ تھا۔ دورِ حاضر میں جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں وہ کفار، مشرکین اور منافقین کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے جیسے بشر نہیں ہیں اور ہم حضور اقدس کی طرح نہیں ہیں۔ یہ عقیدہ صحابہ کرام کا تھا۔ لہذا جو اہل عشق و محبت حضرات حضور اقدس کو بشر کہنے کے بجائے نور خدا اور نوری بشر کہتے ہیں، وہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر دولت ایمان سے مالا مال ہیں۔

”قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کو دلیل بنا کر کوئی عقیدہ یا عمل مقرر کرنا گمراہیت و بے دینی کا دروازہ کھولنا ہے۔“

قرآن مجید رب عظیم کا کلام ہے۔ پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ثانی یا مثل نہیں، اسی طرح اس کے کلام کا بھی کوئی ثانی و مثل نہیں۔ رب عظیم و اعلیٰ جل جلالہ کا کلام بھی تمام کلاموں سے عظیم و اعلیٰ اور افضل و بالا ہے۔ قرآن مجید کو اس کے صحیح معنی، مطلب، مفہوم، منشاء اور مراد میں سمجھنے کی ہر کسی میں صلاحیت نہیں ہوتی، کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوراقِ سابقہ میں

تفصیل کے ساتھ عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کی کئی قسمیں ہیں مثلاً ۵ آیات حکمت
 ۵ تشابہات ۵ مبہمات ۵ مقدمات ۵ مؤخرات ۵ عامات ۵ خاصات ۵ ناسبات
 ۵ منسوخات ۵ مجملات ۵ مبینات ۵ مطلقات ۵ منطوقات ۵ معطوفات وغیرہ وغیرہ۔
 علاوہ ازیں قرآن مجید کی عربی لغات کثیر المعنی کی حامل ہے۔ ایک لفظ کے متعدد معنی ہوتے
 ہیں۔ لہذا قرآن مجید کی آیت کا صحیح معنی مطلب سمجھنے کے لیے وسیع پیمانہ پر علم درکار ہے۔ لیکن
 وہ حسرتاً! وہ برحاضر میں منافقین زمانہ نے ملت اسلامیہ پر قیامت ڈھاتے ہوئے ماحول ایسا
 خستہ اور پراگندہ کر دیا ہے کہ جاہلوں کی ٹوٹی کے ساتھ ایک دو چلنے کر آئے والے دو جاہل بلکہ
 اجہل کلمہ ملتا کہ جس کو قرآن مجید ناظرہ پڑھنا بھی جاں گداز ہوتا ہے، اسے دو چار منسوخ اور
 متشابہ آیات طوطے کی طرح رنارہ دیتے ہیں اور وہ اجہل ملّا ”پڑھو نہ لکھو نام محمد فاضل“ والی
 مثل کا مصداق بن کر خطیب ملت اور مقرر اعظم کے تکبر و غرور میں ان منسوخ اور متشابہ آیات
 کے الفاظ کے ظاہری لفظی معنوں کو دلیل اور سند بنا کر کفر، شرک اور بدعت کے زبانی فتوے
 دینے کے فتور پھیلاتا ہے۔ خصوصاً انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی عظمت و محبت کے جائز
 اور مستحب کاموں کو وہ اپنی شرک کے فتوے کی مشین گن کا نشانہ بناتا ہے۔ صدیوں سے رائج
 اور صحابہ، اولیاء، ائمہ، صلحاء، صوفیاء اور اکابر علماء کے اقوال و افعال سے مستند شدہ اعتقاد و اعمال
 کو غیر اسلامی، خارج از ایمان، ناروا، نازیبا، مذموم، مقبوح، مفضوب، بلکہ شرک و بدعت
 ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیتوں کے ایسے تراجم اور مفہوم پیش کرتا ہے کہ اس کو آیت
 سے نسبت تک نہیں ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ منافقین زمانہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان
 میں گستاخی و بے ادبی کرنے کے لیے قرآن کی آیتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور قرآن کی
 آیتوں کی آڑ میں وہ اپنے مقاصد فاسد کی تکمیل و حصول کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

منافقین زمانہ نے ایک منظم سازش کے تحت یہ مہم چلائی ہے کہ لوگوں میں یہ بات عام
 کر دی جائے کہ قرآن مجید کی آیتوں کے مطلب و مفہوم کو سمجھنے کے لیے علم کی ضرورت نہیں اور
 علماء سے پوچھنے کی بھی حاجت نہیں بلکہ عوام الناس بھی قرآن کی آیتوں کے معنی و مفہوم بغیر کسی
 مشکل کے از خود آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

○ منافقین زمانہ کے چٹوڑا اور لہام اول فی البدہہ، مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ اور گمراہ کن کتاب ”تقویت الایمان“ جو درحقیقت ”تقویت الایمان“ یعنی ”ایمان کو ختم کرنے والی“ ہے۔ اس کتاب کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:-

(۱) ”اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کو بڑا علم چاہیے۔ ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے۔ ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں۔ سو یہ بات غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں۔ ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔“

(۲) ”چنانچہ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ“ ”ہم نے آپ کی طرف ایسی باتیں نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اور ان کا انکار صرف فاسق کرتے ہیں یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔“

(۳) ”اور اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لیے بہت علم نہیں چاہیے کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتلانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے آئے تھے۔“

(۴) ”جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں چل سکتا، اس نے اس آیت کا انکار کیا۔“

(حوالہ:- ”تقویت الایمان“ مصنف:- مولوی اسماعیل دہلوی، ناشر:- دارالاسلفیہ،

ممبئی، تاریخ اشاعت: اپریل ۱۹۹۷ء، ص ۱۳، ص ۱۴)

مندرج بالا اقتباسات کا اصل ہے کہ:-
marfat.com

- ⑤ اللہ اور رسول کا کلام سمجھنے کے لیے بہت علم درکار نہیں۔ ہر جاہل سمجھ سکتا ہے۔
- ⑥ قرآن مجید کی آیتوں کے معنی، مطلب اور مراد سمجھنے کے لیے عالموں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص چاہے وہ نرا جاہل ہو، وہ قرآن شریف میں اپنے طور سے دخل دے سکتا ہے۔

ان دو اصولوں پر دو ہر حاضر کے منافقین کی تحریک باطل کا انحصار ہے۔ عوام کو یہ ذہن دہا بار ہے کہ علماء کو نظر انداز کرو۔ اللہ کا مقدس کلام قرآن مجید تم از خود سمجھ سکتے ہو۔ آیتوں کے مطلب، مفہوم اور مراد تم اپنے طور سے سمجھ سکتے ہو۔ علماء سے پوچھنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ ایسی خطرناک چال ہے کہ اگر عوام کی یہ ذہنیت بن گئی کہ قرآن مجید کی تفہیم کے لیے علماء کرام سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم بھی کچھ کم نہیں۔ ہم اپنے طور پر قرآن سمجھ سکتے ہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام قرآن کی تفہیم کے معاملہ میں علماء، مفسرین، مجتہدین، ائمہ دین، متکلمین، مستنبطین کسی کی بھی اتباع نہ کریں گے بلکہ قرآن کی آیات اور احادیث کے جو چاہیں و مطلب بیان کریں گے۔ ائمہ دین کی تقلید اور علماء دین کی پیروی اور اتباع سے بے قید ہو کر گمراہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ جس قوم کا علماء دین سے تعلق اور رابطہ ہے اسے آسانی اور جلدی سے گمراہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی گمراہ اور بد دین نے قرآن مجید کے حوالے سے کوئی غلط بات یا عقیدہ پھیلانے کی کوشش کی تو علماء سے تعلق رکھنے والے لوگ اس معاملے کی صحیح حقیقت اپنے علماء سے دریافت کریں گے اور علماء حق اہل باطل کے مکر و فریب کا پردہ فاش کر دیں گے۔ لہذا ابے نبی کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ بات عام اور رائج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے علماء سے پوچھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص بذات خود قرآن وحدیث آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

قرآن اور حدیث میں اپنی رائے کو دخل دینے کے متعلق حدیثوں میں سخت وعید وارد ہیں۔ جن کا صفحات سابقہ میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جاہل اور بے علم شخص جب قرآن وحدیث میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے، تو وہ شیطان کے برکادے میں بہت جلد آجاتا ہے۔ اہل علم حضرات شیطان کے برکادے میں جلدی نہیں آتے۔ شیطان کے لیے ایک ہزار جاہلوں کو

برکات آسان ہے لیکن ایک عالم کو بکانا دشوار ہے۔

حدیث:- امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”فَقِيَّةٌ وَاحِدَةٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ أَلْفِ عَابِدٍ“

(مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۳)

ترجمہ:- ”ایک فقیہ (عالم) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔“

حدیث:- حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ أَنْتَرَاغًا يَنْتَزِعُهُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ زُؤْمًا جَهْلًا لَا فُسَيْلًا فَاغْتَوَا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا“ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۳)

ترجمہ:- ”اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح قبض نہ کرے گا کہ اپنے بندوں سے علم ہی ایک ساتھ اٹھالے بلکہ علم کو عالموں کے اٹھانے سے قبض فرمائے گا۔ یہاں تک کہ جب عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار (مذہبی پیشوا) بنائیں گے۔ اور ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا۔ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

(ماخوذ از:- ”الطیب البیان“ رؤیۃ تقویت الایمان“ مصنف:- صدرال حاضر علامہ سید

نعیم الدین مراد آبادی، مطبوعہ:- مجلسنت برقی پریس، مراد آباد، ص: ۱۶)

خبر صادق اور غیب جاننے والے اور بتانے والے پیارے کا دعوئی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، دور حاضر میں ہر طرف فتویٰ دینے والے جاہلوں اور دھوکوں کی تعداد اس کثرت سے نظر آتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ جاہلوں کی ٹولی کے ساتھ ایک دو جگہ کر آنے والے جہلا مقروض مفتی جے گھومتے ہیں۔ اور بغیر ان حدیث ”ضَلُّوا وَأَضَلُّوا“ یعنی ”خود بھی

مکراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی مکراہ کرتے ہیں۔

① حضرت سیدنا مولیٰ علی نے بے علم واعظ کو مسجد سے نکلوا دیا۔

استاذ الکھن، رئیس المفسرین، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ "تفسیر عزیزی" میں فرماتے ہیں کہ:-

"ابو جعفر نخاس از حضرت امیر المؤمنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم روایت نمود کہ ایشان روزی در مسجد کوفہ داخل شدند۔ دیدند کہ شخصی وعظ میگوید۔ پرسیدند کہ ای کیست۔ مرد عرض کردند کہ ای داعظ است کہ مردم را از خدا می ترساند و از گناہاں منع می کند۔ فرمودند کہ غرر! این شخص آنست کہ خود را انگشت نمائی مردم سازد و ازو چہ پرسید کہ تاخ از منسوخ چند امید اند یا نہ۔ او گفت کہ ای علم خود ندانم۔ فرمودند کہ ای را از مسجد بر آرید"

(حوالہ: تفسیر عزیزی، پارہ اوّل، ص: ۵۰۰)

ترجمہ:- "ابو جعفر نخاس نے امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "کوفہ" شہر کی مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص وعظ کہہ رہا ہے۔ حضرت علی نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ داعظ (مقرر) ہے جو لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے اور گناہوں سے منع کرتا ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو لوگوں کے درمیان رسوا کر رہا ہے۔ آسے پوچھو کہ قرآن کی تاخ آیتوں کو منسوخ آیتوں سے جدا کر سکتا ہے؟ اس داعظ نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وعظ کرنے والے کے لیے حکم فرمایا کہ اسے مسجد سے نکال دو۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں!! جس مقرر کو قرآن کی تاخ اور منسوخ آیتوں کی معلومات نہ تھی اس کو امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، سید عالمولائے کائنات علی بن ابی طالب رضی اللہ

عالیٰ عز نے کوئٹہ شہر کی مسجد سے نکلوا دیا۔ آج تو ایسی حالت ہے کہ واعظ کو آیاتِ ماضیہ اور منسوخہ کا علم ہوتا تو رکنا بلکہ ناخ آیت اور منسوخ آیت یعنی کیا؟ وہ بھی معلوم نہیں ہوتا لیکن دو چار آیتیں رٹ لیتا ہے اور سب خطابت پر چلا گئے لگا کر چڑھ بیٹھتا ہے۔ منافقین زمانہ کے جہلاء کی ٹولی ایک شہر میں پھٹی۔ سیدھے پچھلے مسجد میں اور پورا بستر مسجد میں بٹایا۔ نماز کے اختتام پر امیر الہامین نے کھڑے ہو کر کہا کہ دینی بھائیو! تھوڑی دیر ٹھہر جائیں۔ اللہ رسول کی باتیں ہوں گی۔ دین کی باتیں ہوں گی۔ لوگ رک گئے۔ امیر الجہلاء نے صلح کلیت کے عنوان کو موضوعِ سخن بنا کر قرآن مجید کی سورۃ الکافرون کی آیت ۱۶ لکھ کر دینے کا ترجمہ ”تمہیں تمہارا دین مبارک اور مجھے میرا دین“ کرتے ہوئے اپنی بقرامی چھائی شروع کر دی۔ عین اسی وقت ایک سنی صحیح العقیدہ ذی علم صاحبِ مسجد میں آئے۔ جاہل مبلغوں کے امیر کو دورانِ تقریر نوکا کہ جناب جس آیت کی تم اپنی خیالی اور اختراعی تفسیر و تشریح بیان کر رہے ہو، وہ آیت ناخ ہے یا منسوخ؟ امیر صاحب کی ہوا اُڑ گئی۔ جواب دیتے ہوئے کہا کہ کیا ناخ اور کیا منسوخ؟ بس اتنا سمجھو کہ قرآن کی آیت ہے۔ اللہ کا کلام ہے۔ یہ کیا تم نئی بات نکالتے ہو؟ ناخ و اخ ہم کچھ نہیں جانتے۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ قرآن کی آیت ہے۔ اسی کے ضمن میں ہم مؤمن بھائیوں کو دین کی باتیں بتاتے ہیں۔ امیر صاحب کی جہالت پر محترم ذی علم سنی صاحب نے امیر کی کولکارا اور اے بولنے سے روک کر خود کھڑے ہو کر قرآن مجید کی آیات کے اقسام اور اس کے متعلق احکام و اصول و ضوابط پر ایسی علمی گفتگو فرمائی کہ امیر صاحب کو دین میں تارے نظر آنے لگے۔ فورا سمجھ گئے کہ یہاں ہماری دال نہ گلے گی لہذا ہم بحث نہیں کرتے، ہم بحث نہیں کرتے، ہمارا دھڑکتے ہوئے اپنی جاہلوں کی ٹولی سمیت راہ فرار اختیار کی۔

قارئین کرام کی فیاضتِ طبع کی خاطر بہت ہی اختصار کے ساتھ ہم آیاتِ ماضیہ اور منسوخہ کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

○ قرآن مجید کی منسوخ اور ناخ آیتوں کے متعلق :-

بسم اللہ کی ”ب“ سے والہام کی ”م“ تک کا قرآن مجید کا کلام ہونے پر ہمارا

ایمان ہے۔ قرآن مجید کی تمام آیتوں کے حق ہونے پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ قرآن مجید کی آیتوں کے کئی اقسام ہیں۔ جن میں سے آیات منسوخہ اور آیات ناسخہ کے متعلق ہم معلومات حاصل کریں۔

(۱) منسوخ اس آیت کو کہتے ہیں کہ جس کا حکم واپس لے لیا گیا ہو یعنی اس آیت پر عمل کرنے کا حکم رد فرما دیا گیا ہو۔ آیت نئے منسوخ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ آیت قرآن شریف سے رد و باطل کر دی گئی۔ وہ آیت منسوخ ہونے سے پہلے جس طرح قرآن کا ایک حصہ تھی، اسی طرح ہی وہ آیت منسوخ ہونے کے بعد بھی قرآن کا ایک حصہ ہی ہے۔ وہ آیت قرآن مجید میں منسوخ ہونے کے بعد بھی مثل سابق برقرار ہے۔ اس کی تلاوت بھی ہوتی ہے، نماز میں بھی پڑھی جاتی ہے اور جو اجر و ثواب اور فضیلت و دیگر آیات کی تلاوت میں ہے، وہی اس آیت میں بھی ہے۔ البتہ اس آیت کا حکم واپس لے لیے جانے کی وجہ سے اب اس آیت کے حکم پر عمل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس آیت سے شرعی احکام و مسائل نافذ کیے جائیں گے۔ الحاصل! موجودہ قرآن مجید میں جو منسوخ آیتیں ہیں ان کی تلاوت باقی ہے لیکن ان آیتوں پر عمل نہیں۔

اب ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں کو کیوں منسوخ کر دیا گیا ہے اور قرآن کی آیتوں کے منسوخ ہونے کا قرآن میں ثبوت ہے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ:-

”مَا نُنَسِّخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا“

(پارہ: ۱، سورہ البقرہ، آیت: ۱۰۶)

ترجمہ:- ”جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت کے تحت ہر کہ جس نے منسوخ فرماتے ہیں کہ:-

(۱) آیت کا منسوخ ہونا دو طرح ہوتا ہے۔ پہلی آیت کا صرف حکم منسوخ ہوتا ہے اور دوسری آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوتے ہیں۔ امام ابو بکر احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک انصاری صحابی شب کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھے۔ اور سورہ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی اور سوائے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کے کچھ نہ پڑھ سکے۔ صبح کو انہوں نے دوسرے صحابہ کرام سے اس کا ذکر کیا تو ان حضرات نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہے۔ وہ سورت ہمیں بھی یاد تھی لیکن اب وہ ہمارے حافظہ میں بھی نہ رہی۔ سب نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ حضور اقدس نے فرمایا آج شب وہ سورت اٹھائی گئی۔ اس کے حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوئے۔ یہاں تک کہ جن کاغذوں پر وہ سورت لکھی ہوئی تھی ان پر نقش تک باقی نہ رہے۔“

(حوالہ:- تفسیر قرآن العرفان، ص: ۳۰)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جن آیتوں کے حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوئے ہیں، وہ آیتیں اب قرآن مجید میں موجود نہیں۔ صرف وہی منسوخ آیتیں موجود ہیں جن کا حکم تو منسوخ ہو گیا ہے لیکن تلاوت باقی ہے۔ لہذا آیات منسوخہ کے متعلق ہم جو وضاحت پیش کر رہے ہیں اس سے وہی آیات منسوخہ مراد ہیں جن کا حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہے۔

(۲) قرآن کی کسی آیت کا حکم قرآن ہی کی کسی دوسری آیت سے منسوخ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں اس امر کا التزام ہوتا ہے کہ جو آیت منسوخ ہوتی ہے وہ پہلے نازل شدہ ہوتی ہے یعنی آیت مقدمہ ہوتی ہے اور جو آیت تاخیر ہوتی ہے یعنی جس آیت کی وجہ سے کسی دوسری آیت یا آیتوں کا حکم منسوخ ہوتا ہے وہ تاخیر آیت ہونی چاہیے۔

موجرہ ہوتی ہے۔

(۲) حدیث متواتر سے بھی کسی آیت کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے (حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۳۰) اس کی بحث بہت طویل ہے لہذا یہاں اس بحث کو طویل تحریر کے خوف سے ترک کر دیتے ہیں۔

(۳) ناسخ اس آیت کو کہتے ہیں کہ جس آیت کی وجہ سے کسی آیت کا حکم منسوخ یعنی زائل ہو گیا ہو۔ ناسخ آیت کا نزول منسوخ آیت کے بعد میں ہوتا ہے۔

(۵) قرآن مجید کی آیات ناسخہ اور آیات منسوخہ دونوں رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور دونوں اقسام کی آیات عین حکمت پر مبنی ہیں۔ یعنی کبھی ایک حکم ایسا نازل ہوتا ہے جو بندوں کے لیے آسان اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ پھر اسی حکم کو بدل کر اس کی جگہ زیادہ آسان اور نفع بخش حکم نازل کیا جاتا ہے۔ یعنی پہلا حکم ایک متعین مدت کے لیے اور عین حکمت پر محمول تھا اور مدت گزر جانے کے بعد اب حکمت یہ ہے کہ اس حکم کو بدل کر اس حکم سے بھی زیادہ آسان اور زیادہ نافع حکم بعد میں نافذ کیا جائے۔

(۶) ایک ضروری بات یہ بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ قرآن مجید میں ماضی کے واقعات اور ماضی کے اخبارات کا جو ذکر ہے، اور جن آیتوں میں قرآنی اخبارات اور قصص مذکور ہیں، وہ آیتیں کبھی بھی منسوخ نہیں ہوتیں بلکہ صرف وہی آیتیں منسوخ ہوتی ہیں جن میں کسی کام کا حکم دیا گیا ہو یا کسی کام سے روکا گیا ہو۔ یعنی حلال و حرام کے بعض احکام بدلے گئے ہیں لیکن جب دین حنیف یعنی شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکمیل ہو گئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاسْتَمْتَعْتُ عَلَيْكُمْ بِغَفِيٍّ وَرَاضِيٍّ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا“ (بارہ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۳)

ترجمہ:- "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔" (کنز الایمان)

تو اب قرآن کے حلال و حرام کے احکام میں تبدیلی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں رہا کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک اب کوئی بھی منصب نبوت پر فائز نہیں ہوگا۔ لہذا احلال و حرام کے احکام میں اب کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا۔ اب ہم ایک مثال ایسی پیش کرتے ہیں تاکہ اس مثال سے قارئین کرام کو ناخ اور منسوخ کی صحیح تفہیم حاصل ہونے کے ساتھ دور حاضر کے منافقین کی جعل سازی، دروغ گوئی، کذب بیانی، فریب دہی، اور قرآن مجید کی مقدس آیت کی آڑ میں قوم و ملت کے ساتھ کی جانے والی دھوکہ بازی سے آگاہی اور واقفیت حاصل ہو، اور ان کے دام فریب میں پھنسنے سے محفوظ رہیں۔

◎ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ - آیت منسوخ ہے اور کیوں منسوخ ہے؟

جب اسلام کا ابتدائی دور تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری نبوت اور توحید خالص کے اعلان کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور چند حضرات ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ قریش کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے روزانہ نئی ترکیب تجویز کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ترکیب یہ تھی کہ:-

"قریش کی ایک جماعت نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے دین کا اتباع کیجیے، ہم آپ کے دین کا اتباع کریں گے یعنی ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! میں اللہ کے ساتھ غیر کو شریک نہیں کروں گا۔ اس پر قریش کی جماعت نے کہا کہ آپ ہمارے کسی معبود (یعنی بت) کو صرف ہاتھ ہی لگا دیجیے، ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر سورۃ

الکافرون نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام (مناہ کعبہ) میں تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کی وہ جماعت موجود تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یہ سورت یعنی سورۃ الکافرون پڑھ کر سنائی تو وہ مایوس ہو گئے اور حضور کے اور حضور کے اصحاب کے درپے ایذا ہو گئے۔“

(حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۸۵)

جب کفار کا اپنی ترکیب میں کامیاب ہونے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ظلم و ستم اور زور و تشدد کا طریقہ اپنایا۔ اور حالت یہ تھی کہ صحابہ کرام ہر وقت کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کے نشانہ پر تھے۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ ”اِنَّ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا“ (پارہ: ۷۷، سورۃ الحج، آیت: ۳۹) ترجمہ: ”پر داغی (اجازت) عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا۔“ (کنز الایمان) کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ:-

”کفار مکہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزمرہ ہاتھ اور زبان سے شدید ایذا میں دیتے اور آزار پہنچاتے تھے اور صحابہ حضور کے پاس اس حال میں پہنچتے تھے کہ کسی کا سر پٹنا ہے، کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہے، کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے۔ روزمرہ اس قسم کی شکایتیں بارگاہ اقدس میں پہنچتی تھیں اور اصحاب کرام کفار کے مظالم کی حضور کے دربار میں فریادیں کرتے۔ حضور یہ فرما دیا کرتے کہ صبر کرو۔“

(حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۶۰۵)

صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق صبر کرنا اور کسی قسم کی جوابی کارروائی نہ کرنا کفار مکہ کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنا۔ انہوں نے صحابہ کرام کے صبر کو کمزوری میں شمار کرتے ہوئے ظلم و ستم کرنے میں حد سے تجاوز کرنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار مکہ کو تہدید اور تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے کہ اگر تمہیں میری دعوت حق قبول نہیں تو سرزمین حرم مقدس پر لڑائی اور جھڑپ کیوں کرتے ہو۔ لڑائی جھگڑے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ

(پارہ ۳۰: سورۃ الکافرون، آیت ۶)

ترجمہ:- تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔ (کنز الایمان)

یعنی تمہارا کفر و شرک تمہارے لیے ہے اور اس کا دیاں تمہارے ہی سر پر ہے اور رہے گا اور میرے لیے میری توحید، میرا اسلام اور سچائی کی راہ ہے۔

اس وقت کا ماحول ایسا تھا کہ کفار مکہ کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد سالن میں نمک کی مقدار کی طرح تھی۔ کفار مکہ کے ظلم و ستم کی جوابی کارروائی کا قدم اٹھانا نقصان دہ تھا۔ وقت کا تقاضا بھی تھا کہ کفار مکہ سے تعرض نہ کیا جائے بلکہ مناسب وقت اور موقعہ آنے تک مہر کیا جائے۔ لہذا قرآن میں لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ حکم نازل ہوا۔

وقت اپنی تیز رفتاری سے گزرتا گیا۔ ظاہری نبوت کے اعلان کو تیرہ سال کا عرصہ گزر گیا کفار مکہ نے ان تیرہ سال کے عرصہ کے درمیان مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیا تھا۔ ظلم و ستم غلو کی حدیں بھی سچاؤ ذکر چکے تھے۔ یہاں تک کہ شیخ نجدی (شیطان) کی معیت و موجودگی میں "دارالندوہ" میں کفار مکہ کے سرداروں نے میٹنگ بلائی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے شب میں ہی مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں آفتاب اسلام کی تابناکی شباب پر آئی اور لوگ جوق در جوق اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہونے لگا اور اچھی خاصی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ کفار مکہ کے ایماء و اشارہ پر مدینہ منورہ کے کفار و شرکین اور یہودیوں نے سرشی اور شرارتیں شروع کیں۔ لیکن صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مہر سے کام لیتے تھے اور جو یہ مکہ معظمہ میں اپنایا تھا یعنی لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ پر عمل کرتے ہوئے جوابی کارروائی سے باز رہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مکہ معظمہ میں کفار و شرکین کے ظلم و ستم کا جواب دیتے ہوئے جنگی اقدام اٹھانے مضر اور نقصان دہ تھے لہذا وہاں سورۃ

انکافروں نازل ہوئی اور ”لَکُمْ وَيُنْفِکُمْ وَلَیْسَ بِکُمْ مَدِیْنَةُ مَدِیْنَةٍ“ کا حکم نافذ فرمایا گیا لیکن اب مدینہ منورہ کا دیگر ماحول تھا۔ اسلام نے تقویت حاصل کر لی تھی اب مدینہ طیبہ میں ”لَکُمْ وَيُنْفِکُمْ وَلَیْسَ بِکُمْ مَدِیْنَةُ مَدِیْنَةٍ“ پر عمل کرتے ہوئے خاموش بیٹھا رہنا نقصان دہ ہے کیونکہ کثرت تعداد کے باوجود بھی کچھ نہ کرنا اور سر پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کمزوری اور بزدلی میں شمار ہوگا۔ لہذا ۳ھ میں مدینہ طیبہ میں سورۃ الحج نازل ہوئی اور سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۹ ”اِذِیْنِ لِّلَّذِیْنِ الْخَبْرُ“ نازل ہوئی۔ یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس آیت سے کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد اور قتال کرنے کا حکم نافذ ہوا۔

نور فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا کتنا عظیم ہے۔ مکہ معظمہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاد و قتال سے منع کیا گیا تھا۔ حالانکہ صحابہ کرام روڑا نہ کھانے کفار مکہ کے ہاتھوں زخمی ہو کر خدمت اقدس میں آتے تھے اور کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کی فریادیں کرتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کو مبرا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مجھے قتال و جہاد کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے جب مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت فرمائی تو اس کی اجازت دی گئی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چونکہ مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین بہت زیادہ تعداد میں تھے اور ان کو اقتدار و طلبہ حاصل تھا، جب کہ مسلمان بہت کم، خال خال اور کمزور تھے۔ اس بنا پر رب العزت کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جہاد و قتال کی مشرعویت کو اس وقت تک مؤخر رکھا جائے جب تک کہ محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو جائیں۔ چنانچہ جب حضور اقدس مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور صحابہ کرام کی جمعیت اچھی خاصی تعداد میں ہو گئی، تب سورۃ الحج کی آیت ۳۹ کے ذریعہ جہاد و قتال کی مشرعویت مستقل طور پر ہوئی۔

۳ھ میں جہاد و قتال کی اجازت عطا ہونے کے بعد غزوات اور سرایا کا آغاز ہوا۔ اور حسب ذیل غزوات اور سرایا وقوع پذیر ہوئے۔

۵۲۔ ۵۔ غزوات :- (۱) جنگ بدر (۲) جنگ بدر (۳) ابواء (۴) بواط
(۵) عثیرہ (۶) سوئیق (۷) قرقر تا لکھنی (۸) غزوہ

قیصاع

۱۔ دارقلم (۲) سعد بن ابی وقاص (۳) عبد اللہ بن

سرایا :-

حس (۳) عمیر بن عدی (۵) سالم بن عمیر

نوٹ :- غزوات جمع ہے غزوہ کی۔ اور غزوہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود تشریف لے گئے ہوں۔

سرایا جمع ہے سریہ کی اور سریہ اس لشکر کو کہتے ہیں کہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود تشریف نہ لے گئے ہوں بلکہ اپنے اصحاب کو کسی کی سرداری میں دہشتوں کے مقابلہ میں بھیج دیا ہو۔ مثال کے طور پر ۲ھ میں خرار نام کی پتھروں کی وادی جو جحفہ کے قریب ہے اس کی طرف حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس لشکر کے لیے سفید علم (Flag) تیار کیا گیا تھا اور حضرت مقداد بن الاسود اس کے علمبردار تھے۔ اس سریہ کا نام سریہ سعد بن ابی وقاص مشہور ہے۔

۵۳۔ ۵۔ غزوات :- (۱) جنگ احد (۲) غزوہ غطفان (۳) غزوہ نجران

۱۔ سریہ قردو (۲) سریہ رقیع (۳) سریہ ابوسلمہ مخزومی

سرایا :-

(۳) سریہ عبد اللہ بن انیس

۵۴۔ ۵۔ غزوات :- (۱) غزوہ بنی نضیر (۲) غزوہ بدر صغریٰ

۱۔ سریہ بیر معونہ

سرایا :-

۵۵۔ ۵۔ غزوات :- (۱) غزوہ مریسج (غزوہ بنی المصطلق) (۲) غزوہ احزاب

(شدق) (۳) غزوہ بنو قریظہ (۴) غزوہ دوسرے الجندل

سرایا :-

(۱) سریہ ابوعبیدہ بن الجراح بجانب سیف البحر

۱۰۶ ۱) غزوہ ذات الرکاح (۲) غزوہ ذی قرد (۳) غزوہ بنی مویان

۲) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی کلاب (۲) سریہ محمد بن

مسلمہ بجانب بنی ثعلبہ (۳) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب نجد

(۴) سریہ عکاش بن حصن بجانب بنی اسد (۵) سریہ زید بن

حارثہ برمویع جوم (۶) سریہ زید بن حارثہ برمویع ضعیف

(۷) سریہ زید بن حارثہ بجانب وادی القرئی (۸) سریہ زید

بن حارثہ بجانب ام قرقہ (۹) سریہ زید بن حارثہ بجانب

طیف (۱۰) سریہ زید بن حارثہ بجانب بکشی (۱۱) سریہ زید

بن حارثہ بجانب وادی القرئی بار دوم (۱۲) سریہ عبدالرحمن

بن عوف بسوئے بنی کعب (۱۳) سریہ عبداللہ بن رواحہ

بسوئے اسیر بن رزم یہودی بمقام خیبر۔

مندرجہ بالا وضاحت کے مطابق جہاد اور قتال کی اجازت عطا ہونے کے بعد یعنی

۱۰۷ سے ۱۰۶ تک کل بیس (۲۰) غزوات اور چوبیس (۲۴) سرایا واقع ہوئے۔ ان تمام

محاذات میں اسلامی لشکر نے فتح و کامیابی حاصل کی اور کفار، مشرکین و یہود کو شکست فاش

ہوئی۔ ان غزوات اور سرایا کے نتائج نے دشمنوں کو مغلوب، مرعوب اور خوف زدہ کر دیا۔ اسلام

اور مسلمانوں کا زعب و دہدہ چھا گیا اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔

۱۰۸ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے

کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے لیکن قریش مکہ مانع ہوئے لہذا آپ مکہ معظمہ

سے نو (۹) میل کے فاصلہ پر واقع حدیبیہ نام کے مقام پر ٹھہرے۔ وہاں کل بیس (۲۰) دن

آپ نے اقامت کی۔ حدیبیہ میں "بیعت رضوان" اور "صلح حدیبیہ" کے واقعات وقوع پذیر

ہوئے جن کا ذکر یہاں نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب "خیبان" نام کے

مقام پر پہنچے اور ایک روایت میں ہے کہ جب "کراخ العظیم" نام کے مقام کے قریب پہنچے تو

سورۃ الفتح "انما فتحناک فتحا مبغض" بارہ (۲۶) نازل ہوئی۔ اس مقدس سورت کی

ایک آیت تلاوت کرنے کا شرف حاصل کریں:-

”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ ذِكْرًا عَلَى الْكَافِرِينَ
وَحَقًّا، يَبْلُغُهُمْ“

(پارہ: ۳۶، سورۃ الحج، آیت: ۲۹)

ترجمہ:- ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت
ہیں اور آپس میں نرم دل“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (کنز الایمان)

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی
صفت بیان کی جا رہی ہے کہ ”کافروں پر سخت ہیں“ یعنی اب مکہ منظرہ کی طرح ظلم و ستم
برداشت کرتے ہوئے تھکے پیٹے ہیں۔ والامعاملہ نہیں بلکہ اب حالات تبدیل
ہو گئے ہیں۔ اب کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کا دندان شکن جواب دیا جائے گا۔ چنانچہ:-

○ ۷۔ غزوات:- (۱) غزوہ خیبر (۲) غزوہ وادی القری

○ سرایا:- (۱) سریہ فدک (۲) سریہ ابوبکر صدیق (۳) سریہ عمر بن

الخطاب (۳) سریہ بشیر بن السعد انصاری (۵) سریہ غالب

لشی بجانب مکہ (۶) سریہ غالب لشی بجانب بنی الملوخ

○ ۸۔ غزوات:- (۱) غزوہ حنین (ہوازن) (۲) فتح مکہ (۳) غزوہ طائف

○ سرایا:- (۱) سریہ موتہ (۲) سریہ غالب لشی یسوع کدید (۳) سریہ

عمر و بن العاص بجانب ذات السلاسل (۴) سریہ الخط

(۵) سریہ ابوعافرا شمری (جنگ او طاس)

یعنی صرف دو سال کے قلیل عرصہ میں کل پانچ (۵) غزوات اور گیارہ (۱۱) سرایا وقوع

میں آئے۔

سورۃ الفتح نازل ہونے کے دو سال کے بعد یعنی ۷ھ اور ۸ھ دو سال کی مدت میں

کل پانچ (۵) اہم غزوات اور گیارہ (۱۱) سرایا وقوع ہوئے۔ خیر، غزوہ حنین اور

غزوہ فتح مکہ نے ملک عرب کے کفار اور مشرکین نیز یہود و نصاریٰ کی کمریں توڑ دیں اور انہیں پسپا کر کے رکھ دیا۔ اسلامی لشکر کی حیثیت اور دبے سے دشمن لرزے اور کانپنے لگے اور اسلام نے ایسا غلبہ حاصل کیا کہ اعدائے دین میں اب آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت تک باقی نہیں تھی۔ ایک طرف سے کفار، مشرکین اور یہود کا معرکہ جنگ میں شکست اور ہزیمت آٹھانا، ان کی فوجی طاقت کا نیست و نابود ہونا، ان کے معاہدین کا جان بچانے کی خاطر اوھر اوھر متفرق علاقوں میں منتشر ہونا اور دوسری طرف سے اسلامی لشکر کی فتوحات اور فتوحات کے ذریعہ کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا مالی، اقتصادی اور فوجی اعتبار سے مضبوط و قوی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کا حم غیر و غیرہ جو بات کی بناء پر اب مسلمانوں نے ایسا غلبہ حاصل کر لیا کہ اب کفار و مشرکین کی کسی قسم کی زیادتی اور شرارت کا بڑھ چڑھ کر منہ توڑ جواب دینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ جب ایسا ماحول قائم ہو گیا تب قرآن مجید کی سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔ ایک حوالہ سورۃ کے وقت نزول کے متعلق پیش خدمت ہے۔

”سورۃ التوبہ ۹ یعنی فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئی ہے۔“

(حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص: ۳۲۶)

اب ہم سورۃ التوبہ شریف کی ایک آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کرتے ہیں:-

”فَاتَّقُوا اللَّهَ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
وَإِخْصِرْ لَهُمْ وَاغْلُظْ لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ“

⑤ = پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۵ = ⑤

ترجمہ:- ”تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔“
(کنز الایمان)

اس آیت کے ہر لفظ اور ترجمے پر غور فرمائیں، اس آیت کو مفسرین کرام کی اصطلاح میں آیتِ نکتہ ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے سے سورۃ الکافرون کی آیت ”لَكُمْ

وَيُنْفِكُمْ وَلَيْسَ يُدِينُ" منسوخ ہوئی ہے۔ سورۃ الکافرون کی مذکورہ آیت کی سیر میں لکھا ہے کہ:-

"هَذِهِ الْآيَةُ مَنسُوخَةٌ بِنَايَةِ الْقِتَالِ"

ترجمہ:- "یہ آیت منسوخ ہے آیت قال سے۔" (حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۰۸۵)
صرف آیت قال ہی نہیں بلکہ پوری سورۃ التوبہ میں کفار، مشرکین اور منافقین کے ساتھ شدت اور سختی کے ساتھ جہاد و قتال کرنے کے احکام نازل ہوئے ہیں۔ مثلاً:-

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ
وَمَا لَهُمْ خَفَرٌ ۖ وَيَنْصَرُّ الْفَاسِقُ"

⊙ = پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۷۳ = ⊙

ترجمہ:- "اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانہ و دوزخ ہے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی ہے۔"
(کنز الایمان)

سورۃ التوبہ کی تفسیر میں ہے کہ:-

⊙ "اس سورت کے اوّل میں بِسْمِ اللّٰہ نہیں لکھی گئی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورت کے ساتھ بسم اللہ لے کر نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ حضرت علی رضی عنہ سے مروی ہے کہ: بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت کھوار کے ساتھ امن اٹھا دینے کے لیے نازل ہوئی ہے۔" (حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص: ۳۳۶)

یہاں تک کہ تفصیلی وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورۃ کافرون مکہ معظمہ میں ہجرت اقدس سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اُس وقت کے ماحول کی سنگین اور نزاکت و نیز کفار

فلاں پیشوائے اپنی فلاں فلاں کتاب میں حضور اقدس جان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اس معاملہ میں تمہارا کیا کہنا ہے؟ جب وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے اور لوگوں کو فریب دینے کے لیے اسی آیت کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں انہیں برا بھلا کہنے کا کوئی حق نہیں۔ جب کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے تو یہ حضرات تو بہت بڑے عالم تھے۔ ان کو کافر و مرتد کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ان کے اعمال ان کے ساتھ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ اس معاملہ میں ہمیں کچھ بھی نہیں کہنا چاہیے۔ یہ عالموں اور مولویوں کے جھگڑے ہیں۔ ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ دین کے معاملہ میں جھگڑا و فساد نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** یعنی "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین"

واہ! صاحبِ دوا! جب اپنے پیشواؤں کے کفریات کا معاملہ درپیش ہوا تو فوراً قرآن مجید کی آیت **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** پیش کر کے رفع دفع کر دیا۔ اگر واقعی تم اس آیت پر صحیح معنی میں عمل کرتے ہو تو پھر یہ رسول اللہ! کہنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے کو درودِ تاج پڑھنے والے کو انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے توسل و استدعا طلب کرنے والے کو رسول اللہ کا حاضر و ناظر ماننے والے کو اور دیگر عقائدِ حقہ صحیحہ رکھنے والے کو کیوں کافر و مشرک کہتے ہو؟ جب کیوں نہیں کہتے کہ جب کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے تو کروڑوں کی تعداد میں کلمہ گو اور اسلام کے پابند مسلمانوں کو کافر کیسے کہیں؟ جب ہمیں **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** آیت کیوں یاد نہیں آتی؟ جب ہمیں اور تمہارے پیشواؤں کو لرزہ کیوں نہیں آتا؟ جب اس آیت کا کیوں لحاظ نہیں کرتے؟ بلکہ جرات و دلیری سے قلم کے ایک جھٹکے سے لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں پر کفر اور مشرک کے فتوے کیوں توہچے ہو؟ تمہارے پیشواؤں نے کن کن مسلمانوں کو کافر و مشرک کہا ہے وہ نظرِ واحد میں ملاحظہ کرو:-

① عبدالنبی، عبدالرسول، نبی بخش، علی بخش، غلام محی الدین، غلام حسین وغیرہ

نام رکھنے والا مشرک ہے (تقریباً ۱۰۰۰ ملازمین، ملازمین، ملازمین)

○ انبیائے کرام کو حاضر و ناظر سمجھنے والا اور انہیں پکارنے والا مشرک ہے۔ (تقریرت الایمان)

○ ”اللہ اور رسول نے چاہا تو قلائد کام ہو جائے گا“ ایسا کہنے والا مشرک ہے۔ (بہشتی زیور: مولوی تھانوی)

○ انبیاء و اولیاء کے لیے تعریف کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔ (تقریرت الایمان)

○ یا رسول اللہ کہنے والا مشرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، از: مولوی رشید احمد گنگوہی)

○ سہرا باندھنے والا مشرک ہے۔ (بہشتی زیور)

○ کسی ولی کی قبر پر غلاف اور چادر ڈالنے والا مشرک ہے۔ (تقریرت الایمان)

○ درود تاج پڑھنے والا مشرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

○ کسی کی قبر یا درگاہ کا مجاور بن کر بیٹھنے والا، درگاہ سے رخصت ہوتے وقت

اُٹنے پاؤں چلنے والا، درگاہ کے کنویں کے پانی کو متحرک سمجھ کر پینے والا

اور درگاہ پر روشنی کرنے والا مشرک ہے۔ (تقریرت الایمان)

یہ تو صرف چند نمونے ہیں جو تہہ ہرے پیشواؤں نے شرک کی مشین گن سے شرک کے

گولے (فتوے) کے طور پر ملت اسلامیہ کے کروڑوں کلر گوپر برسائے ہیں۔ اندازہ لگاؤ کہ

مندرجہ بالا اقتباسات میں مرقوم شرک کے فتاویٰ کی ضد میں کتنے مسلمان آگئے؟ کتنی کثیر تعداد

میں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں تم نے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہہ دیا؟ شرک کے مندرجہ بالا

فتوے مسلمانوں کے سروں پر تھوپتے وقت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ آیت کیا تم بھول گئے

تھے؟

○ کافر کو کافر کہنا چاہیے یا نہیں؟

صلح کیت کی مذموم ہوا پھیلاتے ہوئے دور حاضر کے منافقوں نے یہ بات اس قدر

رائج و عام کر دی ہے کہ ”کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے“۔ اور اس باطل نظریے کے ثبوت میں

قرآن مجید کی سورۃ الکافرون کی آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کی من گھڑت تفسیر و تشریح

پیش کرتے ہیں اور ان کے دام فریب میں آکر بہت سے لوگ ایسا نظریہ قائم کر لیتے ہیں۔ کافر کو یقیناً اور ضرور کافر ہی کہا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات، احادیث کریمہ اور ائمہ دین کی کتب معتبرہ شاید عادل ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس عنوان پر تفصیلی بحث کی جائے۔ اس عنوان کی وضاحت و تفہیم کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہاشمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستقبل قریب میں اس عنوان پر فقیر راقم الحروف ہبوط بحث پر مشتمل تصنیف ارقام کرنے کا عزم مضبوط رکھتا ہے۔ یہاں اشارہ اور کتنا چندانہ اہم نکات قارئین کی فرحت طبع کی خاطر پیش خدمت ہیں۔

(۱) "کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے" ایسا کہنے والا خود ہی اپنے جال میں پھنس رہا ہے۔ اس سے یہ سوال کرو کہ کس کو کافر نہیں کہنا چاہیے؟ تو جواب دے گا کہ کافر کو۔ یعنی تم نے تو پہلے اس کو "کافر" کہہ دیا۔ اسی لیے تو کہتے ہو کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔ تمہارے اس جملہ میں تم نے اس کے کافر ہونے کا اقرار و اعتراف کر لیا اسی لیے تو اسے کافر مان کر کافر کہہ رہے ہو۔ عجیب بات ہے کہ کس کو کافر کہنے سے منع کر رہے ہو؟ کافر کو۔ اسی کو مدہوش کا جنونی خیال کہا جاتا ہے کہ خود تو اسے کافر کہیں، بحیثیت کافر ہی اس کا ذکر کریں اور اوپر سے یہ بے نیکی بائکتے ہوئے اوروں کو نصیحت دینیہ کرنا کہ اسے کافر مت کہو۔ یعنی کافر ہے، ہم کافر کہتے ہیں لیکن کافر کہنے سے منع بھی کرتے ہیں۔ کافر ہے اسی لیے تو کہتے ہیں کہ کافر کو کافر مت کہو۔

(۲) "کافر کو کافر کیوں نہیں کہنا چاہیے؟"۔ جب یہ سوال ان منافقوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تو جواب دیتے ہیں کہ کافر کو کافر اس لیے نہ کہنا چاہیے کہ نہ جانے کب اسے اللہ ہدایت عطا فرما دے اور وہ مسلمان ہو جائے؟ واد جناب! بڑی دھڑکی اور لمبی سوچی۔ اگر یہی بات ہے تو پھر کسی بھی مسلمان کو مسلمان مت کہو کیونکہ نہ جانے کب اسے شیطان بہکا دے اور وہ دین

اسلام سے منحرف ہو کر کافر ہو جائے؟ اور ایسے بہت سے واقعات کتب احادیث و کتب سیر و تواریخ میں درج ہیں کہ ایمان لانے کے بعد مشہور و معروف شخصیتیں بھی بعد میں کافر و مرتد ہوئی ہیں۔ مثلاً:-

مسلم بن ثمامہ کذاب کہ جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ ”مسلمہ الکذاب“ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ جھوٹا دعویٰ نبوت مسلمہ کذاب ۱۱ھ میں قبیلہ بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ لیکن بعد میں مرتد ہو کر کافر ہو گیا۔ خلافت مدنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید ”سیف اللہ“ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوبیس ہزار کا لشکر لے کر مسلمہ الکذاب کے چالیس ہزار کے لشکر سے مقابل ہوئے۔ اس جنگ کا نام ”جنگ یمامہ“ ہے۔ جو ۱۱ھ میں ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمہ الکذاب مارا گیا۔

”ابن حنظل“ نام کا ایک شخص کہ جس کا پورا نام عبدالعزیٰ ابن حنظل تھا۔ وہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام عبدالعزیٰ بدل کر عبد اللہ رکھا۔ یہ شخص کاسپ وحی کی خدمت بھی انجام دیتا تھا یعنی حضور اقدس پر جو وحی نازل ہوتی تھی، اسے آپ مختلف کتابوں سے لکھوایا کرتے تھے۔ ان کتابوں میں عبدالعزیٰ ابن حنظل بھی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اس کے قبیلہ میں بھیجا۔ تو وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے دن ابن حنظل نے اپنی جان بچانے کے لیے خانہ کعبہ کی پناہ لی اور خانہ کعبہ کے خلاف سے پلٹ کر صحن کعبہ کی طرف دوڑا۔ اس کی اطلاع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابن حنظل، اے اللہ! اس کی جان بچاؤ۔“

اطلاع دیتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابن نخل کعب کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے۔ حضور اقدس نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ چنانچہ اسے خانہ کعبہ کے خلاف سے لپٹی ہوئی حالت میں قتل کر دیا گیا۔

(حوالہ:- مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۹۶۲)

جلیل ابن اسلم غسانی کہ جو قبیلہ بنو غسان کا سردار تھا۔ وہ خلافت فاروقی میں امیر المؤمنین خلیفہ المسلمین، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لا کر مسلمان ہوا لیکن بعد میں کافر و مرتد ہو گیا اور ملک شام چلا گیا۔ ہرقل بادشاہ سے ملا اور ہرقل بادشاہ نے اسے اسلامی لشکر کے ساتھ لڑنے جنگ یرموک میں ساتھ ہزار نصرانی عربوں کا سردار بنایا تھا۔ جس کی مفصل تفصیل حقیر و فقیر، سراپا تنقیر، راقم الحروف کی کتاب ”سرکھاتے ہیں تیرے نام پر مردان عرب“ میں درج ہے۔

ایسے تو کئی واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے صرف تین واقعات پر اکتفا کیا ہے۔ ان واقعات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایمان لانے کے بعد بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کریں جن میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانے والے افراد کا ذکر ہے۔

آیت نمبر ۱:-

”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا زَلْزَلُوا
كَفَرُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَتَغَيَّرَ لَهُمْ وَلَا لِيُهْدِيَهُمْ سَبِيلًا“

(پارہ ۵۰، سورۃ النساء، آیت: ۱۳۷)

ترجمہ:- ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے، اللہ ہرگز نہ انہیں ہدایت دے گا، نہ انہیں راہ دکھائے۔“ (کنز الایمان)

آیت نمبر ۲:-

marfat.com

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

(پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۶۶)

ترجمہ:- ”بھانے نہ بناؤ، کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔“ (کنز الایمان)

آیت نمبر: ۳-

وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ

(پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۷۳)

ترجمہ:- ”اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آ کر کافر

ہو گئے۔“ (کنز الایمان)

ایسی کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ہم نے اختصار اختیار کرتے ہوئے صرف تین آیات ہی تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان آیات پر اور آیات کے ماقبل حدیث کے تین واقعات پر بھی کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا۔ انشاء اللہ اس عنوان پر ہم نے جس کتاب لکھنے کا عزم کیا ہے اس میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرتا ہے کہ قرآن حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان لانے کے بعد بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے اس کو کافر ہی کہا جائے گا اور اس کے ساتھ کافر جیسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ تو جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے، ایسے شخص کو جب کافر کہا جاسکتا ہے تو اس شخص کو کیوں کافر نہیں کہا جائے گا جو پہلے ہی سے کافر ہے اور اب بھی اپنے کفر پر جما ہوا ہے۔ جو شخص جیسا آج ہے ویسا ہی اُسے کہا جائے گا۔ کل وہ کیا بن جائے گا؟ اُس کو آج قیاس کیسے کر سکتے ہیں؟ شریعت کا حکم اس کی آج کی موجودہ ظاہری حالت ہی پر نافذ ہوگا۔ اس کی آئندہ کل کی ممکن حالت کو قیاس کر کے اس کی آج کی حالت کے متعلق جو شرعی حکم ہے اسے موقوف یا رد نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسی آیات پائی جاتی ہیں جن میں لوگوں کو ان کی موجودہ حالت کے بموجب ذکر کیا گیا ہے یا خطاب کیا گیا ہے۔ مثلاً:-

(۲) اِلَیْہِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا = بے شک ایمان والے

(۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا = اے ایمان والو

(۴) اَلْمُؤْمِنُوْنَ = ایمان والے

(۵) اَلْمُؤْمِنَات = ایمان والیاں

❖ کافروں کے لیے :-

(۱) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا = اور وہ جنہوں نے کفر کیا

(۲) اِلَیْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا = بے شک کفار

(۳) یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ = اے کافرو

❖ شرکوں کے لیے :-

(۱) اِنَّا الْمُشْرِکُوْنَ = بے شک مشرک لوگ

(۲) وَالْمُشْرِکِیْنَ = اور مشرکوں

(۳) مُشْرِک = مشرک

ایسی تو قرآن کی آیت کے حوالے سے سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ قرآن میں جس طرح مؤمن کو مؤمن، کافر کو کافر اور مشرک کو مشرک فرمایا گیا ہے اسی طرح :-

❖ یہودیوں کو اَیْہُوْد ❖ نصرانیوں کو اَلنَّصٰرَیْ ❖ منافق مردوں کو اَلْمُنٰفِقِیْنَ

❖ منافق عورتوں کو اَلْمُنٰفِقٰت ❖ ظالموں کو اَلظّٰلِمُوْنَ اور اَلظّٰلِمِیْنَ ❖ سرکشوں کو

طٰغِیْنَ ❖ شیطان اور اس کے گردہ کو اَلشَّیْطٰنُ، اِبْلِیْسُ اور اَلشَّیْطٰنِیْنَ ❖ گندے یعنی

خبیث مردوں کو اَلْخَبِیْثِیْنَ ❖ گندیاں یعنی خبیث عورتوں کو اَلْخَبِیْثٰت ❖ جھوٹ

بولنے والوں یعنی جھوٹوں کو اَلْکٰذِبِیْنَ ❖ بے حکم لوگوں یعنی فاسقوں کو اَلْفٰسِقِیْنَ اور

اَلْفٰسِقُوْنَ ❖ زنا (پرانی عورت سے بدکاری) کرنے والے مرد کو الزّٰنِی ❖ زنا کرنے والی

عورت کو الزّٰنِیَّۃ ❖ چوری کرنے والے مرد کو اَلْمُسٰرِق ❖ چوری کرنے والی عورت کو

اَلْمُسٰرِقَۃ ❖ جرم کرنے والے کو اَلْمُجْرِم ❖ اچانک سے اچانک کو اَلْمُتَنَبِّہ اور

اَلْمُتَنَبِّہۃ ❖ اچانک سے اچانک کو اَلْمُتَنَبِّہ اور اَلْمُتَنَبِّہۃ ❖ اچانک سے اچانک کو اَلْمُتَنَبِّہ اور

۵ اندھے کو غنی اور اعمیٰ ۵ گونگے کو بچم ۵ بہرے کو صم ۵ اور اسی طرح دیگر افراد کو ان کی اسلیت اور خصلت کے مطابق اس کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

جو شخص جیسا ہے، اسے ویسا ہی کہا جائے گا۔ قرآن مجید کی بھی یہی تعلیم ہے۔ جو لوگ یہ تحریک چارہ ہے جس کو "کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے" وہ لوگ قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہم چارہ ہے جس۔ ایک قیاس اور گمان کی بناء پر کہا جا رہا ہے کہ کافر کو کافر اس لیے نہیں کہتا چاہئے کہ کتب اس کو ہدایت مل جائے اور وہ مؤمن ہو جائے۔ اس کا مؤمن ہو جانا یقینی نہیں ہے بلکہ قیاسی امکان ہے۔ امکان اور وہ بھی یقینی نہیں بلکہ قیاسی و خیالی ہے۔ ایسے خیال خام اور خواب و خیال فاسد جیسی بات کو دلیل اور سند بنا کر قرآن مجید کے صاف اور صریح احکام کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ شریعت کا حکم ہر شخص کی موجودہ اور ظاہری حالت پر ہی نافذ ہوتا ہے۔ وہم و گمان میں کسی کی مستقبل کی یقینی نہیں بلکہ انسانی حالت کو موجودہ حالت پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور اس کی کوئی وقعت اور اہمیت بھی نہیں۔ ایسا وہم و گمان غلط اور عقلاً باطل ہے۔ مستقبل میں کسی کی انسانی حالت کو زمانہ حال پر محمول کرنا تو دُر کی بات ہے بلکہ کسی کی مستقبل کی یقینی حالت کو بھی زمانہ حال پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً:-

۶ قرآن مجید کی آیت کُلُّ نَفْسٍ ذَاقَةُ الْمَوْتِ کے مطابق ہر جاندار کو موت کی آغوش میں جانا ہے۔ یعنی مردہ ہونا ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے، بلکہ اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش و امکان نہیں کہ ہر زندہ ایک دن ضرور مردہ ہونے والا ہے۔ لیکن کیا اس یقین کی بناء پر یہ کہنا درست ہے کہ زندہ آدمی کو زندہ موت کہو کیونکہ یقیناً وہ ایک دن مردہ ہونے والا ہے۔

۷ انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک مختلف طبقات سے اس کی زندگی گزرتی ہے یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا یقینی ہے۔ تو کیا یہ کہنا محض دُخرو کے دائرہ سے باہر نہیں کہ کسی شخص کو بچہ موت کہو کیونکہ وہ یقیناً جوان ہونے والا ہے اور کسی

جوان کو جوان مت کہو کیونکہ اس کے لیے بڑھا چکی ہے۔

- ⑤ باغبانی کا طریقہ یہ ہے کہ زمین میں پہلے بچ بویا جاتا ہے۔ پھر وہ بچ کو نیل بن کر بھوٹتا ہے۔ پھر وہ کو نیل رفتہ رفتہ پودے کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر وہ پودا پھول پھلتا ہے اور بالآخر وہ سایہ دار درخت بنتا ہے۔ یہ عام تجربہ کی بناء پر یقینی بات ہے۔ اب کوئی عقل کا ماریہ کہے کہ پودے کو پودا مت کہو کیونکہ وہ یقینی طور پر کب سایہ دار درخت ہو جائے؟

یہ تین مثالیں تو مستقبل میں یقینی طور پر حالت متبدل ہونے کی ہیں۔ جس کی حالت کا مستقبل میں تبدل ہونا یقینی ہے، پھر بھی اس یقین کی بناء پر اس کی موجودہ حالت کو مستقبل پر ہرگز محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے وہی کہا جائے گا جو اس کی اس وقت کی موجودہ حالت ہے یعنی زندہ کو زندہ، بچے کو بچہ، جوان کو جوان اور پودے کو پودہ ہی کہا جائے گا۔ جب یقین کے درجہ میں ہونے والے معاملے کو خاطر میں نہیں لایا جاسکتا تو منافقین زمانہ تو قیاس و گمان کرتے ہوئے امکانی درجہ میں کہتے ہیں کہ ”کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ نہ جانے کب وہ مسلمان ہو جائے۔“ اگر قیاس و امکان میں ہونے والی مستقبل کی حالت کو اہمیت دیتے ہوئے زمانہ حال کی موجودہ حالت کی حقیقت سے انکار کیا جائے گا تو آدمی کا جینا ذوق بھر ہو جائے گا۔ چند امکانی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

- ⑤ اپنی بیوی کو بیوی مت کہو، نہ جانے کب تم اسے خلاق دے دو اور تم سے طلاق حاصل کرنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس کی بیگم بن جائے؟

- ⑤ تمہارے گھر میں چوری کرنے کوئی چور کھسے تو ”چور آیا۔ چور آیا“ اور ”چور کو پکڑو“ مت جلاؤ، اس چور کو چور مت کہو، نہ جانے کب وہ چوری کے دھندھے سے توبہ کر کے دیا مندرا اور راست باز ہو جائے۔

- ⑤ ڈانڈی منڈانے والے کو خاسن مت کہو، نہ جانے وہ کب توبہ کرے

کتر اور نالی میں پہنچے ہوئے ناپاک اور گندے پانی کو ناپاک مت کہو، نہ جانے یہ کب سمندر میں جا ملے اور سمندر کے پانی میں مل کر پاک اور صاف ہو جائے۔

جابل کو جابل مت کہو نہ جانے کب علم سیکھ کر عالم ہو جائے۔

دودھ کو دودھ مت کہو نہ جانے دو کب ذبی یا چھچھ بن جائے۔

درخت کو درخت مت کہو نہ جانے کب وہ کٹ کر لکڑی بن جائے اور لکڑی کو بھی لکڑی نہیں کہنا چاہیے نہ جانے کب وہ جل کر کوئلہ ہو جائے اور کوئلہ کو بھی کوئلہ مت کہو نہ جانے کب دودھ اکھ ہو جائے۔

ناپاک کپڑے کو ناپاک مت کہو نہ جانے کب اسے دھو کر پاک کر لیا جائے۔

آنکھ والے کو آنکھیا رہ مت کہو نہ جانے کب وہ اندھا ہو جائے۔

لذیذ عمدہ کھانوں اور بھل و میرات کی مرغوب خوشبو کی وجہ سے اسے خوشبو دار مت کہو نہ جانے کب وہ کھائے جانے کے بعد بدبودار پاخانہ ہو جائے۔

شرابی کو شرابی مت کہو نہ جانے کب وہ نمازی ہو جائے۔

نافرمان کو نافرمان مت کہو نہ جانے کب وہ فرمانبردار ہو جائے۔

دن کو دن مت کہو، ہو سکتا ہے کہ آفتاب غروب ہونے پر وہ رات ہو جائے۔

رات کو رات مت کہو، نہ جانے کب آفتاب طلوع ہو جائے اور دن ہو جائے۔

دوست کو دوست مت کہو نہ جانے کب وہ دشمن ہو جائے اور اسی طرح دشمن کو بھی دشمن نہ کہو، نہ جانے کب وہ بددوست ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ

”نہ جانے کہہ رہا ہے“ ”اے“ ”جانے کب وہ بددوست ہو جائے“ ”کوئی دیکھ کر ایسی سٹیکڑوں

بلکہ ہزاروں سال پہلے ہی کی دیکھتی تھیں کہ "نور ہو سکتا ہے کہ" کا بعد استعمر
 کر کے آئی تھی بات کا قابل التفات وہ ثابت ہوتی ہے۔ لکھا بات وہ ہیں، سند جانا کمال پر تو تھی
 ہے۔ منافقین نہ ان کا نظریہ کہ "کا فر کو کا فر نہیں کہنا چاہئے یہ سخت جانے اور ہو سکتا ہے کہ وہ کب
 مسلمان ہو جائے۔" یہ نظریہ بھی ہر مصلحت اور عقل و انصاف کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن
 و حدیث کے صاف صریح ارشادات کی مخالفت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث پر یہ کسی قطعی
 دلیلوں کے مقابلے میں انکی خیالی، قیاسی اور نہ کافی بات کو بطور دلیل و حق قیاس پیش کر سکتا ہے،
 جس کی عقل کے کھڑے ذہن سے ہول یہ سمجھ جائے جو کفر و عتاشی، بہت دھڑلے اور مزہ زورنی کرتے
 ہے اور اس کا مقصد ملت اسلامیہ کے سیدھے سادے اور بھولے بھالے لوگوں کو بہکا
 کر کفر اور بدعت و خلافات پہ چلا کر بدعتی کا بازو گرم کر کے کفر و عتاشی پر پا کرنا ہے۔

اگر حجاز اٹھارہ حاضر کے منافقین کا نظریہ "کا فر کو کا فر نہیں کہنا چاہئے" اس جہ سے
 قبول کر لیا جائے کہ "تہ جانے وہ کب مسلمان ہو جائے" تو پھر کسی کو کچھ بھی نہیں کہہ سکیں
 گے۔ دیکھ لیتے کہ اچھا کہہ سکیں گے اور نہ ہی نہ کہہ سکیں گے کیونکہ نہ جانے اچھا کب بُرا
 ہو جائے اور نہ نہ جانے کب اچھا ہو جائے۔ ہر شخص کی زبان پر تالا لگ جائے گا۔ دنیا کی کسی
 بھی زبان میں کسی کو کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے، کیونکہ کچھ بھی کہتے وقت یہ احتمال لاحق ہوگا کہ
 ہو سکتا ہے یا نہ جانے کب وہ ایسے میں سے دیا ہو جائے۔

(۳) یہاں تک جو مختصر گفتگو کی گئی ہے اس گفتگو کے مطابق منافقین زمانہ کے

"کا فر کو کا فر نہ کہنا چاہئے" والے فاسد نظریہ کا جواب دیا جاتا ہے تو وہ یوں لکھا
 جاتا ہے اور "ہر فرعونے راموسی" والی مثل کے مطابق وہ "فرقی نکل" ہونے
 کے بجائے نکل و حلا (بے حیا) اور نکل بگڑا (بے عقل) ہو کر اپنی نکل جلی کا
 ثبوت دیتے ہوئے فوراً گفتگو کا رخ پلٹ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب آپ تو
 خرافات و مشعل اور براہین ہو گئے۔ آپ کا مطلب نہیں سمجھئے۔ کا فر کو کا فر
 مت کہہ سہ طارق مراد یہ ہے کہ کسی بھی کا فر کو "مسکافر" کہہ کر کھلم نہیں
 کرنا چاہئے۔

وہ ذہیب کے خلاف ہے۔ نیز اس کافر صاحب کی دل آزمائی بھی ہے لہذا کسی کافر کو "اے کافر" کہہ کر نہیں پکارتا چاہے اور یہی مطلب ہے ہمارے منقولے "کافر کو کافر نہیں کہتا چاہیے" کا جو آپ نہیں سمجھے۔

اسی کو کہتے ہیں سمجھ کا لٹی ہوتا اور سمجھ پر پتھر پڑتا۔ خود تو نا سمجھی کی بات کریں دوسروں کو سمجھ بوجھ سے سمجھوتا کرنے کی نصیحت کریں۔ "کافر کو اے کافر کہہ کر نہیں پکارتا چاہیے" یہ نظریہ بھی سراسر غلط اور قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہے۔ جس سورت کی آخری آیت **لَكُمْ دِينُكُمْ وَذَلِكَ فَتْنٌ** کی غلط تفسیر و تخریج پیش کر کے منافقین زمانہ صلح کلیت کا مہلک مرض پھیلا رہے ہیں، اسی سورت یعنی سورۃ الکافرون کی پہلی آیت تلاوت کریں:-

"قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ"

⊙ = پارہ: ۳۰، سورۃ الکافرون، آیت: ۱ ⊙

ترجمہ:- "تم فرماؤ اے کافرو!" (کنز الایمان)

آیت کریمہ کا ترجمہ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ آیت کے شروع میں لفظ "قُلْ" وارد ہے۔ جو "قَوْلٌ" مصدر کا میضہ اسر ہے یعنی لفظ "قُلْ" کے ذریعہ کہنے کا حکم فرماتا ہے۔ کیا کہنے کا حکم فرماتا ہے؟ اور کس کو کہنے کا؟ تو جواب صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ "کافروں کو اے کافرو! کہو! ایسا حکم اپنے محبوب کو اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو فرماتا ہے۔ ثابت ہوا کہ کافر کو "اے کافر" کہتا قرآن سے ثابت ہے۔ نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ:-

⊙ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر کو اے کافر کہو۔

⊙ منافقین زمانہ کہتے ہیں کہ کافر کو اے کافر مت کہو۔

قارئین فیصلہ فرمائیں ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہے یا منافقین زمانہ کا؟ کافر کو کافر کہنے یا نہ کہنے کے معاملہ میں منافقین زمانہ آؤٹ پناغہ دیلیں پیش کر کے آپ اپنے دامن میں میاں آگیا جیسی حالت سے دوچار ہوتے ہیں لیکن پھر بھی "رسی جل جلی پر جل نہیں گیا" والی کہادت پر عمل

کرتے ہوئے سورۃ الکافرون کی مذکورہ آیت کی مزید ناپ شاپ تاویل کرتے ہیں۔ اُس وقت ان کی حالت ”میاں ناک کاٹنے کو پھریں بیوی کہے مجھے نہ گمراہی“ کی طرح خراب ہوتی ہے۔

اس بحث کو مزید طول نہ دیتے ہوئے ہم اسے یہیں اختتام پر پہنچاتے ہیں۔ اس عنوان کے سلسلہ میں منافقین زمانہ کی تمام ریشہ دانیوں کا انکشاف ہم ہماری اس عنوان پر لکھی جانے والی کتاب میں تفصیل و صراحت سے بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ و انشاء جیب)

اس وقت ہم ”قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کو دلیل بنا کر کوئی عقیدہ یا عمل مقرر کرنا گمراہیت و بے دینی کا دروازہ کھولتا ہے“ عنوان کے تحت گفتگو کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہری لغوی معنوں کو لے کر قرآن مجید کو سمجھنا محال ہے۔ بلکہ گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً ”اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے ظاہری لغوی معنی اخذ کر کے منافقین زمانہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادبی اور گستاخی کر کے گمراہ ہوئے۔ ان کی گمراہیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے پیشواؤں نے ان کو ایسی ذہنیت و جرات دلائی ہے کہ بے پڑھا لکھا شخص بھی قرآن مجید کے معنی، مطلب اور مراد کو از خود سمجھ سکتا ہے۔

⑥ قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر و وضاحت کے متعلق :-

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع، مانع اور پراسرار کلام ہے جس کے صحیح معنی و مراد اس کلام کو نازل فرمانے والا اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے علم سے وہ جانتے ہیں جن پر یہ مقدس کلام نازل ہوا ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:-

(۱) ”وَبَنَّا وَابْعَثْ فِيهِمْ رُسُلًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ“ (پارہ ۱: سورۃ البقرہ، آیت: ۱۲۹)

ترجمہ:- ”اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول آئیں میں سے کہ ان پر حیرانی آئیں خداوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور

انہیں خوب سحر فرما دے۔“ (کنز الایمان)

(۲) كَتَمْنَا اَوْسَلْنَا فِيْكُمْ وَسُوْلًا يَنْكُم يَتْلُوْا عَلَيْنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(پارہ: ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۵۱)

ترجمہ:- ”جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے۔“

(کنز الایمان)

(۳) هُوَ الَّذِيْ يَغْفِرُ الْاَيِّتِيْنَ وَسُوْلًا يَنْهٰهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(پارہ: ۲۸، سورۃ الجمعہ، آیت: ۲)

ترجمہ:- ”وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔“ (کنز الایمان)

ان تینوں آیات میں صاف اور واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے رسول کو کتاب کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا ہے۔ یعنی حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس صفت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی امت کو کتاب یعنی قرآن مجید کی تعلیم فرماتے تھے۔ اگر قرآن مجید کو ہر شخص سمجھنے کی لیاقت و صلاحیت رکھتا تو پھر حضور اقدس کا تعلیم فرمانا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سکھانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر قرآن مجید کے معلم معظم کی حیثیت سے کیوں کیا گیا ہے؟ ایک ضروری نکتہ کی طرف توجہ مرکوز کرنا درکار ہے کہ قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جزیرۃ العرب کے باشندوں کی مادری زبان بھی خالص عربی ہے۔ یعنی قرآن مجید اہل عرب کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے لہذا اہل عرب قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری لفظی معنوں کو سمجھنے کے لیے کسی کے محتاج نہ تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے کہ میرے محبوب کو لوگوں کو قرآن سکھانے بھیجا ہے۔ اس سکھانے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کی صحیح تفہیم۔ یعنی قرآن مجید کے اسرار و رموز اور مطلب و مراد کی معلومات۔ اگر ہر جاہل اور بے علم قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری لفظی معنوں سے قرآن مجید کو صحیح طور سے سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت رکھتا ہے تو صحابہ کرام کو حضور اقدس نے قرآن کی تعلیم کیوں فرمائی اور صحابہ کرام نے حضور اقدس سے قرآن کی آیتوں کی صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے کیوں سوال کیے اور دریافت کیا؟ صحابہ کرام کی مادری زبان عربی تھی اور قرآن بھی عربی میں نازل ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے از خود قرآن نہیں کی جرأت نہ کرتے ہوئے معلم اعظم قرآن کے سامنے ڈانٹے ادب کیوں نہ کیے؟ اور حضور اقدس معلم اعظم قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے یہ نہ فرمایا کہ قرآن مجید کی آیتوں کو سمجھنے کے لیے بڑے علم کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں باتیں بہت صاف اور صریح بیان فرمائی ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ہر آیت کی مفصل وضاحت و تفسیر فرما کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں کو علوم و عرفان و حکمت سے مٹھو رہا پڑ فرمائے۔ پھر صحابہ کرام سے لے کر آج تک کہ ہر ذور کے مفسرین کرام، ائمہ دین اور علمائے حق نے ہزاروں کی تعداد میں تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے عنوان پر کتابیں کیوں تصنیف فرمائیں؟

◎ قرآن کی تفسیر:-

قرآن مجید کی تفسیر کے مختلف درجات ہیں۔ امام اجل، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الدین عبد الرحمن کمال بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب "طَبَقَاتُ الْمُفَسِّرِينَ" میں اس کی مبسوط بحث فرمائی ہے۔ ہم یہاں اس کا ماحصل بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر کا درجہ مفسر یعنی تفسیر کرنے والی ذات پر منحصر ہے۔ ذیل میں تفسیر کے درجات مرقوم کیے جاتے ہیں، جس سے اس حقیقت کی تفصیل معلومات حاصل ہوگی۔

(۱) تفسیر قرآن از قرآن :-

قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم کی جاسکتی ہے بلکہ درحقیقت واقعی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کی سورۃ الفاتحہ کی آیت کریمہ :-

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“

ترجمہ :- ”ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا“

(کنز الایمان)

اس آیت میں ”جن پر تو نے احسان کیا“ کا جملہ مبہم ہے۔ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کن پر اللہ نے احسان کیا ہے۔ لہذا یہ معلوم کرنے کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے۔ ایک تجسس پیدا ہوتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کی مندرجہ آیت میں جن لوگوں پر احسان کرنے کا ذکر ہے اس کی وضاحت قرآن مجید کی آیت ”قُلْ وَلِلَّهِ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ“ (پارہ ۵: سورۃ النساء، آیت ۶۹) ترجمہ :- ”تو اے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید“ (کنز الایمان) سے ہوگی۔ یعنی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان فرمایا ہے وہ انبیاء کرام، حضرات صدیقین اور شہداء کرام ہیں۔ گویا یوں کہئے کہ سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ سے معلوم ہوئی۔

اس تفسیر کو یعنی قرآن کی آیت سے قرآن کی آیت کی تفسیر کو تمام تفسیروں پر اذیت و نفی حاصل ہے اور تمام تفاسیر سے ان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ کیونکہ قرآن نازل فرمانے والے رب تعالیٰ نے ہی قرآن کی آیت کی قرآن کی آیت سے وضاحت فرمائی ہے۔

(۲) تفسیر قرآن از احادیث:-

اس تفسیر کو کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے از خود کسی آیت کی وضاحت فرمائی ہو یا کسی صحابی کے دریافت کرنے پر آیت کی وضاحت و تفسیر فرمائی ہو۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر ۷ "غَفِيرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّالِّينَ" ترجمہ:- "ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ نیچے ہوؤں گا۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت میں بھی یہ تجسس ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر غضب ہوا ہے اور وہ نیچے ہوئے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر حدیثوں میں دو طرح سے پائی جاتی ہے۔

اول:- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے از خود اس آیت کی وضاحت

فرمائی۔ امام احمد اور امام ترمذی روایت فرماتے ہیں کہ "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُودُ وَإِنَّ الضَّالِّينَ النَّصَارَى" ترجمہ:- "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ" سے یہود اور "الضَّالِّينَ" سے نصاریٰ مراد ہیں۔"

دوم:- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی صحابی کے دریافت کرنے پر اس

آیت کی وضاحت و تفسیر بیان فرمائی۔ مثلاً ابن مردودہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ قَالَ الْيَهُودُ، قُلْتُ الضَّالِّينَ؟ قَالَ النَّصَارَى" ترجمہ:- "حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا "الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ" سے کون لوگ مراد ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ یہود۔ پھر میں نے عرض کیا کہ "الضَّالِّينَ" سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا نصاریٰ۔"

امیر المؤمنین سید عثمان بن عفان ؓ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب ؓ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت ابی بن کعب ؓ حضرت زید بن ثابت ؓ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ؓ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔
ان حضرات میں سے (۱) امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود اور (۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرآن عظیم کی تفسیر کے سلسلہ میں کثرت سے روایات وارد ہیں۔ چنانچہ:-

○ امیر المؤمنین، مولائے کائنات سیدنا موسیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ”خدا کی قسم! تم لوگ مجھ سے جس بات کو دریافت کرو گے اس کی میں تمہیں خبر دوں گا۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے علم نہ ہو کہ وہ آیت رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، ہموار زمین میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر نازل ہوئی۔“

○ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک قرآن سات حرفوں (قرأت سبعہ) پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا ظاہر و باطن نہ ہو اور بلاشبہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔“
○ قرآن مجید کی تفسیر از صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ”ترجمان القرآن“ کے معزز لقب سے نوازا ہے۔ ان کا مختصر تذکرہ ”مناقبین آیات“ کتابیات کے ظاہری معنی کو دیکھ کر گمراہیت پھیلاتے ہیں اس عنوان کے تحت صفحہ نمبر ۵۸ پر کیا گیا ہے۔

○ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید کی کسی آیت کی وضاحت و تفسیر کے سلسلہ میں ایملہ صحابہ کرام کی مجلس منعقد

فرماتے تو حضرت عبداللہ بن عباس کو نو عمری کے عالم شباب میں ہونے کے باوجود بھی اہلہ صحابہ کرام کے ساتھ مدعو فرماتے تھے۔ پہلے آپ اہلہ صحابہ کرام کی رائے معلوم کرتے اور آخر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے طلب فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو رائے پیش فرماتے وہ ایسی جامع اور مانع ہوتی کہ تمام صحابہ کرام ان کی رائے سے اتفاق فرماتے اور امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو یہاں تک فرماتے کہ "مَنْ يُؤَيِّسُنِي فِيْ هَذَا كُنَّا ذَا اِئِمِّنْ عَبَّاسٌ" یعنی "اس آیت کے ان حقائق کو میرے سامنے اس طرح رکھو ان کا رکے گا جیسا کہ ابن عباس نے ادا کیا ہے"

❶ قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بہت بلند مقام ہے۔

❷ مذکورہ دس اہلہ صحابہ کرام کے علاوہ ❶ حضرت انس بن مالک ❷ حضرت ابو ہریرہ ❸ حضرت عبداللہ بن عمر ❹ حضرت جابر ❺ حضرت سعید بن عاص ❻ حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں اپنی جیش بہا خدمات پیش فرمائی ہیں۔

(۴) تفسیر قرآن از تابعین

صحابہ کرام کی مقدس جماعت سے قرآن مجید کی تفسیر سماعت کر کے "اس کا صحیح مفہوم و مطلب معلوم کر کے تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تفسیری روایتوں کو نقل فرمایا۔ مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور کوفہ کے مفسرین عظام نے صحابہ کرام سے علم تفسیر سیکھا بلکہ باسابط علم تفسیر کی تعلیم لی۔ حضرت مجاہد کہ جن کے علم کا پایہ علم تفسیر کے سلسلہ میں ثبات و اعتماد کے درجہ میں پہنچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

”میں نے تیس (۳۰) مرتبہ پورے قرآن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھا۔ جس میں سے تین مرتبہ تو اس طرح پڑھا کہ ہر آیت پر ٹھہر کر اس کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا کہ یہ آیت کب اور کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔“

○ تابعین عظام میں جن حضرات کا شمار معتد، مستند اور ثقہ مفسرین میں ہوتا ہے ان میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ چار شخصوں سے علم تفسیر حاصل کرو۔ (۱) حضرت سعید بن جبیر (۲) حضرت مجاہد (۳) حضرت عکرمہ اور (۴) حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

○ دور تابعین کے بعد کے مفسرین :-

صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ کے بعد کے طویل القدر ائمہ و علماء تبع تابعین نے قرآن مجید کی تفسیر کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور تفسیر و فنی تفسیر میں کتابیں تصنیف و تالیف کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان حضرات تبع تابعین کی تفسیر عین صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تفسیروں کے طرز پر تھیں۔ صحابہ و تابعین سے جو تفاسیر مروی تھیں ان میں انہوں نے ایک حرف کا فرق نہیں کیا بلکہ تقدیم و تاخیر کے ساتھ صحابہ کرام و تابعین عظام کی مرویات قولی کو تحریری جامہ پہنایا لہذا ان حضرات کی تفسیروں کو تفاسیر صحابہ و تابعین کے جامع کی حیثیت سے دیکھا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔ تبع تابعین کے دور میں جو حضرات مایہ ناز مفسرین کی شان سے مشہور ہوئے ان میں سے چند شہرہ آفاق مفسرین کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) حضرت سفیان بن عیینہ (۲) حضرت دحیح بن الجراح (۳) حضرت عبدالرزاق ابو بکر بن الہمام (۴) حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ (۵) حضرت اسحاق بن راہویہ (۶) حضرت روح بن عبادہ (۷) حضرت عبد بن حمید وغیرہم۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔

حضرات تبع تابعین کے زمانے میں تفسیر اور فنی تفسیر پر تصنیف و تالیف کرنے کا جو سلسلہ شروع ہوا اتماس کو بعد

اس کے ثمرات کی حیثیت سے سینکڑوں کی تعداد میں صرف تفسیر فہم تفسیر کے عنوان پر کتابیں ارقام ہوئیں۔ جو ملت اسلامیہ کے لیے لازوال سرمایہ علم فہم ہے۔

حضرات تبع تابعین کے زمانہ سے ملتی جو زمانہ تھا یعنی تبع تابعین کے زمانے کے فوراً بعد کا زمانہ اس زمانے میں (۱) حضرت امام شیخ ابو جعفر بن جریر طبری (۲) حضرت ابن ابی حاتم (۳) حضرت عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد نیشاپوری (۴) حضرت محمد بن یزید بن ماجہ فردوسی (۵) حضرت ابن مردویہ (۶) حضرت ابو شیخ محمد بن حبان اور (۷) حضرت ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہم نے صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کرام کی تفاسیر سے مستند اور منسوب کر کے بلکہ ان حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسی مبسوط اور جامع تفاسیر لکھیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے طرز تفسیر کو اپناتے ہوئے تفسیریں لکھنی شروع ہوئیں اور فہم تفسیر کی کتابیں تصنیف کرنے کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری ہوا اور تفسیر کی کتابیں عربی زبان تک محدود نہ رہے ہوئے دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کی تفسیریں زیرِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئیں۔

ذیل میں ہم صرف عربی زبان کی چند مشہور و معروف اور مستند و معتبر تفاسیر کے نام مع اسامیٰ مفسرین پیش کرتے ہیں۔ تفسیر کے ساتھ فہم تفسیر کی کتب بھی شامل ہیں۔

۱	تفسیر ابن جریر	امام علامہ شیخ ابو جعفر بن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ)
۲	تفاسم والا نواع	ابو الشیخ محمد بن حبان (المتوفی ۳۵۳ھ)
۳	الکشف والبيان فی تفسیر القرآن	ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم طبری نیشاپوری (المتوفی ۳۴۰ھ)
۴	تفسیر ابن کثیر	امام حافظ ابو عبد اللہ اسماعیل قرطبی دمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ)
۵	تفسیر معالم التنزیل	امام ابو محمد حسین بغوی (المتوفی ۵۱۶ھ)
۶	تفسیر بیضاوی	قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی (۶۸۵ھ)
۷	تفسیر خازن	امام علاء الدین علی بن محمد بغدادی (المتوفی ۷۲۵ھ)

۸	تفسیر کبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر بن عمر رازی شافعی (م ۶۰۶ھ)
۹	تفسیر باب القرآن المرفق تفسیر شافعی	علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری (م ۵۵۰ھ)
۱۰	الاتقان بانواع علوم القرآن	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۱	تفسیر مجمع البحرین	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۲	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۳	مبہمات القرآن فی مہمات القرآن	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۴	ترجمان القرآن	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۵	الاکلیل فی استنباط الترمذی	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۶	ابواب المستوفی فی اسباب النزول	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۷	الانحاش فی المنسوخ	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۸	اسرار الترمذی	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۹	تفسیر جلالین شریف	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۰	الطبربان فی علوم القرآن	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۱	ملفوظات المفسرین	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۲	توضیحات البکار	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۳	مطلع المشری یا کلمہ رماکان خفا	امام کمال الدین عبدالرحمن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حق بن یوسف (م ۱۱۱۳ھ)
۲۵	تفسیر طبری	امام شیخ ابو جعفر بن جریر طبری شافعی (المتوفی ۳۲۰ھ)
۲۶	عنایت القاضی حاشیہ علی البیضاوی	امام علامہ احمد شہاب الدین خفاجی المصری (م ۶۰۶ھ)
۲۷	مختارات النوازل	امام شیخ برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی
۲۸	احکام القرآن	شیخ اکبر امام ابو بکر بن العربی
۲۹	الاشادات فی علم القرآن	امام احمد بن محمد خلیل المصری القسطلانی (م ۹۲۳ھ)

۳۰	کتاب النشر	امام ابو الخیر محمد محمد ابن الجزری
۳۱	انبیاء الدریات	امام ابو الخیر محمد محمد ابن الجزری
۳۲	تفسیر مدارک الترمذی	امام علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن محمود بسبی (السنونی - ۱۷۷۷)
۳۳	تفسیر الوجیز	علامہ امام سمیع
۳۴	تفسیر حسینی	علامہ حسین کاشفی حنفی
۳۵	تفسیر لباب التاویل	امام نجی السنہ علامہ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی

تفسیر اور فن تفسیر کے عنوان سے اکابر علماء ملت اسلامیہ کو کتنی دلچسپی تھی اور اس عنوان پر کتابیں لکھنے میں انہوں نے کسی سعی بلیغ فرمائی ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو جائے گا کہ اس عنوان میں خاتم الحفاظ، امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اکیسے کل بتیس (۳۲) کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے چودہ (۱۴) کتابوں کے ہی نام ہم نے مندرجہ فہرست میں درج کیے ہیں۔ الحاصل! اس عنوان میں ملت اسلامیہ کے ائمہ و علماء نے اتنی کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ جس کا حصر ممکن نہیں۔

اگر بقول امام منافقین زمانہ مولوی اسماعیل دہلوی ”برمخص بھر چاہے وہ بے علم اور جاہل ہو، قرآن مجید کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی وضاحت کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے“ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ خیر القرون سے لے کر آج تک صحابہؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، ائمہ دینؓ، علماء عظام اور مفسرین کرام نے قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے رات دن ایک کر کے اتنی محنت و مشقت کیوں کی؟ تفسیر اور فن تفسیر کے عنوان پر معرکہ الآراء و تاثرات و ذہن کتب تصنیف کرنے کے لیے اپنا خون پینہ ایک کیوں کیا؟ ان کو کیا ضرورت تھی کہ قرآن مجید کی آیتوں کو سمجھنے کے لیے اور سمجھانے کے لیے اتنی عرق ریزی کرتے؟ بلکہ جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے ماہرین علم تفسیر کے سامنے زانوئے تلمذ کیوں کیے؟ صرف اسی لیے کہ قرآن مجید کی آیتوں کے معنی، مطلب اور مراد کی صحیح تفہیم کے لیے؟

میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

”وَيَذَلُّكَ الْأَنْفَالُ تُخْصِرُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ“

(پارہ: ۲۰، سورۃ العنکبوت، آیت: ۲۴)

ترجمہ:- ”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں
نہیں سمجھتے مگر علم والے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف اور صریح وضاحت فرمادی گئی ہے کہ قرآن مجید میں جو مثالیں
بیان فرمائی گئی ہیں اسے صرف علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بے علم اور جاہل کے لیے قرآن
مجید کی مثالیں سمجھنا مشکل و دشوار ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے علم درکار ہے۔ اسی لیے تو
حدیث کا ارشاد ہے کہ:-

حدیث:-

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ:-

”قَالَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْلَمُوا الْقَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ
وَعَلِمُوا النَّاسَ“

ترجمہ:- ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرائض اور قرآن
سیکھو اور لوگوں کو سکھائے۔“ (حوالہ:- مشکوٰۃ شریف، صفحہ: ۳۵)

”قرآن سیکھو“ اس جملہ سے ناظر و قرآن مجید پڑھنا ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ یہ ارشاد
گمراہی صحابہ کرام سے ہے۔ کب ہے؟ کہاں ہے؟ جواب یہ ہے چودہ سو (۱۴۰۰) سال پہلے
سرزمین عرب پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔
اہل عرب کی زبان عربی تھی۔ ہر شخص عربی زبان پڑھ یا بول سکتا تھا۔ ان کی مادری زبان عربی تھی
لہذا قرآن شریف ناظرہ پڑھنا ان کے لیے کوئی دشوار کام نہ تھا بلکہ قرآن مجید کی آیتوں کے
ظاہری ترجمہ اور الفاظ کے معنی و مطلب سے بھی واقف تھے۔ اس کے باوجود بھی حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ "قرآن سیکھو اور سکھاد" یعنی قرآن مجید ناظرہ پڑھنا سیکھو مراد نہیں بلکہ تم ناظرہ یا لفظی ترجمہ جانتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے ہو لہذا اس کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی تفسیر اور قرآن مجید کے علوم ظاہری باطنی، اسرار و رموز اور معنی و مطلب سے واقفیت رکھنے والے علماء سے قرآن مجید کی وضاحت و تفسیر کا علم سیکھو اور جب تم اس علم سے واقفیت حاصل کرو تو دوسروں کو سکھاؤ۔ گروہ منافقین کے بعض جہلاء اس حدیث سے صرف ناظرہ پڑھنا اور آیات کا ترجمہ معلوم کرنا کے معنی اخذ کرتے ہیں۔ جو سراسر غلط ہے۔ جس زمانہ ظاہری میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے اور سکھانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے تب قرآن پڑھنے والے خالص عربی زبان کے ماہر تھے۔ آیت کے لفظی معنی وہ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اس کے باوجود بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے کا حکم فرما کر اشارہ دیکھا کہ کیا تنہا تفسیر فرمادی کہ اسے قرآن مجید کے پڑھنے والو! تم قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری اور لفظی معنی پر ہی اکتفاء مت کرو بلکہ قرآن مجید کے صحیح تفہیم کے لیے اہل علم حضرات سے قرآن کی آیتوں کے اسرار و رموز معلوم کرو تاکہ تمہیں قرآن فہمی حاصل ہو اور قرآن کی آیتوں کے مطلب و مراد کو سمجھ سکو۔

دراصل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "قرآن سیکھو اور سکھاد" کا جو جملہ ارشاد فرمایا ہے وہ ایسا جامع اور مانع ہے کہ صرف ایک جملے میں حضور اقدس نے بہت کچھ فرمادیا ہے۔ پہلی بات تو علم القرآن سیکھنے کے متعلق جو مندرجہ بالا تہ کوڑ ہوئی۔ دوسری بات جو بہت ہی اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مقدس جملے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنی رائے کو دخل دینے سے منع فرمادیا ہے۔ کیونکہ قرآن کی آیتوں کے لفظی معنی تو اُس زمانے کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے لہذا قرآن مجید کی آیت کے لفظی ترجمہ کے ضمن میں کوئی اپنی ذاتی رائے کو دخل نہ دے اس لیے حکم فرمایا کہ قرآن کی وضاحت پہلے تم سیکھو تاکہ تم اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ وہ کہو جو تم نے اہل علم حضرات مفسرین سے سنا اور سیکھا۔ بعدہ لوگوں کو بھی ویسا سکھاؤ جو تم نے سیکھا ہے تاکہ دوسرے لوگ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دینے سے اجتناب و پرہیز کریں۔

قرآن مجید میں اپنی رائے کو دخل دینے کی سخت ممانعت اور وعید وارد ہے "مناقضین آیات متضابطات کے ظاہری معنی کو دلیل بنا کر کراہیت پھیلاتے ہیں۔" اس عنوان کے تحت صفحہ نمبر ۵۶ پر ہم نے تین احادیث کریمہ تلاوت کی ہیں۔ ان تین احادیث میں سے ایک حدیث کا صرف ترجمہ معزز قارئین کرام کی یاد دہانی کے لیے اعادۂ پیش خدمت ہے۔

حدیث:-

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے کے مطابق معنی بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے معنی اور مطلب میں اپنی رائے کو دخل دینا جہنم میں اپنا ٹھکانہ مقرر کرنا ہے۔ بلکہ یہاں تک ارشاد اقدس ہے کہ:-

حدیث:-

امام ترمذی نے حضرت جناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَاتَّصَبَ فَقَدْ أَخْطَا"

ترجمہ:- "جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اتفاقاً وہ قول صحیح بھی ہو جب بھی وہ کہنے والا خطا کا رہے۔" (حوالہ:- مشکوٰۃ شریف، ج: ۳۵)

یعنی کسی شخص نے قرآن مجید کی کسی آیت کی وضاحت میں بغیر کسی علم کے صرف اپنی رائے کو دخل دیتے ہوئے اس آیت کی وضاحت و تفسیر بیان کی اور اتفاقاً اس کے بیان کردہ وضاحت تفسیر ماثوہہ کے مطابق تھی پھر بھی وہ گنہگار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اس نے کپ لٹائی اور وہ کپ بچ نکلی پھر بھی وہ خطاوار ہے کیونکہ اس نے قرآن میں اپنی رائے

کو دخل دیا ہے۔ جو ممنوع و مذموم ہے۔

لیکن افسوس! صد افسوس!! ہزار افسوس!! کہ:-

دور حاضر کے منافقین نے جب! یہیلوں کی فوجیں کھڑی کر دی ہیں جو فتون قرآنیہ اور قرآن فہمی سے یک لخت جاہل ہوتے ہیں۔ دوچار آیتوں کے تراجم رٹ لیتے ہیں اور منبر خطابت و مسند و عطا پر چڑھ جاتے ہیں اور مطلق العنان مقرر و مقرر کی حیثیت سے لشتم و بشتم ایسے ناطق مسلط معنی لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ ہی کہنا پڑتا ہے۔

یہاں تک کی گفتگو سے قارئین کرام اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہوں گے کہ دور حاضر کے منافقین قرآن مجید کی منسوخ اور متشابہ آیات کے من گھڑت تراجم اور من چاہی وضاحت کر کے ملت اسلامیہ کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ ہدایت و نجات کی صراط مستقیم پر یا ضلالت و گمراہی کی سنگھاخ راہ و شوار پر؟ مثلاً:-

نمبر	اللہ اور رسول کا فرمان ہے کہ:-	منافقین زمانہ کا کہنا ہے کہ:-
۱	قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے علم چاہیے، ہر شخص میں قرآن مجید کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں بلکہ علم والے ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (پارہ ۲۰: سورۃ العنکبوت، آیت: ۳۳)	اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم نہیں چاہیے بلکہ ہر نادان اور جاہل بھی سمجھ سکتا ہے۔ عالموں کے سوا اللہ و رسول کا کلام کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ بات سنا ہے۔ (تقویت الایمان، ص: ۱۳)

۲	جس نے قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (مشکوٰۃ شریف)	ہر عام و خاص یعنی ہر جاہل و عالم اللہ و رسول کے کلام میں جستجو کریں اور اس کو سمجھیں۔ (تقویت الایمان، ص: ۱۵)
۳	قرآن مجید کی بعض آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں اور بعض آیتوں کے معنوں میں اشتباہ ہے یعنی جن کے معنی صاف اور مراد واضح نہ ہو۔ (پارہ: ۳، سورہ آل عمران، آیت: ۷)	قرآن مجید کی باتیں بہت صاف اور صریح ہیں ان کا کیسنا مشکل نہیں۔ (تقویت الایمان، ص: ۱۳)

قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ ہم کو اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ماننا ہے؟ یا منافقین زمانہ کی بات ماننی ہے؟

قارئین کرام کی خدمت عالی میں فقیر راقم الحروف کی ایک مزید گزارش یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی اقسام میں سے ہم نے صرف چار (۴) اقسام (۱) آیات محکمات (۲) آیات تشبیہات (۳) آیات منسوخات اور (۴) آیات نسخات پر ہی بہت مختصر مگر کافی دانی و شافی گفتگو کی ہے۔ طول تحریر کے خدشہ و خوف کی وجہ سے دیگر اقسام پر کچھ بھی بحث نہیں کی۔ آیات مبہمات کا عنوان ہی اتنا طویل ہے کہ صرف اسی عنوان کی تفصیلی بحث کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ الحاصل! قارئین کرام کو یہاں تک کی گفتگو سے یقین کے درجہ میں یہ بات باور ہو چکی ہوگی کہ قرآن مجید کی آیتوں کی وضاحت اور تفسیر کرنا ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں۔ جب تک اتنا علم نہ ہو کہ آیات کے اقسام کی تیز، آیت میں جس واقعہ کا اشارہ تہذکرہ ہو اس واقعہ کی مکمل و اقصیٰ حقیقت و مجاز کا فرق، وغیرہ علوم و اسرار کے فہم کی استعداد نہ ہوگی وہاں تک وہ آیت کے مطلب و مراد کی بونک نہیں پاسکتا اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ جب خود نہیں سمجھ سکتا تو دوسروں کو کیا سمجھا سکتا ہے؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود تو مگر ابیت کے دلدل میں پھنستا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پھنستا ہے اور فضّلُوا وَاَصْلُوا کا امداد قیلتا ہے۔ ایسا جاہل و کم علم شخص جب قرآن مجید کی باتیں سمجھ نہ سکتا تو کب تک اس کی باتیں سمجھ کر

علاوہ ازیں ترجمہ اور تفسیر کرنے والے کے لیے اتنا علم ہو، بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں کسی کی صفت ذکر کی گئی ہو تو وہ قریز کر سکے کہ یہ حقیقت کہا گیا ہے یا مجازاً۔ اگر حقیقت و مجاز کے فرق کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اسے کوئی حق نہیں پہونچتا کہ قرآن مجید کے ترجمہ، تفسیر، تشریح اور توضیح کے سلسلہ میں ہاتھ میں قلم تمام کر اسے ایمان کے لیے مہلک شمشیر بنائے۔ لہذا لغت کا علم بھی ضروری ہے۔ صرف عربی زبان کی لغت پر ہی اکتفاء نہ کرے بلکہ جس زبان میں قرآن کا ترجمہ کر رہا ہو اس زبان کی لغت سے بھی کامل طور پر واقفیت کا حامل ہو۔ کیونکہ زبان یعنی بھاشا کے بدلنے سے عقلی ترجمہ میں توہین کا شائبہ ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ یعنی ایک لفظ کسی زبان میں اچھے معنی میں استعمال ہوتا ہے وہی لفظ دوسری زبان میں بُرے معنی میں مستعمل ہوتا ہے لہذا ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب و پرہیز بھی لازمی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ”مکر“ عربی زبان میں ”خفیہ تدبیر“ اور دشمن کو غافل کر کے اس پر ضرب لگانے کی تدبیر“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ معنی مذہب نہیں بلکہ مستحسن ہیں۔ لیکن لفظ ”مکر“ اردو زبان میں بُرے اور قبیح معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ اور انبیائے کرام کی شان میں ایسے الفاظ کا اردو زبان میں استعمال سخت ممنوع ہے۔ اس کی وضاحت ذیل میں درج ہے۔

مناقض زمانہ نے قرآن مجید سے ناواقفیت ہونے کے باوجود بھی ”کوچلاہٹس کی چال“ اپنی ہی بھول کیا، وہی حمل کے صداق بیتے ہوئے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کرنے کی شوقی اور بے باقی کر کے اللہ و رسول کی شان میں ایسے ذریعہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ جنھیں دیکھ کر ہر مومن کے ایمانی جذبات کو شہ یہ چھس جاتی ہے۔ ایسے پہل کھڑاؤں کے ترجمہ کو ہمیں ترجمہ ان عربی و غیر عربی کتب دیتے ہوئے مناقضین کی فونی کے حمل مغنیں ان ترجمہ پر حملے کی تحقیر و تہقیر کا قہر و کرم کو گراہیت کے چال میں چھانسنے کی تیجی کرتے ہیں۔ ان مذہبی تحقیر کرنے والوں کے لیے کسی کین من سب ہے کہ وہ اتنا تک نے میں، نا، کوئیں دیکھتے، نا، کے پیچھے دوڑے جاتے ہیں۔

آیت ۱:- اللہ تعالیٰ کی شان میں لفظ ”کفر“ کا استعمال :-

”وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرُورِينَ“

(یاد رکھو: ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۵۳)

اس آیت کا ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور صوابی اشرف علی صاحب قزاقی کے استاد مولیٰ محمود الحسن دیوبندی نے اس طرح کیا ہے کہ :-

”اور مکر کیا اللہ کا کفروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا وہ سب سے بہتر ہے۔“

اس ترجمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے لفظ ”کفر“ کا استعمال کیا گیا ہے اب ہم اردو لغت میں ”کفر“ کے کیا معنی ہیں وہ بتائیں :-

فہرست کفر :- جھوٹا، فریب دینا، جھٹلانا، چالاکئی، عیاری، چال، حیلہ، بہانہ، جھوٹ،

بھروپ، بھس، دیریا، نفاق، دودھائی، نفاق، مغالطہ، واقع بات۔

(حوالہ :- فیروز اللغات، ص ۱۲)

مولیٰ محمود الحسن دیوبندی صاحب نے کافروں کی دغا، جھوٹ اور فریب پر مشتمل حرکت کو ”کفر“ کا ترجمہ دیا ہے اور مکتبہ کو، ایک ہی لفظ ”کفر“ سے تصنیف کیا ہے۔ جس لفظ ”کفر“ کا استعمال دغا، جھوٹ اور فریب جیسی جہل صفات کے لیے ہوتا ہے وہی لفظ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے استعمال کر کے بارگاہ الوہیت میں بے ادبی کی ہے۔

”سین“ اس آیت کا ایمانی و عرفانی ترجمہ دیکھیں :-

”اور کافروں نے کفر کیا اور اللہ نے ان کے جلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور

اللہ سب سے فصیح تدبیر دانستہ۔“

(کنز الایمان از: امام احمد رضا محدث بریلوی)

⑤ آیت ۲:- اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ”داؤ“ کا استعمال:-

”وَيَمْكُذُونَ وَيَمْكُذُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيِّذُ الْمَاكِذِينَ“

(پارہ ۹، سورۃ الانفال، آیت: ۳۰)

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ:-

”اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔“

اس ترجمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی مقدس ذات کے لیے ”داؤ کرتا“ کی صفت منسوب کی گئی ہے۔ ”داؤ کرتا“ مبتذل صفت ہے، جس کی نسبت خدائے تعالیٰ کے لیے جائز نہیں۔ لغت میں ہے کہ:-

⑥ داؤ کرنا = دھوکہ دینا، فریب کرنا، گشتی میں بچ کرنا۔

(حوال:- فیروز اللغات، ص: ۶۱۴)

قارئین کرام انصاف فرمائیں! جو شخص اللہ وحدہ لا شریک لہ کو ”شیخ“ اور ”قُدُّوس“ ماننا ہو، وہ شخص اللہ رب العزت کے لیے دھوکہ دینا اور فریب کرنا کے لغوی معنوں والی صفت ”داؤ کرنا“ کا انتساب کر سکتا ہے؟

⑤ آیت ۳:- اللہ تعالیٰ کے لفظ ”دعا“ کا استعمال:-

”إِنَّ الشَّقِيْقَيْنِ يُخَيِّدُ عَوْنُ اللَّهِ وَهُوَ خَادِعُهُمْ“

(پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت: ۱۳۲)

ترجمہ از مولوی محمود الحسن دیوبندی:-

”البتہ منافق دعا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا“

اس ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ اللہ ان کو ”دغا دے گا“۔ کسی کو دغا دینا

نقل قبیح اور معیوب ہے۔ لغت میں ”دعا دینا“ کے کیا معنی ہیں وہ دیکھیں:-

﴿دَعَا دَعَا دَعَا﴾ = دھوکہ دینا، فریب دینا، (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۶۳۰)

اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی صفت میں ایسے الفاظ منسوب کرنا سخت توہین دہی
اور بی ادبی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دعا، جھوٹ، دھوکہ، فریب اور ہر عیب سے پاک ہے۔ اس کی
تفسیری وضاحت، بخوف طوالت تحریر نہیں کرتے۔ جن حضرات کو اس عنوان کی مفصل تشریح
درکار ہو وہ امام حقیق و محبت، اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا صاحب
بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ ”مکی بنام تاریخی“ تَسْبِيْحُ الشُّبُوحِ عَلٰی عَيْبِ كَذِبِ
الْمَقْبُوحِ کا ضرور ضرور مطالعہ فرمائیں۔

منافقین زمانہ نے مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں بڑی گزبوی کی ہے اور شان
الہیت میں نا درست، ناراست، ناشائستہ، نامناسب اور نامعقول الفاظ کا استعمال کر کے سوء
ادبی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ سب قرآن فاضلی اور ادب و احترام کے فقدان کا نتیجہ ہے۔
اب اس آیت کا ایرانی و عرفانی ترجمہ ملاحظہ ہو۔

”بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور
وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔“ (کنز الایمان)

آیت ۴:- حضرت آدم کے لیے ”گمراہ“ اور ”نافرمانی“ کے الفاظ کا

استعمال:

”وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى“ (پارہ: ۱۶، سورہ طہ، آیت: ۱۲۱)

دیوبندی مکتبہ فکر کے نامور مصنف اور مورخ جنہوں نے ”تذکرۃ الرشید“ کے نام سے
مولوی رشید احمد صاحب ”شعوبی“ کی اور ”تذکرۃ الخلیل“ کے نام سے مولوی ظلیل احمد صاحب
”آئینہ شعوبی“ کی سوانح عمریاں لکھی ہیں، وہ مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی نے اس آیت کا ترجمہ
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی نافرمانی ہوئی۔“

marfat.com

میں معنوی اور عرفی اعتبار سے بہت فرق ہے۔ "نافرمانی" اس جرم کو کہتے ہیں کہ جرم کرنے والا حاکم کے حکم اور قانون کو خاطر میں نہ لائے اور بے اعتنائی سے گناہ پر جرأت کرے اور قصداً دہم آنکھ اور قانون کی خلاف ورزی کرے اور اس جرم کے ارتکاب کے وقت اسے معلوم ہو کہ میں حکم اور فرمان قانون کو توڑ رہا ہوں۔ جب کہ لغزش ان قیاحوں سے ملوث نہیں ہوتی۔ لغزش کا اطلاق اس نفل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے بہکاوے میں آکر یا سہواً قانون کی کامل طور پر بجا آوری میں ڈگمگا جائے اور اس کے استقلال میں فرق آجائے۔ علاوہ ازیں نافرمانی کا اطلاق گناہ کے مستقل عادی، رد ذیل، جرائم پیشہ اور قصداً قانون توڑنے کی ذہنیت رکھنے والے عوامی اور نجی و ملکی سطح کے افراد پر ہوتا ہے۔ نیک، پارسا، فرمانبردار، ذی شعور، مطیع، متقی، پرہیزگار، ذی مرتبت، مقرب، معزز، معلم، اولوالعزم اور اعلیٰ درجات کے حامل اشخاص سے جب حکم اور قانون کی کامل طور سے بجا آوری میں فرق واقع ہوتا ہے تو اسے "لغزش" کہا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر، اولوالعزم، رفیع الدرجات اور ذی مرتبت "نبی" تھے۔ علاوہ ازیں نافرمانی کا لفظ حکم نہ ماننے اور سرکشی کرنے کے معنی میں ہے۔ حکم نہ ماننا اور سرکشی کرنا یقیناً گناہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام نبی گناہوں سے یقینی طور پر "معصوم" ہیں۔ لہذا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس ذات گرامی کو "نافرمانی" کی صفت سے متصف و منسوب کرنا بارگاہ نبی میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔

مذکورہ آیت میں وارد لفظ "غوی" کا ترجمہ میرٹھی صاحب نے "گمراہ ہونے" کیا ہے۔ لفظ "غوی" پر علم صرف نحو کے ضوابط و اصول کے تحت بحث نہ کرتے ہوئے اختصاراً عرض کرتا ہے۔ کہ عربی زبان کی وسیع لغت کے اعتبار سے "غوی" لفظ کے متعدد معنی ہیں۔ مثلاً ① متعصب پورا نہ ہونا ② مراد و مطلب نہ ہونا ③ کسی چیز کا گم ہو جانا ④ ہاتھ سے نکل جانا ⑤ کسی شئی کا فوت ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام معنوں سے لائبابی ہو کر میرٹھی صاحب نے صرف "گمراہ ہونے" کا معنی ہی اخذ کیا۔ گمراہیت سے ایسا لگاؤ ہے کہ دیگر موزوں اور واقفے سے مناسبت رکھنے والے معنوں سے انحراف کر کے "گمراہ ہونے" کے گمراہ کن معنی کرنے کی

جیسا کہ ہم نے اور ان سابقہ میں عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں زمانہ ماضی کے کسی واقعے کا ذکر نہ ہو تو اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت مترجم کے ذہن میں اس واقعے کی بن و بن تفصیل ہونی چاہیے تاکہ وہ اس واقعہ کی مناسبت سے آیت کا ترجمہ کر سکے۔ اور آیت کا ترجمہ ایسا ہو کہ صرف ترجمے سے ہی اس واقعے کی اصل نوعیت کا نقشہ سامنے آجائے یعنی ترجمہ کرنے والا آیت کی تفسیر کی معلومات اور واقعیت سے مناسب الفاظ میں موزوں ترجمہ کرے۔ یعنی تفسیر سے ترجمہ سمجھے اور ترجمہ پڑھنے والا ترجمہ پڑھ کر ہی تفسیر کی قدرے معلومات حاصل کرے۔ اگر ترجمہ کرنے والا اصل واقعے کو ذہن سے ہٹا کر صرف لفظی ترجمہ کرے گا تو آیت کا مفہوم و مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا اور ایک قسم کا انتشار و تردد قائم ہو جائے گا جیسا کہ اس آیت کے ترجمہ میں مولوی جناب عاشق الہی میرٹھی صاحب نے گزری بی برپا کی ہے۔

آیت کریمہ "وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ" میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گہیوں کا دانہ تناول فرمایا نتیجتاً آپ کو جنت سے عالم دنیا میں تشریف لانا پڑا۔ اب اس واقعہ کی اصل حقیقت کیا ہے وہ معلوم کریں:-

"حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عظیم کاجدہ کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے ابلیس رائدہ درگاہ کو مردود ہوا تھا۔ اسے یقین کے درجے میں معلوم تھا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب ہی مجھ پر تباہی آئی ہے لہذا اس کے دل میں انتقام کی آگ شعلہ زن تھی۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کی ان کی طرف عداوت اور اس کے کفر و فریب سے حذر دے گا فرمایا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

"فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ

مِنَ الْجَنَّةِ" (پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت: ۱۱۷)

ترجمہ:- "تو ہم نے فرمایا اے آدم! بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے۔ تو

ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے" (کنز الایمان)

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے لعین کے لئے شیطان بے چین: بے قرار تھا۔

وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ حضرت آدم کی جگہ سے مجھے جنت سے نکالا گیا ہے لہذا میں بھی کوئی ایسی چال چلوں کہ حضرت آدم کو بھی جنت سے نکلتا پڑے۔ لہذا اس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مکر و فریب کی چال چلی اور وہ یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت کے ایک درخت کے پاس نہ جانے کی ممانعت فرمائی تھی "وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ" (پارہ: ۱، البقرہ، آیت: ۳۵) ترجمہ:- "اور اس بیڑ کے پاس نہ جانا" (کنز الایمان)۔ لہذا شیطان نے حضرت آدم کو اس بیڑ کے معاملے میں دھوکہ دینے کی تدبیر و ترکیب کی۔ "قَوَّسُوْا۟ لِلّٰہِ الشَّیْطٰنُ قَالِیَۡا۟ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اٰذٰکَ عَلٰی شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَّمٰلِکَ لَا یَمْلِکُ" (پارہ: ۱۶، سورہ طہ، آیت: ۱۲۰) ترجمہ:- "تو شیطان نے اُسے وسوسہ دیا۔ بولا اے آدم کیا میں تمہیں بتاؤں ہمیشہ جینے کا بیڑ اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے۔" (کنز الایمان) یعنی شیطان نے حضرت آدم سے کہا کہ اگر آپ اس درخت کا پھل یاد نہ کھالیں گے تو ہمیشہ کے لیے آپ جنت میں ہی رہیں گے۔ شیطان کی اس تجویز کا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف انکار فرمایا لہذا "وَقَامَتْہُمْ اٰیۡتِیْ لَکُمَا لَیۡنِ النَّصِیۡحِیۡنِ" (پارہ: ۸، سورۃ الاعراف، آیت: ۲۱) ترجمہ:- "اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔" (کنز الایمان) یعنی شیطان نے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر حضرت آدم کو دھوکہ دیا اور پہلا جھوٹی قسم کھانے والا ابلیس ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم کھا کر جھوٹ بول سکتا ہے یا اس خیال حضرت آدم اور حضرت حوا کو جنت سے عالم دنیا میں تشریف لا تا پڑا۔ یعنی آپ نے جس مقصد کے لیے درخت سے کھا یا تھا وہ مقصد یعنی جنت میں ہمیشہ کے لیے رہنے کا مقصد پورا نہ ہوا اور آپ کو جنت کی سکونت ترک فرما کر جنت سے باہر تشریف لا تا پڑا۔

یہ ہے اصل واقعہ۔ اب اس واقعے کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اس واقعہ کا جس آیت میں ذکر ہے یعنی "وَعَصٰیۡ اٰدَمُ۟ وَنَبَا۟ۃ۟ فَعَوٰی" اس کا مولوی عاشق الہی میرٹھی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اس ترجمے "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے" کو ملاحظہ فرمادو اور اصل واقعہ اور میرٹھی صاحب کے ترجمے کا تقابل کرو تو کسی طرح بھی تطبیق و توافق نہیں پایا

جاتا کیونکہ:-

○ حضرت آدم نے شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے "شجر خلد" (جنتی درخت) کا دانہ یا پھل کھایا۔ اس کو مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی نے "رب کی نافرمانی" سے موسوم کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے قریب نہ جانے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے باوجود بھی حضرت آدم نے اس درخت سے کھایا اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور یہ "رب کی نافرمانی" ہے۔

اس فاسد وضاحت کے رد و ابطال میں دلائل قاطعہ ساطعہ سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن راہ اختصار اپناتے ہوئے عرض ہے کہ حضرت آدم کو خیال ہوا کہ "لَا تَنْفَرُ بِهَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ" کی جو ممانعت ہے وہ تزیینی ہے تحریمی نہیں۔ اگر آپ اس ممانعت کو تحریمی سمجھتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے کیونکہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہے۔ اور خطائے اجتہادی گناہ نہیں۔ دوسری بات یہ کہ درخت کے قریب جانے کی ممانعت تھی۔ اس درخت سے کچھ کھانا یا نہیں کھانا ایسی کوئی وضاحت حکم میں نہ تھی لہذا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی قیاس فرمایا۔ تیسری بات یہ کہ تنزیہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو درخت سے کچھ لے کر نہیں کھایا تھا بلکہ حضرت حوا نے آپ کو جو دیا تھا وہی کھایا تھا۔ بہر صورت ان تینوں صورتوں میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمدًا قصد اللہ کی نافرمانی کرنے کے ارادے سے کچھ نہیں کیا تھا جو کچھ بھی کیا تھا وہ قیاس کی بنا پر کیا تھا اور آپ سے اجتہاد میں خطا ہوئی تھی اور اجتہادی خطا شرعاً گناہ نہیں۔ لہذا اس اجتہادی خطا کو ہرگز "نافرمانی" نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس کو ادب کے دائرے میں رچے ہوئے "افرش" ہی کہنا پڑے گا۔

○ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں "دخول ادبی" یعنی ہمیشہ رہنے اور کبھی بھی باہر نہ نکلنے کے مقصد سے ہی "شجر خلد" سے کھایا تھا۔ لیکن آپ کا جنت میں دائمی رہنے کا مقصد پورا نہ ہوا اور آپ کو جنت سے

بابر تشریف لانا پڑا۔ اس واقعہ کو مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی نے
 ”گمراہ ہوئے“ سے مٹھنوں اور تعمیر کیا ہے۔ یعنی ”جنت سے باہر آئے“
 کا مطلب ”گمراہ ہوئے“ کیا ہے۔ تو کیا عاذا اللہ حضرت آدم علیہ
 الصلوٰۃ والسلام جنت سے عالم دنیا میں تشریف لائے تب گمراہ تھے؟ دور
 حاضر کے منافقین حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گمراہ ہونے کا
 قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ میرٹھی صاحب نے آیت کا ترجمہ کرتے وقت اصل واقعے کو پیش نظر
 نہیں رکھا اور ”غوی“ لفظ کا لغوی معنی ”گمراہ“ کر کے بکھیزا کھڑا کر دیا۔ اس آیت کے لفظ
 ”غوی“ کا ترجمہ ”گمراہ ہوئے“ کرنا اصل واقعے سے ذرہ بھر بھی مناسبت نہیں رکھتا، علاوہ
 ازیں اللہ کے مقدس نبی کی شان میں گمراہ ہوئے“ لکھنا یا کہنا سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔
 سمجھ میں نہیں آتا کہ منافقین زمانہ کو انبیائے کرام کی شان میں توہین آمیز جملے لکھنے یا کہنے میں
 کون سا لطف آتا ہے؟ غالباً انہوں نے انبیائے کرام کی شان میں توہین کرنے کا نام ہی
 ”توحید“ رکھ دیا ہے۔ ہر وقت اس تنگ و ذو میں رہتے ہیں کہ لگ پٹ کر کسی طرح بھی انبیائے
 کرام کی شان میں تنقیص کی جائے۔ قرآن مجید کی آیتوں میں بھی یہی جھجھو کرتے ہیں کہ
 انبیائے کرام کی توہین کا پہلولو جائے۔ حالانکہ پورے قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی بھی لفظ
 میں کسی بھی نبی و رسول کی توہین و تنقیص تو درکنار بلکہ ان مقدس حضرات کی شان ارفع و اعلیٰ کے
 لیے موزوں نہ ہو ایسا خطاب بھی نہیں فرمایا گیا۔ اس آیت کے لفظ ”غوی“ کا ”گمراہ ہوئے“
 ترجمہ واقعی حیرت انگیز و تعجب خیز ہے۔ اگر منافقین زمانہ سے اس ”گمراہ ہوئے“ کے ضمن میں
 سوالات کیے جائیں کہ گمراہ ہوئے سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کب گمراہ ہوئے؟ کیوں گمراہ
 ہوئے؟ گمراہی امتدادی تھی یا عملی تھی؟ اگر اعتقادی تھی تو کن عقائد میں تھی؟ اگر عملی تھی تو ادھر
 میں تھی یا نواری میں؟ گمراہی علانیہ تھی یا خفیہ تھی؟ اس گمراہی کا دوسروں پر کیا اثر پڑا؟ یہ گمراہی
 عارضی تھی یا مستقل؟ عارضی تھی تو کتنے عرصہ تک تھی؟ پھر کب ہدایت حاصل ہوئی؟ اور یہ گمراہ
 ہوئی؟ وغیرہ وغیرہ سوالات پیش کر کے قرآن وحدیث کے ثبوت سے جوابات طلب کیے

جائیں تو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔

اس آیت کا امام خنّس و محبت، امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایسا ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے کہ اس ترجمہ سے اصل واقعے کو مکمل طور سے مناسبت بھی ہوتی ہے اور اللہ کے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادب کا تقاضا بھی پورا ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:-

”اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا

اس کی راہ نہ پائی۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- یعنی اس درخت کے کھانے سے دائمی حیات نہ ملی۔“

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۵۷۶)

الحاصل! قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی ہر کس و ناکس میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ وسیع بیانے پر علم ہونے کے ساتھ ساتھ فوراً ایمان کی بصیرت ہونا بھی لازمی ہے۔ آیت کے الفاظ کے لغوی معنی لکھ دینے سے ترجمے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ صرف لفظی و لغوی ترجمہ کر کے اپنے آپ کو ”ترجمان القرآن“ یا ”مترجم قرآن“ کہلانے والے ”ٹوٹی ٹانگ، ہاتھ نہ پاؤں، کبے چلوں گھوڑوں کے ساتھ“ والی مثل کے مصداق بنتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے انگریزی زبان سیکھ لی اور لغت کی بھی اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی پھر وہ بازار سے کسی ٹیگ اسٹال سے طبابت یعنی ڈاکٹری کے فن کی دو چار کتابیں خرید لایا اور اس کو پڑھ ڈالا تو ظاہری بات ہے کہ اس کو فن طبابت کی قدرے معلومات حاصل ہوگی۔ وہ شخص صرف اتنی ہی معلومات کے بل بوتے پر دو خانہ کھول کر بیٹھ جائے اور اپنے کو طبیب حاذق سمجھ کر لوگوں کے علاج معالجے شروع کر دے اور رفتہ رفتہ جراحی (Operation) کرنا شروع کر دے تو کیا انجام ہوگا؟ کیا کوئی عقلمند ایسے جعلی جراح (Surgeon) کے پاس آپریشن کرائے گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ایسے سرجن کے آپریشن فیمل پر لینا اور جنازہ میں لینا دونوں برابر ہے یعنی سامنے سے چل کر موت کی آغوش میں لینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ”نیم حکیم خطرہ جان“ ہوتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان کے قوانین صرف و نحو اور لغت کی قدرے معلومات حاصل ہونے پر کوئی شخص ایسے بے خبر ماہرین سے کہہ کر حکم کرے کہ وہ اس کے قریب کا ترجمہ اور

تفسیر نکلنے کی جرأت کرے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایمان کا طوطا ہی اُڑ جائے گا۔ ایسے جفا شعار، کور چشم و باطن، گستاخ و بے ادب کا ترجمہ پڑھنے سے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے کیونکہ ”نیم ملا قطرہ ایمان“ ہوتا ہے۔ دور حاضر کے منافقین کے پرانے پرانے چونی کے سیانے پیشواؤں کے قرآنی تراجم کا جائزہ لینے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو قرآن فہمی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے باوجود بھی ان کے گمراہ کن تراجم کو دھوم دھام سے رد و حافی اور عرقانی تراجم میں شمار کرانے اور کرنے کا دھوم دھڑکا بھایا جاتا ہے۔ اہل ایمان ایسے مفید لکھنا کہ اور مہلک الا ایمان تراجم سے کنارہ کش ہو کر اجتناب و احتراز کریں۔

”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے لفظی معنی کو دلیل بنا کر حضور اکرم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے خود اپنی جال میں پھنستے ہیں“

دور حاضر کے منافقین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں اور اپنے اس باطل نظریہ کے ثبوت میں سورۃ الکہف اور حم سجدہ کی آیت مقدسہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ منافقین زمانہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین و بے ادبی کرنے کی غرض سے زمانہ ماضی کے کفار و شرکین اور منافقین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنے اس باطل عقیدہ کو مناسب طعیرانے کے لیے قرآن مجید کی آیت کا ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ بھولے بھالے عوام الناس کو متاثر دینے کے

لیے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ ﴿قُلْ﴾ = کہہ دو ﴿اَنَا﴾ میں ﴿بَشَرٌ﴾ آدمی (بشر) ہوں ﴿مِثْلُکُمْ﴾ تمہارے جیسا۔ یعنی ”کہہ دو میں آدمی ہوں تمہارے جیسا“۔ اس طرح قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ کر کے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم اپنی طرف سے ”اپنے جیسا بشر“ نہیں کہتے بلکہ قرآن مجید نے کہا ہے۔ ہم تو وہی کہتے ہیں جو قرآن میں ہے۔ منافقوں کے اس مکر و فریب کے جال میں بہت سے لوگ پھنس جاتے ہیں اور گمراہیت کی راہ سے گمراہی پر چل پڑتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ آیت آیات قضاہیات میں شمار ہوتی ہے لہذا اس کے ظاہری لفظی معنوں کو دلیل بنا کر بطور ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ جس کی تفصیلی وضاحت ہم نے اوراق سابقہ میں کر دی ہے۔ منافقین زمانہ کے جہلاء و سلیغین میں سے اکثر و بیشتر کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آیات قضاہیات کس کو کہتے ہیں۔ لہذا وہ ہمیشہ علمی بحث سے گریزی کرتے ہیں۔ ایسے گریز یا ہتھکڑوں کو آسان علمی دلیل سے دوہونچا چاہیے۔ بلکہ آیت کے ظاہری لفظی معنوں کو پیش کرنے کا ان کا جو طریقہ ہے، وہی طریقہ بطور حجت اختیار کر کے ”جس کی جوتی اس کے سر“ والی مثل اپنائی چاہیے۔ قرآن مجید کی آیت کے ظاہری لفظی معنی پیش کر کے منافقین زمانہ کو مات دینے کے لیے ذیل میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ جن کو ابھی طرح ذہن نشین کر لینے سے منافقین زمانہ دم بخود ہو کر رہ جائیں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ وحید)

⑤ دلیل نمبر ۱:-

عام طور سے مسلمان کو ”مؤمن“ کہا جاتا۔ مؤمن کی جمع مؤمنین ہے۔ قرآن مجید میں مسلمان کو ”مؤمن“ اور مسلمانوں کو ”مؤمنین“ کہا گیا ہے۔ مؤمن کا لفظ مسلمان کے معنی میں رائج ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں ”مؤمن“ ہوں تو اس سے یہ مراد لی جائے گی کہ میں مسلمان ہوں۔ عوام و خواص لفظ مؤمن کو مسلمان کے معنی اور مطلب میں استعمال کرتے ہوئے بولتے ہیں مثلاً پیارے ”مؤمن بھائیو“ یا ”معزز مؤمن بھائیوں کو معلوم ہو“ وغیرہ۔ الحاصل مسلمان کو قرآنی اصطلاح میں اور عام اصطلاح میں بھی مؤمن کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں مسلمان کو مؤمن کہا گیا۔

”وَلَقَدْ تَمَوْثِيْنَ خَفِيْزٍ مِّنْ مَّشْكُوْكِ“

(پارہ: ۴۰، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۲۱)

ترجمہ:- ”اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔“ (کنز الایمان)

نتیجہ:- اس آیت میں مسلمان کو مؤمن کہا گیا ہے۔

”هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَلَمُ الْغَدُوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ“

(پارہ: ۲۸، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۴۳)

ترجمہ:- ”وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اللہ ملک ہے، قدوس ہے، سلام ہے، مؤمن ہے، ہیمن ہے، عزیز ہے، جبار ہے، متکبر ہے۔“

نتیجہ:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت میں لفظ ”مؤمن“ کا استعمال ہوا ہے

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ مؤمن ہے۔

سورۃ حشر کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو ”مؤمن“ اور سورۃ بقرہ کی آیت: ۲۲۱ میں

مسلمان کو بھی ”مؤمن“ کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ بھی مؤمن ہے اور مسلمان بھی مؤمن ہے۔

اب ایک مزید آیت کریمہ تلاوت کریں:-

”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ“ (پارہ: ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۱۰)

ترجمہ:- ”مسلمان مسلمان بھائی ہیں“ (کنز الایمان) یعنی مؤمن سب آپس میں

بھائی بھائی ہیں۔

اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

سورۃ البقرہ میں مسلمان کو مؤمن کہا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کو مؤمن کہا گیا

ہے۔ اور سورۃ الحجرات میں ایہ فرمایا گیا ہے کہ تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو جس

عارض قرآن مجید کی سورۃ الکہف اور سورۃ فتح مجذہ کی آیت ”اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے

ظاہری لفظی معنی اخذ کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، اسی طرح

سورۃ البقرہ، سورۃ البقرہ اور سورۃ الحجرات کی صریح بالاحتیاج آیات کے ظاہری لفظی معنی کی

بنامہ پر اللہ کو اپنا بھائی کہو گے؟ کیا ان آیات کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو اپنا بھائی کہنا درست ہے؟ کیا ان آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو اپنا بھائی کہا تو اس نے شانِ الوہیت میں بے ادبی اور گستاخی کی ہے یا نہیں؟ ایسا کہنے والا شخص ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

تائیدیں آرام سے اتھاس ہے کہ ہم نے مندرجہ بالا تین آیات مقدمہ لفظ ”مومن“ کے تعلق سے صرف منافقین زمانہ کو سکت و مبہوت کرنے کے لیے پیش کی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کے لیے ”اَنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیت پیش کر کے اس کے ظاہری لفظی معنی کی بنا پر جو لوگ اچھل کود کرتے ہیں، ان کے اچھلنے کودنے کو نگاہ مہینے کے لیے ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے ہم نے لفظ ”مومن“ کے ظاہری لفظی معنی والی دلیل پیش کی ہے۔ تاکہ ان کے دماغ کی گرمی اتر جائے اور ان کی بے کئی منطق کا استیصال بھی ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو بھائی کے معنی یا مسلمان کے معنی میں مومن کہنا ہرگز درست نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوراق سابقہ میں معروض کیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں حقیقت اور حجاز کا فرق کرنا اشد ضروری ہے لہذا:-

جب لفظ ”مومن“ کی نسبت مسلمان کی طرف کی جائے گی تو اس کے معنی ”ایماندار“ یا ”ایمان لانے والا“ ہوں گے اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کی طرف ”مومن“ کی صفت منسوب کی جائے گی تو اس کے معنی ہوں گے ”امان بخشنے والا“ یا ”امان دینے والا“

◎ دلیل نمبر ۶:-

اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار صفاتی نام ہیں۔ ان ناموں میں رُؤف، رَحِيم، شَهِيد بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان تینوں صفاتی اسماء کا قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:-

”هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“ (پارہ: ۲۸، سورۃ الحشر، آیت: ۲۲)

”الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“ (سورۃ الفاتحہ، آیت: ۲)

”وَاللَّهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ“ (پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۳۰)

”قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ تَعَالَىٰ تَعَالَىٰ“

(پارہ: ۲۱، سورۃ الحجرات، آیت: ۵۲)

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے تین صفاتی نام رحیم، رؤف اور شہید مذکور ہوئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ رحیم ہے، رؤف ہے اور شہید ہے۔ شہید بمعنی گواہ کے ہے۔ اب ہم قرآن مجید کی دیگر دو آیات کریمہ تلاوت کرتے ہیں:-

① لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ الرَّحِيمِ

(پارہ: ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت: ۱۲۸)

ترجمہ:- ”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑتا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان“ (کنز الایمان)
اس آیت کریمہ میں حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رؤف اور رحیم کی صفت سے متصف کیا گیا ہے۔

② فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَاكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ
شَهِيدًا (پارہ: ۵، سورۃ النساء، آیت: ۴۱)

ترجمہ:- ”تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔“ (کنز الایمان)
اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”شہید“ (گواہ) فرمایا گیا ہے۔
مندرجہ بالا اکل چھ آیات سے ثابت ہوا کہ

① اللہ تبارک و تعالیٰ ② رحیم ہے ③ رؤف ہے ④ شہید ہے
⑤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ⑥ رحیم ہیں ⑦ رؤف ہیں ⑧ شہید ہیں
یہ حقیقت قرآن سے ثابت ہے۔ کسی کے گھر کی ایجاد کردہ بات نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ جس پر قرآن مجید کی آیات مبینات شاہد مبادل ہیں۔

اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

قرآن مجید کی آیت "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کی جرأت کرتے ہو، تو کیا اب ان چھ آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر یہ کہو گے کہ قرآن مجید میں بھی معاذ اللہ شرک کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رؤف، رحیم اور شہید کہا گیا ہے اور اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی رؤف، رحیم اور شہید کہا گیا ہے۔ عبد النبی اور عبد الرسول نام رکھنے پر تم نے شرک کا وادہ اور غوغا صرف اس لیے مچا رکھا ہے کہ اللہ کا بندہ اور رسول کا بھی بندہ؟ یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اس میں مساوات یعنی اللہ کے ساتھ رسول اللہ کی برابری کی جاتی ہے۔ تو قرآن کی مندرجہ چھ آیات میں جو اللہ کی صفیں رؤف، رحیم اور شہید بیان ہوئی ہیں، انہیں صفات سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی متعین کیا گیا ہے، تو کیا یہ بھی شرک ہے؟ یہاں بھی مساوات اور برابری کا ردنا دھونا کرو گے؟ اگر کسی کا نام عبد النبی یا عبد الرسول ہوتا ہے تو تم بلا کسی تاثر، بلا کسی تاخیر، بلا کسی جھجک اور بلا کسی وضاحت کے دھڑا دھڑا شرک کے فتوے صادر کرتے ہو تو اگر کسی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی رحیم یا نبی رؤف یا رؤف ورحیم نبی کے القاب سے ملقب کیا تو ان القاب میں اللہ تعالیٰ کی صفات سے مساوات ہوتی ہے یہ بہانہ کر کے اور چیلے حوالے کر کے شرک کے فتوے کے پتھر برساؤ گے؟

قارئین کرام کی خدمت عالی میں وضاحت پیش کرتے ہوئے عرض ہے کہ:-

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ رؤف ورحیم و شہید ہے۔ اور بے شک اللہ کے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی رؤف ورحیم و شہید ہیں۔ لیکن یہاں حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق کرنا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ رؤف ورحیم و شہید ذاتی ہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عطائی رؤف ورحیم و شہید ہیں۔ نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ حقیقی اور ذاتی رؤف ورحیم و شہید رب تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم کو اپنی عطا سے رؤف ورحیم و شہید بنایا۔ اگر حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق سمجھ میں آگیا تو تجید و رسالت کے تعلق سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے مثلاً علم غیب، حاضر و ناظر، تصرف و اختیارات وغیرہ کے تعلق سے جتنے بھی اختلافی مسائل ہیں وہ باسانی سمجھ میں آجائیں گے اور نور ایمان کی ضیاء و طلوات حاصل ہوگی

اور اگر حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق کرنے کی صلاحیت نہیں تو ہر معاملہ میں شرک کے شرارے ہی نظر آئیں گے اور رفتہ رفتہ وہ شرارے کو آتش فشاں بن کر ایمان کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

⑤ دلیل نمبر ۳:-

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”ذُبّ“ ہے۔ رب کے معنی ہوتے ہیں پالنے والا، پرورش کرنے والا، پروردگار، مالک وغیرہ۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس صفت کا کثرت سے ذکر ہے:-

⑥ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (سورۃ الفاتحہ، آیت: ۱)

ترجمہ:- "سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔" (کنز الایمان)

⑦ "ذُبّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ ذُبّ الْمَغْرِبَيْنِ"

(پارہ: ۲۷، سورۃ الرحمن، آیت: ۱۷)

ترجمہ:- "دونوں یورپ کا رب اور دونوں بحیرہ کا رب" (کنز الایمان)

⑧ "وَقَالَ نُوحٌ ذُبّ" (پارہ: ۲۷، سورۃ نوح، آیت: ۲۶)

ترجمہ:- "اور نوح نے عرض کی اے میرے رب" (کنز الایمان)

⑨ "قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي" (پارہ: ۱۶، سورۃ طہ، آیت: ۲۵)

ترجمہ:- "عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے" (کنز الایمان)

اللہ تبارک و تعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر قرآن مجید میں "رب" کا لفظ وارد ہے۔ اسی طرح ماں باپ کو بھی قرآن میں "رب" کہا گیا ہے۔

⑩ "وَقُلْ ذُبّ اَرْحَمُنَا كُنَّا زَيْنَانِیْ ضَعِیْقَا"

(پارہ: ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳)

ترجمہ:- "اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچھن

میں پالا" (کنز الایمان)

اس آیت میں ماں باپ کے لیے "رج" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اب ہم متفقین رہانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

قرآن مجید کی آیت مقدسہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ" کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو تو کیا سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیت کی بناء پر اپنے والد کو "زبی" یعنی "میرا باپ" کہہ سکتے ہیں؟ کیا اپنے ماں باپ کے لیے مطلق رب کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں؟ جس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "رب" کہتے ہیں، اسی معنی میں اپنے ماں باپ کو "رب" کہہ سکتے ہیں؟ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے؟ اور وہ یہ جواب دے کہ میرا باپ میرا باپ ہے اور وہ اپنے باپ کو اپنا رب ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کو بطور دلیل پیش کر سکتا ہے؟ کیا اس کی دلیل مانی جائے گی؟ اگر ہاں میں جواب ہے تو سوال ہے کہ کیوں مانی جائے گی؟ اور "ہاں" میں جواب ہے تو یہ بتائیں کیوں نہیں مانی جائے گی؟ تمام سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کے دلائل سے مرحمت کرنے کی دھمت گوارا فرمائیں۔

قارئین کرام کی خدمت میں وضاحتاً عرض ہے کہ:-

اس آیت میں ماں باپ کو ضرور رب کہا گیا ہے لیکن مجازاً کہا گیا ہے۔ کیونکہ رب لفظ کے لغوی معنی ہیں پالنے والا یا پرورش کرنے والا۔ چونکہ ماں باپ اپنی اولاد کو پالتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں، اس معنی میں ماں باپ کو رب کہا گیا ہے یعنی پالنے والے یا پرورش کرنے والے اور یہ معنی مجاز پر محمول ہیں۔ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی پالتا ہے۔ اس حقیقت کی بناء پر اللہ تعالیٰ رب ہے اور یہ معنی حقیقت پر محمول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ذاتی اور حقیقی رب یعنی پالنے والا ہے اور رب حقیقی کی عطا سے ماں باپ مجازی اور عطائی رب یعنی پرورش کرنے والے ہیں۔ حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق کرنے سے آیت کا مفہوم، مطلب اور مراد اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔

⑤ دلیل نمبر ۴:-

جیسا کہ ہم نے اوپر اوراق سابقہ میں عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کی خالص عربی زبان کی لغت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور کئی لفظ کا ایک معنی بھی

ہوتے ہیں۔ جس لفظ کے کئی معنی ہوتے ہوں اس لفظ کا معنی واقعے کی نوعیت، محل و موقعہ، انداز بیان، مخاطب اور مخاطب کی حیثیت، حقیقت و مجاز، طنز و استغہام، مبتدأ و خبر، شرط و جزاء، اطلاق و ایجاز، تخیل و تکریم، وعید و بشارت، زجر و تنبیہ، تشبیہ و استعارہ، وغیرہ جیسے ضروری امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور آیت کی تفسیر میں وارد اصل واقعے کی مکمل واقفیت رکھ کر اس سے مناسبت رکھنے والے موزوں طور پر ہی کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر لفظ ”کریم“۔ قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ اتنے متعدد اور مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ اگر ترجمہ کرنے والا بالغ النظر اور وسیع علم کا حامل نہیں تو وہ ترجمہ کرنے میں ٹھوکر کھائے گا۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ اللہ تبارک و تعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے وارد ہے اور یہی لفظ کریم سے ابو جہل جیسے کافر کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ اور دونوں جگہ لفظ ”کریم“ کا صحیح استعمال ہوا ہے لیکن معنی، مطلب اور مراد کا فرق عظیم ہے۔ قارئین کرام کی فرحت طبع کے خاطر لفظ ”کریم“ کے تعلق سے ہم قرآن مجید کی مختلف آیات بطور مثال پیش کر کے اس پر بہت ہی اختصاراً بحث کرتے ہیں:-

﴿ ”کریم“ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسم ذات کے ساتھ اس کی اضافت کر کے عام بول چال میں بھی یہ لفظ رائج اور مستعمل ہے۔ مثلاً اللہ کریم، رب کریم وغیرہ۔ قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت کے طور پر وارد ہے:-

”يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَوٰكَ بِذِكْرِ الْكُوۡرِيۡمِ“

”(پارہ: ۳۰، سورۃ الانفطار، آیت: ۶)

ترجمہ:- ”اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے“ (کنز الایمان)
اس آیت میں ”کرم والے“ کے معنی میں لفظ ”کریم“ کا استعمال اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت کے طور پر ہوا ہے۔

اب ہمارے ناظرین کرام سے مؤدبانہ التماس کرتے ہیں کہ اپنی تمام توجہات پر او کرم مروڑ فرما کر مطالعہ فرمائیں اور ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ کتنے مختلف معنوں میں

اور متفرق انداز میں استعمال ہوا ہے۔

○ لفظ ”کریم“ کا استعمال قرآن مجید کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔

”إِنَّهُ لَقَرِيبٌ“ (پارہ: ۲۷، سورۃ الواقعة، آیت: ۷۷)

ترجمہ: ”بے شک یہ عزت والا قرآن ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں ”عزت والا“ کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال قرآن مجید کی صفت و

تعریف کے طور پر ہوا ہے۔

○ جلیل القدر بنی و رسول حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو

لفظ ”کریم“ کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے۔

”وَجَاءَنَّهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ“ (پارہ: ۲۵، سورۃ الدخان، آیت: ۱۷)

ترجمہ: ”اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا۔“ (کنز الایمان)

تفسیر: ”یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۸۹۳)

اس آیت میں ”مَعْرُوفٌ“ یعنی عزت دار، باوقعت، بڑا شریف، بزرگ کے معنی میں لفظ

کریم کا استعمال حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف میں دار ہے۔

○ لفظ ”کریم“ کا استعمال خسرو خیز ملک، خادم سلطان عرب، جلیل القدر

ملک حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی مدح و ثنا کے طور پر بھی ہوا ہے۔

”إِنَّا لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ“ (پارہ: ۳۰، سورۃ التکویر، آیت: ۱۹)

ترجمہ: ”بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔“ (کنز الایمان)

تفسیر: ”یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۰۵۷)

نوٹ: اس آیت میں رسول بمعنی فرشتہ کے ہے۔

اس آیت میں ”عزت والے“ کے معنی میں لفظ ”کریم“ کا استعمال حضرت سیدنا جبرئیل

علیہ السلام کی تعریف و توصیف میں کیا گیا ہے۔

○ قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ قرآن مجید میں خیرات کرنے والے مرد

و عورت کو جو ثواب ہوگا، اس ثواب یعنی اچھے بدلے اور اجر کو بھی لفظ

”کریم“ سے متعفف فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
يُضْعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

(پارہ ۲۷: سورۃ الحجۃ، آیت: ۱۸)

ترجمہ:- ”بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں

نے اللہ کو اچھا قرض دیا۔ ان کے دینے ہیں اور ان کے لیے عزت کا

ثواب ہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں لفظ ”کریم“ کا استعمال صدقہ اور خیرات کرنے والے مؤمنین کے

اجر و ثواب کو ”عزت والے“ ثواب سے سراہنے کے لیے کیا گیا ہے۔

۝ خدا کی کا دعویٰ کرنے والے مسفر و فرعون کی فوج کے ہلاک ہونے والے

فرعونی سپاہیوں کے عمدہ مکانات یعنی آراستہ حیرات اور مزمین گھروں کو

بھی قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ سے متعفف کیا گیا ہے۔ جب حضرت

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم بنی اسرائیل کے فرمانبردار افراد کو اپنے

ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور راہ میں دریائے نیل واقع اور حائل

ہوا تو حالت یہ تھی کہ آگے دریا تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر تعاقب کرتے

ہوئے آ رہا تھا۔ آپ کے تمام ہمراہی گھبرا گئے، تب آپ نے عظیم معجزہ

ظاہر کرتے ہوئے دریا پر اپنا مقدس عصا یعنی ڈنڈا مارا تو دریا میں بارہ

راستے بن گئے۔ ان راستوں پر چل کر قوم بنی اسرائیل پار ہونے لگی۔

قوم بنی اسرائیل کو دریا میں ترانیدہ راستوں میں چل کر جاتی ہوئی دیکھ کر

فرعون کا لشکر بھی قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے ان راستوں پر

چل پڑا۔ قوم بنی اسرائیل دریا پار کر کے جب سامنے والے کنارے پر

پہنچے تب فرعون کا لشکر بچ دریا میں تھا۔ قوم بنی اسرائیل کے سامنے

والے کنارے پر پہنچتے ہی حکم لگی سے دریا پھر اپنی سابقہ حالت پر

آگیا اور دریا میں جو راستے تھے وہ بمواد پانی کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور فرعون کا پورا لشکر غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔ فرعون کا مع اپنے لشکر کے ہلاک ہو جانے پر ان کے ہرے بھرے باغات، سرسبز و شاداب کھیت، چشمے اور بخش و آرام کے سامان سے آراستہ اور عالی شان حرمین مکانات اور دیگر مال و متاع مصر شہر میں دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ:-

وَاتْلُوكَ الْبَيْتَ زَهُوًّا ۖ إِنَّهُمْ مُنْعَزُونَ ۖ كَلَّمَ تَزَكُّوْنَ
جَنَّتْ وَ عِيُونِ ۖ وَ ذُرُوعِ وَ مَقَامِ كَرِيمِ ۝

(پارہ: ۲۵، سورۃ الدخان، آیت: ۲۶-۲۷)

ترجمہ:- "اور دریا کو یوں ہی جگہ سے کھلا چھوڑ دے، بے شک وہ لشکر! پوچھا جائے گا،

کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے، اور کھیت اور عمدہ مکانات" (کنز الایمان)

تفسیر:- "تا کہ فرعونؑ راستوں سے دریا میں داخل ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو اطمینان ہو گیا اور فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہو گیا اور ان

کا تمام مال و متاع اور سامان یہیں رہ گیا۔ عمدہ مکانات یعنی آراستہ

پیراستہ مزین مکانات۔" (تفسیر خزائن العرفان، ج: ۸۹۴)

اس آیت میں فرعون اور فرعونوں کے "عمدہ مکانات" یعنی آراستہ پیراستہ اور مزین

مکانات کو "مقامِ کریم" کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی قوم فرعون کے "عمدہ مکانات" کے لیے

بھی لفظ "کریم" کا استعمال کیا گیا ہے۔

○ رئیس الکفار و المشرکین، عدو نبی، ابوجہل لعین اور دیگر کفار کو بھی لفظ یعنی طعنہ دیتے

ہوئے لفظ "عزیز" "کریم" سے خطاب کیا گیا ہے۔

"ذُقْ طَاقَاتُكَ أَنْتَ الْغَزِيذُ الْكَرِيمُ"

(پارہ: ۲۵، سورۃ الدخان، آیت: ۳۹)

ترجمہ:- "پچھو، ہاں ہاں تو عزت والا کریم ہے" (کنز الایمان)

تفسیر:- ”ابو جہل کو ملا نگہ یہ کلمہ اہانت اور تذلیل کے لیے کہیں گے کیونکہ ابو جہل کہا کرتا تھا کہ بلحا میں میں بڑا عزت والا کرم والا ہوں۔ اس کو عذاب کے وقت یہ طعنہ دیا جائے گا اور کفار سے بھی یہ کہا جائے گا“

(تفسیر خزائن العرفان ص: ۸۹۵)

اس آیت میں ابو جہل دو دیگر کفار کے لیے لفظ ”عزیز اور ”کریم“ کا استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ ”عزیز“ کا ”عزت والا“ اور لفظ ”کریم“ کا ”کرم والا“ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

”کریم“ کی طرح ”عزیز“ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا صفاتی نام ہے:-

”وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (پارہ ۲۵، سورۃ الجاثیہ، آیت: ۳۷)

ترجمہ:- ”اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔“ (کنز الایمان)

تو جو لفظ ”عزیز“ اللہ تعالیٰ کے لیے ”عزت والا“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے وہی لفظ ”عزیز“ کا ”عزت والا“ کے ہی معنی میں ابو جہل اور دو دیگر کفار کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح جو لفظ ”کریم“ اللہ تعالیٰ کے لیے ”کرم والا“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وہی لفظ ”کریم“ کا ”کرم والا“ کے ہی معنی میں ابو جہل اور دو دیگر کفار کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

ابو جہل اور کفار کو ”عزیز“ یعنی ”عزت والا“ کہا گیا ہے۔ بظاہر تو یہ بات بڑی تعجب اور حیرت کی ہے۔ کیونکہ ان کفار کے لیے اللہ کے یہاں کسی بھی قسم کی کوئی عزت نہیں بلکہ ان کے لیے کسی قسم کی عزت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن مجید میں تو صاف اور صریح طور پر وضاحت فرمادی گئی ہے کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے:-

”وَلِلّٰهِ الْغَنۃُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَالْمُؤْمِنِیۡنَ“ (پارہ ۲۸، سورۃ المنافقون، آیت: ۸)

ترجمہ:- ”اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے۔“

(کنز الایمان)

جب عزت اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے لیے ہے تو یقیناً کفار و نیاؤ آخرت کی عزت سے محروم ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ کفار اور کفار کے سردار ابو جہل سے اُنْتُسَّ الْعَزِيزُ

الْكَذِبِ” کہہ کر کیوں خطاب کیا جائے گا؟ جواباً عرض ہے کہ یہ جملہ طعنے یہ ہے یعنی ابو جہل کو طعنہ دینے کے لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کو اپنی عزت کا بہت غرور محمدؐ تھا۔ وہ اپنے آپ کو کچھ کا کچھ سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ پورے کہ معظمہ میں سب سے زیادہ عزت اور کرم والا میں ہی ہوں لیکن جب قیامت میں اسے عذاب کے فرشتے ذلیل و خوار کرتے ہوئے گھسیٹیں گے اور اس کی ہتک عزت اور ایمانت و حقارت کریں گے تب اسے اس کے غرور و شوخی کو یاد دلاتے ہوئے طعنہ دیں گے کہ: ”یہاں میں تو اپنے کو عزت و کرم والا سمجھتا تھا۔ تو آج تو اپنی شوخی کا نتیجہ دیکھ لے اور ”ذُوقِ“ یعنی چکھ، دردناک عذاب چکھ۔ اس آیت کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر ابو جہل و دیگر کفار کو ”عزت والا“ اور ”کرم والا“ ہرگز نہیں کہا جائے گا۔

اس جملہ طعنے کو آسان مثال سے یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص اپنے کو نیک، متقی، پرہیزگار، عابد و زاهد سمجھتا ہو اور ہر جگہ اپنے زہد و تقویٰ کا فخر یہ و حنڈ و راہینہ پھرتا ہو اور چند دنوں بعد وہ کسی طوائف کے کوٹھے پر نشہ کی حالت میں کسی رنڈی کے ساتھ منہ کالا کرتے ہوئے رکتے ہوں گے یا پھر اچھڑ جائے اور لوگ اس کی پٹائی کریں اور اس کو اپنے زہد و تقویٰ کا غرور یاد دلاتے ہوئے کہیں کہ لے اب ذلت در سوائی کا مزہ چکھ، تو تو بڑا متقی اور پرہیزگار ہے۔ یعنی تو وہی تو ہے جو اپنے آپ کو بڑا متقی اور پرہیزگار کہتا تھا لیکن آج تیری قلعی کھل گئی ہے۔ اب ذرا کہہ تو سہی کہ میں بڑا متقی اور پرہیزگار ہوں۔ اس وقت اس نام نہاد متقی اور بناوٹی پرہیزگار کو اپنی اصلیت کا احساس ہو گا اور متقی ہونے کی جو شوخی مارتا تھا اس پر نہ امت ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح ابو جہل اور دیگر کفار کو قیامت میں طعنہ دیتے ہوئے اور عار دلاتے ہوئے، ذلیل و خوار کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ ”اَنْتَ الْكَذِبُ الْكَذِبُ“ یعنی ”ہاں ہاں! تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔“ اس آیت میں لفظ ”عزیز“ اور لفظ ”کریم“ کا استعمال ابو جہل کی تعظیم و بزرگوار کے مطلب اور مراد میں نہیں کیا گیا بلکہ نہ لیل و نوح کے مطلب و مراد میں استعمال کیا گیا ہے۔

○ قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ کا استعمال اعلیٰ درجے کی ہنریاں یعنی عمدہ ترکاریوں کی تعریف میں ”نفیس“ کے معنی میں بھی ہوا ہے۔

”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ثَبَلًا فَسَخَّرْنَا بِهَا خَلْقَ الْإِنسَانِ“

(پارہ: ۲۱، سورۃ لقمان، آیت: ۱۰)

ترجمہ:- ”اور ہم نے آسمان سے پانی اتارنا تو زمین میں ہر شے جو اُٹا گیا۔“

(کنز الایمان)

تفسیر:- ”یعنی عمدہ اقسام کے نباتات پیدا کیے۔“ (تفسیر خزائن العرفان)

حل لغت -

⑤ نباتات = سبزیاں، ترکاریاں (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۹)

⑥ تیس = عمدہ، اعلیٰ درجہ کی، قیمتی، پاکیزہ، (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۳۶۹)

⑦ جوڑا = ایک سی دو چیزیں، مختلف، (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۳۸۳)

اس آیت میں لفظ ”کریم“ کا استعمال زمین سے اُگنے والی سبزیوں اور ترکاریوں کی ”نفاست“ یعنی عمدگی اور پاکیزگی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔

⑧ حضرت سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے مثل اور نادر زمین حسن و جمال اور خیرہ چشم کردینے والی خوبصورتی کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے آپ کے لیے ”مَلِكٌ كَرِيمٌ“ کا جملہ استعمال کیا تھا۔ جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:-

”إِنَّ هَذَا إِلَّا مَلِكٌ كَرِيمٌ“ (پارہ: ۱۴، سورۃ یوسف، آیت: ۳۱)

ترجمہ:- ”یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثال خوبصورتی اور حسن و جمال کا وصف بیان کرنے کے لیے ”معزز“ کے معنی میں لفظ ”کریم“ کا استعمال کیا گیا ہے۔

⑨ قرآن مجید میں لفظ ”کریم“ کا استعمال جنت کو عزت کی جگہ کے وصف سے متصف کرنے کے لیے ”عزت“ کے معنی میں بھی کہا گیا ہے:-

”وَنُدْخِلْكُمْ مَلَاخِلًا كَرِيمًا“ (پارہ: ۵، سورۃ النساء، آیت: ۳۱)

ترجمہ:- ”اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں“ (کنز الایمان)

اس آیت میں جنت کو عزت کی جگہ سے متصف کرنے کے لیے ”عزت“ کے معنی میں

لفظ "کریم" کا استعمال ہوا ہے۔

صرف لفظ "کریم" کے تعلق سے کل بارہ (۱۲) آیات قرآنہ تلاوت ہوئی ہیں۔ ایسی تو کئی آیات پیش کی جا سکتی ہیں جن میں لفظ "کریم" کا کل موقعہ کے اعتبار سے مختلف معنی مطلب اور مراد میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن طول تحریر کے خوف سے اس بحث کو اکتاب نہیں دیتے ﴿رَبُّ الْغُزٰی الْکَرِیْمِ﴾ (پارہ: ۱۸، سورۃ النور، آیت: ۱۱۶) ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ (پارہ: ۱۰، سورۃ الانفال، آیت: ۷۴) وغیرہ آیات کے ضمن میں تفصیلی وضاحت نہ کرتے ہوئے اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

(۱) "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" آیت کریمہ کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، تو کیا سورۃ الدخان کی آیت "ذُقْ فَلَنَکَ اَنْتَ الْعَذِیْبُ الْکَرِیْمُ" کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر ابو جہل اور دیگر کفار کو اللہ تعالیٰ جیسا عزت والا اور کرم والا مانو گے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے لیے تم یہ کہتے ہو کہ حضور کو قرآن نے جب بشر کہا ہے، تو ہم کہیں تو اس میں کوئی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ تمہارے اس نظریہ کی بناء پر تمہارے نقش قدم پر چل کر کوئی سر پھرا اور عقل کا مارا یہ کہے کہ اللہ "عزیز" اور "کریم" ہے اور قرآن نے ابو جہل اور دیگر کفار کو "عزیز" اور "کریم" کہا ہے لہذا وہ اللہ تعالیٰ جیسے عزت اور کرم والے ہیں، تو ایسا کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ حالانکہ وہ یہ بات قرآن مجید کی آیت کے ظاہری لفظی معنی کو دلیل بنا کر کہہ رہا ہے۔ کیا اس طرح کسی آیت کے ظاہری لفظی معنی کو بطور سند و دلیل پیش کر کے اتنی بڑی بات کہنا مناسب ہے؟

(۲) قرآن مجید میں ﴿حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام﴾ ﴿حضرت جبریل علیہ السلام﴾ ﴿جنت کو﴾ ﴿عرش کو﴾ ﴿رزق کو﴾ ﴿اجر و ثواب کو﴾ ﴿قرعون کی قوم کے آستانہ و مہین مکانوں کو﴾ ﴿زمین سے اٹھنے والی ترکاریوں اور سبزیوں کو﴾ لفظ "کریم" سے متصف کیا گیا ہے اور اللہ جل جلالہ تعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے بھی لفظ

”کریم“ کا استعمال ہوا ہے۔ لفظ کریم کا ظاہری لغوی معنی کرم والا ہوتا ہے۔ کیا ظاہری لغوی معنی کو دلیل و سند بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفت ”کریم“ کا دوسرے پر اسی معنی میں اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو کیوں؟ اور اگر نہیں کیا جاسکتا تو کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ اگر اسی معنی میں اطلاق نہیں کیا جاسکتا تو پھر قرآن مجید میں مختلف افراد اور اشیاء کو ”کریم“ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی وضاحت و تاویل کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر تاویل اور حقیقت و مجاز کا فرق کرنا ضروری ہے تو پھر ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کی بھی وضاحت و تاویل کرنی بھی لازمی اور ضروری ہے یا نہیں؟ ”ہاں“ اور ”نا“ دونوں صورتوں میں وجہ کیا ہے؟ تمام جوابات قرآن وحدیث کی دلیل و پیش کر کے دیں۔

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ ہم نے منافقین زمانہ کے سامنے صرف دو ہی سوال رکھے ہیں۔ حالانکہ اس ضمن میں کثیر تعداد میں سوال قائم کیے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے صرف دو سوال پر ہی اکتفا اس لیے کیا ہے کہ ان دونوں سوالات کے جوابات دینے میں ان کا پسینہ چھوٹ جائے گا اور قیمتی طور پر وہ جواب دینے سے عاجز و قاصر رہیں گے۔ کیونکہ اگر لفظ ”کریم“ کی تاویل کرتے ہیں تو ان کو ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کی بھی تاویل کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا اور اگر لفظ ”کریم“ کی تاویل نہیں کرتے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اور ”سانپ کے منہ میں چھو نہر، نکلے تو اندھا، اُگلے تو کوڑھی“ جیسی صورت و پیش ہوگی اور ”نہ اُگلے بنے، نہ نکلے بنے“ جیسی حالت ہوگی۔

⑤ دلیل نمبر: ۵

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”علیم“ ہے۔ ”علیم“ کے معنی ہوتے ہیں ⑥ جاننے والا ⑥ علم والا ⑥ واقف ⑥ صاحب علم وغیرہ۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت ”غَلِیم“ کا متعدد مقام پر ذکر ہے مثلاً

○ "وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" ترجمہ:- "اور وہی ہے سنا جانتا" (کنز الایمان)

(پارہ: ۸، سورۃ النعام، آیت: ۱۱۵، پارہ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت: ۳)

○ "وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" (پارہ: ۸، سورۃ النور، آیت: ۲۱)

ترجمہ:- "اور اللہ سنا جانتا ہے۔" (کنز الایمان)

○ "إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" (پارہ: ۲۵، سورۃ الشوری، آیت: ۱۳)

ترجمہ:- "بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے۔" (کنز الایمان)

○ "وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ" (پارہ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۱۱۲)

ترجمہ:- "اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔" (کنز الایمان)

مذکورہ آیات میں "جانتے والا" اور "علم والا" کے معنی میں لفظ "علیم" کا استعمال اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت کے طور پر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی کئی آیتیں بھی ہیں جن میں لفظ "علیم" کا اطلاق اللہ کے سوا دوسروں پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً:-

○ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصر کے اقتصاد اور انتظامی امور

کے سلسلہ میں مصر کے بادشاہ سے فرمایا کہ خزانوں کو میرے حوالے کر دیا

جائے کیونکہ:-

"إِنِّي خَفِيفٌ عَلِيمٌ" (پارہ: ۱۳، سورۃ یوسف، آیت: ۵۵)

ترجمہ:- "بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔" (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقولہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام "بے شک" کی قید اور تاکید جملہ کی ابتدا میں لگا کر فرما رہے ہیں کہ بے شک میں "تیم" یعنی علم والا ہوں۔

○ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک معجزہ یہ بھی عطا

فرمایا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں جو عصا یعنی ٹکڑی کا ڈنڈا رہتا تھا، اسے آپ زمین

پر ڈال دیتے تھے تو وہ زندہ اثر دیا یعنی زیر دست سانپ بن جاتا تھا۔ فرعون نے

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا کہ "اگر تیرا یہ جادو کوہر یعنی جادو

سے تعبیر کیا۔ فرعون کے زیر دست بے شمار ساحر اور جادوگر تھے جنہاں نے یہ سوچا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں ملک کے تمام ماہرین جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غلبہ اور فتح حاصل کر لوں۔ جنہاں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چیلنج (Challenge) دیتے ہوئے جو کہا اس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:-

”يَا نُوذُكُ بِكُلِّ سَجْدٍ عَلِيمٌ“ (پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۱۲)

ترجمہ:- ”کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔“ (کنز الایمان)

اس آیت میں ”علم والا“ کے معنی میں لفظ ”عَلِيمٌ“ کا استعمال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں جمع ہونے والے فرعون کے جادوگروں کے لیے کیا گیا ہے۔ آیت میں ”سَاجِدٍ عَلِيمٌ“ کے الفاظ وارد ہیں یعنی علم والے جادوگر۔ مندرجہ دونوں آیات کے ضمن میں کسی صاحب کو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے آپ کو ”علیم“ کہا ہے، اسی طرح فرعون نے اپنے جادوگروں کی اہمیت جتانے کے لیے اپنے جادوگروں کو ”علیم“ کہہ کر سراہا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں ماضی میں وقوع پذیر واقعہ کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کے متعلق نقل کیے گئے ہیں۔ اللہ نے تو ان کو ”علیم“ نہیں کہا ہے۔ ایسے معترض صاحب کی تسکین اور اطمینان کے لیے:-

اب ہم قرآن مجید کی ایک ایسی آیت کریمہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کرنے جا رہے ہیں، جس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے علم والے بندوں کو ”علیم“ فرمایا ہے۔ یعنی اس آیت میں ماضی کے کسی واقعہ کے ضمن میں کسی کا متعلق نقل نہیں کیا گیا بلکہ رب تبارک و تعالیٰ کا صاف اور صریح مقدس ارشاد ہے، جو رب تعالیٰ نے اپنے علم والے بندوں پر انعام و اکرام کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

”تَزُفَعُ لَوْ جِبَتْ مِنْ نَفْسَا، وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“

(پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت: ۷۶)

ترجمہ:- "ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔" (کنز الایمان)

تفسیر:- "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا عالم ہوتا ہے۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۴۴۱)

اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر عالم سے بڑھ چڑھ کر زیادہ علم والا کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ علم والے عالم کو قرآن میں "عَلِیْمٌ" فرمایا گیا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ جو "عظیم" ہے وہ عظیم رب ہی اپنے علم والے بندوں کو "عَلِیْمٌ" فرما رہا ہے۔ نیز اس آیت میں "علم والا" کے معنی میں زیادہ علم والے عالم کے لیے لفظ "عظیم" کا استعمال کیا گیا ہے۔

اب ہم متاقصین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

(۱) قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے "جاننے والا" اور "علم والا" کے معنوں میں لفظ "عظیم" کا استعمال ہوا ہے اور اسی معنی میں دوسروں کے لیے بھی لفظ "عظیم" کا استعمال ہوا ہے۔ جس طرح تم قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ آیت کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، اسی طرح سورۃ یوسف کی دو اور سورۃ اعراف کی ایک یعنی مذکورہ تین آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر تم یہ کہو گے کہ زیادہ علم والے عالم کا علم اللہ تعالیٰ جیسا ہے؟ کیا ایسا کہنا جائز ہے؟

قارئین کرام کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ بے شک قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام "عظیم" مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی ضرور عظیم کہا گیا ہے۔ لیکن اس میں فرق عظیم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ عظیم یعنی جاننے والا اور علم والا ہے۔ یعنی اس کا علم ذاتی اور حقیقی ہے۔ وہ حقیقی عظیم ہے۔ کیونکہ اس کا علم ابدی، ازلی اور سرمدی ہے۔ مخلوق میں سے بعضوں کو "عظیم" کہا گیا ہے۔ یعنی اس کا علم عطائی ہے۔ عظیم ذاتی و حقیقی رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے علم عطا فرما کر "عظیم" بنایا ہے۔ لہذا وہ خود ذاتی اور عطائی عظیم ہے۔ جب کہ

اللہ تعالیٰ حقیقی اور ذاتی علم ہے۔ آیت کے لفظ ”علیم“ کے ظاہری اور لفظی معنی کی بناء پر ہرگز ہرگز مساوات و برابری ثابت نہیں کی جاسکتی۔

① دلیل نمبر: ۶

اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار صفاتی ناموں سے دو نام (۱) سَمِیع یعنی سننے والا اور (۲) بَصِیر یعنی دیکھنے والا بھی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان دونوں صفاتی ناموں کا قرآن مجید کی متعدد آیات میں ذکر ہے مثلاً:-

① ”إِنَّ اللَّهَ سَمِیعٌ مَّ بَصِیرٌ“ (پارہ: ۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت: ۱)
(پارہ: ۱۷، سورۃ الحج، آیت: ۷۵)

ترجمہ:- ”بے شک اللہ مستاد دیکھتا ہے۔“ (کنز الایمان)

② ”إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ“ (پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۳۵)
ترجمہ:- ”بے شک تو ہی مستاد جانتا ہے۔“ (کنز الایمان)

③ ”إِنَّا یُعْبَادُہُ خَبِیرًا مَّ بَصِیرًا“ (پارہ: ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۹۶)
ترجمہ:- ”بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا ہے۔“ (کنز الایمان)

④ ”إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیرًا“ (پارہ: ۱۶، سورۃ طہ، آیت: ۳۵)
ترجمہ:- ”بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔“ (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیات مقدسہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے دو صفاتی نام ”سَمِیع“ اور ”بَصِیر“ مذکور ہوئے ہیں۔ ان آیات میں ”سننے والا“ کے معنی میں لفظ ”سَمِیع“ کا اور ”دیکھنے والا“ کے معنی میں لفظ ”بَصِیر“ کا استعمال کیا گیا۔ لیکن ان دونوں صفات سے عام انسان کو بھی قرآن میں متصف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ:-

⑤ ”إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیعًا مَّ بَصِیرًا“ (پارہ: ۲۹، سورۃ الدھر، آیت: ۲)

ترجمہ:- ”بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا مٹی سے کہ وہ اسے جانیں تو۔“

اسے ستاد یکتا کرو یا۔“ (کنز الایمان)

سورۃ الدھر کی اس آیت میں ”ستاد“ اور ”دیکھنا“ کے معنی میں عام انسان کو ”سمیع“ اور ”بصیر“ کہا گیا ہے۔

اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

(۱) قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت ”سمیع“ اور ”بصیر“ بیان کی گئی ہے۔ سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۳ میں مطلق انسان کو بھی ”سمیع“ اور ”بصیر“ کہا گیا ہے۔ لہذا جس طرح تم آیت مبارکہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے ظاہری لفظی معنی کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، دوسری اور مساوات ثابت کرتے ہو، کیا سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۳ کی بنا پر بھی انسان مطلق کے لیے اللہ تعالیٰ سے مساوات اور برابری ثابت کرو گے؟ اگر کوئی عقل کا مارا تمہارے نقش قدم پر چل کر سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۴ کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر یہ کہے کہ انسان دیکھنے اور سننے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی مثل ہے، معاذ اللہ جیسے کہ تم کہتے ہو کہ ”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کی بناء پر ہم بشر ہونے کے معاملے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح ہیں۔ تو جو شخص عام انسان کے دیکھنے اور سننے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مساوات اور برابری ثابت کرے، اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو ”سمیع“ اور ”بصیر“ کہا گیا ہے، اسی طرح عام

انسان کو بھی ”سمیع“ اور ”بصیر“ کہا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ”سمیع“

اور ”بصیر“ ہونے میں اور انسان کے ”سمیع“ اور ”بصیر“ میں کیا فرق ہے؟

(۳) اگر فرق ہے تو سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۴ کی کیا تاویل و توضیح ہوگی؟ اگر سورۃ الدھر کی

مذکورہ آیت کی تاویل کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے ”سمیع“ اور ”بصیر“

ہونے میں انسان کی مساوات اور برابری ناممکن، محال، اور خارج از امکان ثابت

کی جائے گی۔ تو پھر ”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کی بھی تاویل کر کے حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بشر ہونے کے معاملہ میں، ہم سب کی اور برابری محال اور غیر ممکن کیوں ثابت نہیں کی جائے گی؟

(۳) جب سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۳ کے ظاہری لفظی معنی کو سند اور دلیل بنا کر سننے اور دیکھنے کے معاملہ میں اللہ کے ساتھ انسان کی مساوات و ہم سب کی ثابت نہیں کی جاسکتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے ظاہری لفظی معنی کو دلیل بنا کر بشر ہونے کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہم سب کی اور برابری کا دعویٰ کرتے ہو؟ اور حضور اکرم کو اپنے جیسا بشر کیوں ثابت کرتے ہو؟

ناظرین کرام توجہ فرمائیں کہ سورۃ الدھر میں انسان کو ”مِثْلُكُمْ“ اور ”بَشَرٌ“ کہا گیا ہے۔ دو مجازاً کہا گیا ہے۔ اس آیت کو سند یا دلیل بنا کر قطعاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی مساوات ثابت نہیں کی جاسکتی۔ سورۃ الدھر کی مذکورہ آیت کی تاویل کرنا ضروری اور لازمی ہے اور حقیقت و مجاز کا فرق کرنا اشد ضروری ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ حقیقی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور اس کی عطا اور فضل و کرم سے انسان بھی سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اللہ کی صفات ”تَسْمِيعٌ“ اور ”بَشِيرٌ“ اس کی مقدس ذات کی طرح ازلی، ابدی، سرمدی، دائمی، باقی، غیر فانی، حقیقی، ذاتی، دوامی، جاودانی، قدیمی، مستقل، غیر حادث، برقرار، کامل، اکمل، اور غیر مختصص ہے جب کہ انسان کی سماعت و بصارت غیر ازلی، غیر ابدی، غیر سرمدی، غیر دائمی، غیر باقی، فانی، مجازی، عطفائی، غیر دوامی، غیر جاودانی، عارضی، حادث ناقص، اور مختصص ہے۔

اگر قرآن مجید کی آیات کے صرف ظاہری معنی اور لفظی ترجمہ کو ہی آدمی لپٹا اور چپٹا رہے گا تو بجائے ہدایت کے گمراہیت کے دلدل میں پھنس جائے گا۔ لہذا قرآن مجید کی آیات کے انداز بیان، حقیقت و مجاز کا فرق اور دیگر ضروری امور جو بالتفصیل اور اقاساتہ میں مذکور و بیان ہوئے ہیں ان کا التزام ضروری ہے۔ صحیح قرآن فہمی کے بغیر قرآن بیانی کے جوہر دکھانا ایمان کے لیے ہلک ہے۔ اگر ایمان اور محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ سے قرآن پڑھا جائے گا تو نور ایمان کی فائیں حاصل ہوں گی۔ اور عداوت رسول کی فاسد نظر اور نقص

جوئی کی قیاسیت سے اُقر قرآن پڑھا جائے گا تو ایمان کا چراغ گل ہو جائے گا اور گمراہیت و سیرابی کی تاریکی و ظلمت میں بھٹکتا رہے گا۔ بے شک! قرآن مجید ہدایت ہے لیکن جو محبت رسول کی نگاہ سے قرآن پڑھتے ہیں، ان کے لیے ہی قرآن ہدایت ہے اور جو رسول دشمنی اور نبی کی عداوت کی حاسد اور فاسد نظر سے قرآن پڑھتے ہیں ان کو قرآن سے ہرگز ہدایت نہیں مل سکتی بلکہ وہ قرآن سے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا

(پارہ: ۱، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۶)

ترجمہ:- ”اللہ بہتروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتروں کو ہدایت فرماتا ہے۔“

(کنز الایمان)

تفسیر:- ”یعنی قرآن میں وہی گئی مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے جن کی عقلوں پر جبل نے غلبہ کیا ہے اور جن کی عادت مکار و عناد ہے اور جو امر حق اور کھلی حکمت کے افکار و مخالفت کے خوگر ہیں اور باوجودیکہ یہ شل نہایت ہی بر محل ہے پھر بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اس سے اللہ بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے سے مراد یہ ہے کہ جو غور اور تحقیق کے عادی ہیں اور انصاف کے خلاف بات نہیں کہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ حکمت یہی ہے کہ عظیم المرتبہ چیز کو فضیل کسی قدر ذوالی چیز سے دی جائے اور حقیر چیز کی فضیل کسی ادنیٰ چیز سے دی جائے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۸)

سورۃ البقرہ کی مندرجہ بالا آیت کی تفصیلی وضاحت نہ کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کرتا ہے کہ قرآن مجید کو صحیح معنی، مطلب اور مراد میں سمجھنے کے لیے وسیع علم و درکار ہے۔ صرف لفظی ظاہری معنی کی معلومات حاصل ہو جانے پر آدمی یہ گمان کرے کہ میں قرآن مجیدی کے فن میں ماہر اور کامل ہو گیا ہوں۔ تو ایسا شخص گمراہ ہو جائے گا جیسا کہ دور حاضر کے منافقین گمراہ ہوئے ہیں۔ دور حاضر کے منافقین کی گمراہیت، ضلالت اور بے دینی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہر معاملے کو نگاہ نظر سے دیکھا اور اسلام کے اعلیٰ نظریات و عقائد کو بھی نگاہ کیا۔ حقیقت اور مجاز

کافر کرے کے بجائے ہر معاملے کو حقیقت پر محمول کیا اور توحید پرستی کے غلط وہم و گمان میں انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین کی عالی بارگاہ میں توحید و تحقیق کر کے خودی و دائرۂ اسلام سے باہر ہو گئے۔ مثلاً انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین علیہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے علم، اختیارات، تصرف، خبر گیری، دیکھ بھری، حاضر ناظر وغیرہ خدائے صرف اس بناء پر منکرو مخرف ہوئے کہ اگر اللہ کے لیے بھی علم غیب مانا جائے اور رسول اللہ کے لیے بھی علم غیب مانا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوات و ہمسری ہو گئی اور یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ انہوں نے حقیقت و حجاز کافری نہیں سمجھا اور نہ ہی اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کی بلکہ صرف حقیقت پر معاملہ محمول کر کے شرک کا بے ہوشان فتویٰ صادر کر دیا۔ اگر ہر معاملہ کو حقیقت پر ہی محمول کرنے کی تنگ نظری اور عصبیت سے کام لیا جائے تو پھر کسی شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہے گا۔ کیونکہ:-

قرآن مجید میں ہے کہ:-

- ⊙ اللہ بھی "مُؤْمِنٌ" ہے اور مسلمان بھی "مُؤْمِنٌ" ہے (دیکھو دلیل نمبر ۱ ص: ۲۳۳)
- ⊙ اللہ "زَوَّاقٌ" اور "زَاجِمٌ" ہے اور رسول اللہ بھی "زَوَّاقٌ" اور "زَاجِمٌ" ہیں۔ (دیکھو دلیل نمبر ۲ ص: ۲۳۵)
- ⊙ اللہ تعالیٰ "شَهِيدٌ" (گواہ ہے) اور رسول اللہ بھی "شَهِيدٌ" (گواہ) ہیں۔ (دیکھو دلیل نمبر ۳ ص: ۲۳۵)
- ⊙ اللہ تعالیٰ "وَرِیٌّ" ہے اور ماں باپ کو بھی "وَرِیٌّ" کہا گیا ہے۔ (دیکھو دلیل نمبر ۴ ص: ۲۳۷)
- ⊙ اللہ تعالیٰ "کَبِيرٌ" ہے اور قرآن میں (۱) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) حضرت جبرئیل علیہ السلام (۳) ابراہیم و ثواب (۴) فرعونین کے آراستہ پیراستہ اور حریزین مکانات (۵) ابوجہل اور کفار (۶) عمدہ اقسام کی مہربانیاں اور ترکاریاں (۷) فرشتہ (۸) جنت (۹) عرش اعظم (۱۰) رزق وغیرہ کو بھی "کَبِيرٌ" کہا گیا ہے۔

(دیکھو دلیل نمبر ۵ ص: ۲۳۹ تا ۲۵۸)

- اللہ تعالیٰ - عَلِيمٌ (جانتے والا، علم والا) ہے۔ اور قرآن مجید میں
(۱) حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) فرعون کے جادوگروں
(۳) بڑے علم والے وغیرہ کو بھی ”عَلِيمٌ“ کہا گیا ہے۔

(دیکھو دلیل نمبر ۵ ص: ۲۶۱/۲۵۸)

- اللہ تعالیٰ ”مُتَعَبِّعٌ“ (سننے والا) اور ”بَصِيصٌ“ (دیکھنے والا) ہے۔ لیکن
قرآن مجید میں مطلق انسان کو ”مُتَعَبِّعٌ“ اور ”بَصِيصٌ“ کہا گیا ہے۔

علاوہ ازیں چند ان امور کی طرف بھی توجہ فرمائیں کہ ہم روزمرہ کی بول چال میں اللہ
تعالیٰ کی چند صفات کا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں پر بلا جھجک اطلاق کرتے ہیں۔ مثلاً:- (بہت
عی اختصاراً)

- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو ”مَوْلَانَا“ کہا گیا ہے۔

(۱) ”اَنْتَ مَوْلَانَا“ (پارہ: ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۸۶) ترجمہ:- ”تو
ہمارا مولیٰ ہے“ (کنز الایمان)

(۲) ”هُوَ مَوْلَانَا“ (پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۵۱) ترجمہ:- ”وہ
ہمارا مولیٰ ہے“ (کنز الایمان)

(۳) ”ذَٰلِكَ بَأْسَ اللَّهِ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا“ (پارہ: ۲۶، سورۃ محمد، آیت: ۱۱،
ترجمہ:- ”یہ اس لیے کہ مسلمان کا مولیٰ اللہ ہے۔“ (کنز الایمان)

لیکن ہم مسجد کے امام کو، مدرسے کے معلم کو، وعظ کہنے والے مقرر کو، نکاح پڑھانے
والے کو، اور دیگر اشخاص کو ”مولانا“ یا ”مولانا صاحب“ کہہ کر پکارتے ہیں یا مخاطب کرتے
ہیں۔

- اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”حَیٌّ“ (زندہ) بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

(۱) ”هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ“ (پارہ: ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۵)

(پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۲) ترجمہ:- ”وہ آپ زندہ اور اوروں

کا قائم رکھنے والا“ (کنز الایمان)

لیکن ہر جاندار جو موت کی آغوش میں نہیں گیا اور بقید حیات ہے اس کو ہم ”حی“
یعنی زندہ کہتے ہیں۔ مثلاً میں زندہ ہوں، میرے دادا بزرگوار زندہ ہیں، بکری کا بچہ زندہ
ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایسی تو متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جیسے کہ (۱) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”عظیم“
ہے لیکن مرئیوں اور پیادوں کا علاج کرنے والے کو ہم ”حکیم“ یا ”تکیم صاحب“ کہتے ہیں۔
(۲) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”حاکم“ (حکومت والا) ہے لیکن ہم قوموت کے صاحب
اقتدار افسران اور عہدہ داروں کو ”حاکم“ کہتے ہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”مصور“
(سورس دینے والا، رہانے والا) ہے لیکن جانداروں کی تصویریں بنانے والے چیمبر
(Painter) کو ہم ”مصور“ کہتے ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”ناصیر“
(مددگار) ہے لیکن کسی کی مدد کرنے والے نجی اور فیاض شخص کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص
غریبوں کا ”ناصیر“ یعنی مددگار ہے۔ وغیرہ وغیرہ

جب ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان صفات عالیہ سے مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں
تب ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ مخلوق کی یہ صفات عطائی اور مجازی ہیں۔ حقیقت و مجاز اور ذاتی
و عطائی کا فرق کرنے سے تمام اعتراضات و اختلافات رفع و دفع ہو جاتے ہیں۔ حقیقی اور مجازی
کا فرق کر دینے سے شرک کے خطرے کی گھنٹی نہیں بجے گی۔ تو اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ بے شک
اللہ تعالیٰ علم غیب کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم ذاتی ہے اور اللہ نے اپنے محبوب اعظم کو اپنی عطا
و کرم سے غیب کا علم عطا فرمایا ہے اور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی عطائے
خاص سے ”عَالِمُ مَا كَانُ وَ مَا يَكُونُ“ بنایا ہے تو اس میں شرک کا الارم (Alarm) اور گھنٹا
بجا کر شور و غوغا کیوں مچایا جاتا ہے؟

الحاصل! اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات مثلاً علیم، کریم، مومن، رؤف، رحیم، سمیع، بصیر،
مولا، ناجی، حکیم، حاکم، ناصر وغیرہ کا مخلوق پر مجازاً اطلاق کرنے کے باوجود بھی خالق اور مخلوق
میں کسی قسم کی مساوات و ہمسری ثابت نہیں کی جاسکتی۔ ہمسری ثابت کرنا تو دُر کی بات ہے
ایسا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا بندوں پر قرآن میں ہی اطلاق

کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی، ہماری اور برابری کا کوئی امکان بلکہ امکان کا بلکہ ساشائے
 بھی نہیں بلکہ حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطا کی فرق کے تحت اُن آیات کی مناسب تاویل کی
 چلے گی۔ اسی طرح قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ آیت کے ظاہری اور لفظی معنی کی بنا پر
 ہرگز ہرگز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہماری اور برابری کا دعویٰ نہیں
 کیا جاسکتا۔

حضور اقدس ﷺ کیسے بشر تھے؟

حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ قُلْ
 اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی اے محبوب! تم فرمادے کہ ظاہری صورت بشری میں یعنی انسان
 ہونے میں یعنی آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
 اپنے رب کریم کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے ضرور یہ فرمایا ہے کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لیکن یہ
 ارشاد کیوں فرمایا، کن کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اس کی کیا وجہ تھی، ان تمام باتوں کی تفصیلی بحث ہم
 نے اور اوراق سابقہ میں کر دی ہے۔ اور اوراق سابقہ میں ہم نے ایک ضروری وضاحت یہ بھی کر دی
 ہے کہ یہ آیت کریمہ آیات تشابہات میں سے ہے۔ جس کے ظاہری لفظی معنوں کو سند
 یا دلیل نہیں بنا سکتے بلکہ اس کی مناسب تاویل و توضیح کہنی ضروری ہے۔ لیکن وہ رہا حاضر کے

مناقشین بارگاہ رسالت میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کے لیے ہمیشہ آیاتِ مقابہات ہی پیش کرتے ہیں اور ان کے من گھڑت معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں اور یہاں تک لکھ دیتے ہیں کہ:-

”انبیاء و اولیاء و امام زادے، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں۔“

حوالہ:- ”تقریہ الایمان“ مصنف:- مولوی اسماعیل دہلوی، ناشر:- دارالاسلام، ممبئی ص: ۹۹

مناقشین زمانہ کے امام اول فی الہند علامہ اسماعیل دہلوی نے تمام انبیاء و اولیاء یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام مقرب بندوں کے لیے یہ کہا کہ ”وہ سب انسان ہیں اور عاجز بندے ہیں۔“ اس جملے کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ تمام انبیاء کرام میں حضور اقدس، سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی شمار ہو گیا۔ امام المناقشین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”بشر“ یعنی انسان کہنے کا کتنا شوق ہے کہ صرف ”انسان ہیں“ نہیں لکھا بلکہ ”انسان ہی ہیں۔“ کا جملہ لکھا ہے۔ لفظ انسان کے ساتھ ”ہی“ کی اضافت کر کے انسان ہونے کی بات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ بلکہ آگے چل کر بے ادبی کی جرأت وہ بے باکی کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ ”اور عاجز بندے ہیں“ اب ہم لفظ ”عاجز“ کے معنی لغت میں دیکھیں:-

① عاجز:- ① کمزور ② بے بس ③ مجبور ④ لاچار ⑤ جس سے کچھ نہ ہو سکے ⑥ مغلوب ⑦ تھکا کاندہ ⑧ غریب ⑨ مسکین ⑩ ماپوس ⑪ ناامید

(حوالہ:- (۱) فیروز اللغات، ص ۸۸۷ (۲) لغات کشوری، ص ۳۸۹ (۳) کریم

اللغات، ص ۱۰۷)

لفظ ”عاجز“ کے جتنے بھی معنی ہم نے لغات سے نقل کیے ہیں، ان میں سے کسی ایک معنی میں بھی لفظ ”عاجز“ کو انبیاء کرام اور سید الانبیاء و المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام

کے لیے استعمال کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے۔ دو روحانہ کے منافقین تو ہیں و تہتیں انبیائے کرام کے۔ عالم میں زمانہ ماضی کے منافقین پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ زمانہ ماضی کے صرف منافقین ہی نہیں بلکہ زمانہ ماضی کے کفار، مشرکین، یہود و نصاریٰ سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ زمانہ ماضی کے گستاخ انبیائے کرام کو صرف "بشر" کہتے تھے جب کہ دو روحانہ کے گستاخ "عاجز بشر" کہتے ہیں۔

اب ہم ناظرین کرام کی خدمت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "بشریت" کے تعلق سے ایمان افروز بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک بظن بشری دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ آپ کے بشر ہونے کا اہل سنت و جماعت کو قطعاً انکار نہیں۔ لیکن آپ کی ذات مقدسہ کوئی معمولی بشریت کی شکل نہ تھی بلکہ آپ "نوری بشر" تھے۔ آپ کی نوری بشریت پر نوری آدم کو ناز ہے۔ آپ کی پیدائش نور سے ہے بلکہ آپ سراپا نور ہیں لیکن آپ کا بنی نوع انسان پر احسان و کرم ہے کہ آپ نے اپنے نورانی وجود کو بشریت کے چارے میں مستور فرما کر بظن انسان ہمارے درمیان جلوہ فرما جو کہ اپنے نورانی جلوے سے بہرہ مند فرمایا۔

”حضور اقدس کی نورانی بشریت“

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بظن انسان دنیا میں ضرور تشریف لائے لیکن آپ ہمارے تمہارے جیسے بشر نہ تھے بلکہ آپ ایسے نوری بشر تھے کہ آپ جیسا بشر اللہ نے دوسرا کوئی نہ پیدا فرمایا ہے اور نہ پیدا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور سے اپنے حبیب اکرم کے نور کو پیدا فرمایا ہے ذیل میں ایک طویل حدیث پیش خدمت ہے:-

حدیث:-

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ یعنی حافظ الامام بیہق، احمد الامام، محمد عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مشہور کتاب "مصنف" میں حضرت سیدنا ابن سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ:-

"قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايَ أَنْتَ وَأَيُّ أَخْبَرْتَنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ ۖ قَالَ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ ۖ فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّورَ يَذُورُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ۖ وَلَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتُ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا جَنِّيٌّ وَلَا إِنْسِيٌّ ۖ فَلَمَّا أَرَادَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذَلِكَ النُّورَ أَرْبَعَةً أَجْزَاءٍ ۖ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ ۖ وَ مِنَ الثَّانِي اللُّوحَ ۖ وَ مِنَ الثَّلَاثِ الْغُرُشَ ۖ ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةً أَجْزَاءٍ ۖ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ خَمَلَةَ الْغُرُشِ ۖ وَ مِنَ الثَّانِي الْكَوْسِيَّ ۖ وَ مِنَ الثَّلَاثِ بَاقِيَ الثَّلَاثَةِ ۖ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةً أَجْزَاءٍ ۖ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ السَّمَوَاتِ ۖ وَ مِنَ الثَّانِي الْأَرْضَيْنِ ۖ وَ مِنَ الثَّلَاثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ۖ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةً أَجْزَاءٍ ۖ (الغ الحديت بطوله)

ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:- یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی؟ ۝ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر! بے شک بالحقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ ۝ وہ نور قدرت الہی سے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ چاہا اور وہاں اس وقت لوح

و قلم، جنت و دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن، آدمی، کچھ نہ تھا۔ ۵ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔ ۵ پہلے حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا۔ ۵ پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے۔ ۵ پہلے حصے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے، دوسرے سے کرسی اٹھانے والے فرشتے اور تیسرے سے باقی تمام فرشتے بنائے۔ ۵ پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے بنائے ۵ پہلے حصے سے آسمانوں کو، دوسرے سے زمینیں اور تیسرے سے جنت و دوزخ بنائے۔ ۵ پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے کیے۔“
آخر حدیث تک =

(بخاری:- "صَلَاتُ الصُّبْحِ فِي نَوْرِ النُّصُطَفِيِّ" - مصنف:- اعلیٰ حضرت، امام

احمد رضا محدث بریلوی، ص: ۳)

اس حدیث کو مندرجہ ذیل جلیل القدر ائمہ ملت اسلامیہ نے اپنی معرکۃ الآراء اور معتد و مستند کتب میں صحیح اسناد سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حسن، صالح، مقبول اور معتد کہا ہے۔

- (۱) امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی شافعی نے "ذَلَّيْلُ النَّبُوَّةِ" میں،
- (۲) امام احمد بن محمد المعمری القسطلانی نے "مَوَائِبُ اللَّذَنِيَّةِ عَلَى الشَّمَائِلِ الْمُحَدَّثَةِ" میں،
- (۳) امام ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی کی نے "أَفْضَلُ الْقُرَى" میں،
- (۴) امام علامۃ الفتن محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی نے "تَسْوِجُ مَوَائِبِ اللَّذَنِيَّةِ" میں،
- (۵) علامہ حسین بن محمد بن حسن دریا بکری نے "الْخَمِيسُ فِي أحوال

- (۶) علامہ قاسی نے "مَطَالَعُ الْمَسْئَلَاتِ" میں،
 (۷) شیخ تھقف، شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک محدث دہلوی
 نے "مَذَارِجُ النُّبُوَّة" میں،

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری کائنات کو حضور اقدس کے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، چاند، سورج، زمین، آسمان، جنات، انسان، وغیرہ یعنی کائنات کی کسی بھی چیز کا وجود نہ تھا اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہی تھی۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ جس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ نور مصطفیٰ کی تخلیق نور الہی سے ہوئی۔ اللہ کی ذات کے سوا جب کچھ نہ تھا اور خالق کائنات، رب تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو اس لیے پیدا فرمایا کہ:-

حدیث قدسی:- اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"كُنْتُ كُنْزًا تُخْفِيهِ فَأَخْبَيْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ"

ترجمہ:- "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا

جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا"

اس حدیث قدسی کی تشریح میں علامہ امام عبدالحکیم الجلیلی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تب یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ حادث ہونے کی وجہ سے مخلوق میرے ذات کی معرفت حاصل نہ کر سکے گی، لہذا:-

"فَخَلَقَ مِنْ بَلَدِكَ الْمَحَبَّةَ حَبِيبًا اخْتَصَّهَ التَّجَلِّيَاتِ ذَاتِهِ

وَخَلَقَ الْعَالَمَ مِنْ ذَالِكَ الْحَبِيبِ لِنَمِشِ النَّسَبَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ

خَلْقِهِ بِتَوْفِيقِهِ خَلَقَ النَّسَبَةَ

ترجمہ:- "تو اس نے اس محبت سے اپنے حبیب کو پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کو اپنی ذات کی تجلیوں کے فیض سے مخصوص فرمایا۔ اور اپنے حبیب سے تمام عالم کو پیدا فرمایا تاکہ وہ حبیب خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت (واسطہ) بن جائے اور مخلوق اس حبیب کی نسبت سے اپنے خالق کی معرفت پائے۔"

(حوالہ:- جواہر المکار، (عربی) جلد: ۱، ص: ۲۳۹)

حدیث:- امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس، جان عالم و رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي وَبَيْنَ نُورِي خَلَقَ جَمِيعَ الْكَائِنَاتِ"

ترجمہ:- "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا، پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔" (حوالہ:- بیان المسائل النبوی (عربی) ص: ۲۳)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے پوری کائنات پیدا کی گئی ہے۔ مندرجہ بالا حدیث نبوی کے قبل جو حدیث شریف پیش کی گئی ہے اس حدیث نبوی شریف میں نور مطلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا کیا چیزیں اور کس طرح پیدا کی گئی ہیں، اس کا ذکر ہے۔ اس کو ایک نظر میں سمجھنے کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں:-

نور مصطفیٰ

(۳)	(۳)	(۲)	(۱)
چار حصے کے لیے	عرش	لوح	قلم

(۳)	(۳)	(۲)	(۱)
چار حصے کے لیے	باقی تمام فرشتے	قلم اٹھانے والے فرشتے	عرش اٹھانے والے فرشتے

(۳)	(۳)	(۲)	(۱)
چار حصے کے لیے	جنت اور دوزخ	تمام زمینیں	تمام آسمان

آخری حدیث تک یعنی اسی ترتیب سے ہر چوتھے حصہ کے چار حصے ہوتے گئے
اور پوری کائنات وجود میں آئی

اس نقشے سے قارئین کرام اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ نور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کس طرح حصص ہوئے اور کون سے حصہ سے کیا چیز بنی، الغرض لوح و قلم، عرش و کرسی، جنت و دوزخ، زمین و آسمان، چاند، سورج و ستارے، فرشتے اور تمام مخلوق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور پاک کے مستقیم طور پر ہی آئی ہے۔ بھول :-

ہے انہیں کے نور سے سب عیاں، ہے انہیں کے جلوہ میں سب نہاں
 بنے صبح تابش مہر سے، رہے پیش مہر یہ جہاں نہیں

(از:- امام عشق و محبت، حضرت رضا بریلوی)

کائنات کی کوئی بھی شئی اپنے وجود میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طفیلی اور
 خیراتی ہونے سے خارج نہیں۔ پوری کائنات حضور اقدس کے نور کے طفیل و بدولت ہی وجود
 میں آئی ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہی
 کائنات کو وجود بخشا ہے۔

حدیث قدسی:- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور
 اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تبارک و تعالیٰ کا
 ارشاد گرامی ہے کہ ”مجھے اپنی ذات کی قسم! میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اسی
 لیے پیدا کیا ہے کہ:-

لَا عَزَمَ فَهَمْ كَوْنُ امْتَنَكَ وَمَنْزِلَتِكَ عِنْدِي وَلَوْ لَاكَ مَا خَلَقْتُ
 الْخَلْقَ

ترجمہ:- ”تاکہ انہیں آپ کی اس عظمت و کرامت اور منزلت و مرتبت سے آگاہ
 کروں جو میرے یہاں ہے، اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں دنیا پیدا نہ
 کرتا۔“ (حوالہ:- ”خصائص کبریٰ فی المعجزات خیر الوری“ (عربی)
 از:- علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، جلد: ۱، ص: ۱۹۳)

حدیث قدسی:- حضرت علامہ علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی المعروف بدلا علی
 قاری اپنی کتاب میں ”دلیلی“ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت
 عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے اللہ
 تعالیٰ کا یہ بیظاہر کلمہ کہ:-

”يَا مُجِئُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَسَايُزُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ اللَّذَنِيَّةَ

ترجمہ:- ”اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔“ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ ”اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔“

(حوالہ:- موضوعات کبیرہ ص: ۵۹)

مذکورہ روایت سے ملتی جلتی بہت سی روایت ملت اسلامیہ کے طویل القدر ائمہ اور علماء کی کتب معتدہ و معتبرہ مثلاً ① علامہ زرقاتی کی ”شرح المواهب اللدنیہ“ ② قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی کی ”الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ“ ③ امام جلال الدین سیوطی کی ”الخصائص الکبریٰ“ ④ شامی شمس بن عبدالحق محدث دہلوی کی ”مدارج النبوۃ“ ⑤ شرح الشفاء ⑥ مکتوبات امام ربانی ⑦ عرائس البیان ⑧ جواہر البحار وغیرہ کتب میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک وارد ہے کہ:-

”لَوْلَاكَ لَمَّا أَظْهَرْتُ الزُّبُيَّةَ“ یعنی ”اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔“

اختصاراً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس فوری کی پوری کائنات میں دنیا باریاں ہیں۔ کائنات کی ہر شئی اپنے وجود اور بقا کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فوری کی مہربان منت اور احسان مند ہے۔ اگر حضور اقدس کی ذات گرامی نہ ہوتی تو کائنات کا وجود تک نہ ہوتا۔ بقول:-

”وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(از:- امام عشق محبت، حضرت رضا بریلوی)

◎ قرآن میں حضورِ اقدس کو ”نور“ کہا گیا ہے:-

”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیت کریمہ کے ظاہری لفظی معنی سے غلط استدلال کر کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والوں میں غیرت کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا تو وہ بر گزایا۔ نا شائستہ جملہ کبھی نہ کہتے کیوں کہ ”أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کا خطاب کفار اور شرکین سے ہے کیونکہ کفار و شرکین کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہتے آئے ہیں۔ لہذا ان سے ”أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ فرمایا گیا ہے۔ کسی بھی نبی کے کسی بھی مومن امتی نے اپنے نبی کو ”بشر“ نہیں کہا لہذا مومنین سے یہ فرمایا گیا ہے کہ:-

”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ“

(پارہ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۱۵)

ترجمہ:- ”جے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب“
(کنز الایمان)

تفسیر:- اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین محمد بن عمر بن عمر رازی شافعی الترمذی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں کہ:-

”الْمُزَادُ بِالنُّورِ مُحْكَمٌ وَبِالْكِتَابِ قُرْآنٌ“ یعنی ”اس آیت میں نور سے مراد حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔“ (تفسیر کبیر، پارہ: ۶، ص: ۱۸۹)

اس آیت کے علاوہ دیگر آیت میں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”نور“ فرمایا گیا ہے۔ اہل ذوق حضرات مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر کی طرف رجوع فرمائیں:-

◎ پارہ: ۱۰، رکوع: ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت: ۳۴۔

◎ پارہ: ۱۸، رکوع: ۱۱، سورۃ النور، آیت: ۳۵۔

◎ پارہ: ۲۴، رکوع: ۳، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۵ و ۳۶۔

⑤ قرآن میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی واضح دلیل ہیں:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ

(پارہ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۱۷۳)

ترجمہ:- "اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی۔"

(کنز الایمان)

تفسیر:- واضح دلیل سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے، جو کے صدق پران کے مجھ سے شاید ہیں اور مکررین کی عقلوں کو حیران کر دیتے ہیں۔" (تفسیر خزائن القرآن، ص: ۱۹۰)

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جسوہانِ دہ - یعنی "اللہ کی دلیل" کے معزز، مقرب اور معظم قلب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔ اسی ایک قلب سے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اختیارات و کمالات ثابت ہو جاتے ہیں۔ اہل دانش اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ دلیل کا قویٰ یعنی مضبوط ہونا یا دلیل کا ضعیف یعنی کمزور ہونے کا انحصار دلیل والے یعنی صاحب دلیل پر ہے یعنی دلیل کرنے والا جتنا قوی ہوگا، اتنی ہی قوی اس کی دلیل ہوگی اور اگر صاحب دلیل ضعیف ہے تو اس کی دلیل کمزور یعنی عاجز ہوگی۔ مثال کے طور پر بڑے اور نامور وکیل کی دلیلیں قوی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ اس وکیل کے وسیع علم کی بنا پر اس کی دلیلیں اتنی زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کہ مقدمہ میں کامیابی اور فتح حاصل ہوتی ہے جب کہ چھوٹے اور نا تجربہ کار نو تعلیم یافتہ کی دلیلیں کمزور اور عاجز ہوتی ہیں۔ بڑے اور تجربہ کار بہتہ مشن وکیل کے متعلق کوئی نہیں کہتا کہ اس کی دلیل کمزور یعنی عاجز ہیں۔ بلا مثال

جسٹیل جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اللہ کی دلیل" ہیں، تو اللہ کی دلیل کبھی بھی "عاجز" نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ وہ "عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" ہے۔ اس کی قدرت اور طاقت سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کی قدرت اور طاقت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے کہ اس کے ایک حکم "کُنْ" سے یعنی "ہو جا" فرمانے سے ہی "فَيَكُونُ" یعنی "سب کچھ ہو جاتا ہے۔" اس رب العظیم، رب قدر، قادر مطلق، قوی، باریک، حافظ، حقیقہ، ناصبر، نصیب، خیر، قیوم، لہ ما فی السموات والارض، فقال لَمَّا بَيَّنَّنَا، أَحْكَمَ الْخَالِقِينَ اور مالک و مولیٰ کی دلیل کبھی "عاجز" ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی سر پھر اشریہ اللہ کی دلیل کو "عساجز" کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان میں توہین اور گستاخی کرتا ہے۔ کیونکہ دلیل کو "عساجز" کہنا صاحب دلیل کو مجر سے معیوب کرنے کے مترادف ہے۔

امام منافقین زمانہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ اور مہلک ایمان کتاب "تقریبہ الایمان" کے صفحہ نمبر ۹۹ پر تمام انبیائے کرام کو معاذ اللہ "عاجز" لکھ کر انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کے ذمہ اور مغالطہ میں درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں گستاخی و بے ادبی کر ڈالی ہے۔ کیونکہ تمام انبیائے کرام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آگے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "بِزَهْدَانِ یَسِّرْ وَ یَسِّرْ لَکُمْ" یعنی "تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل" فرمایا ہے۔ رب کی دلیل اس کی قدرت کے مطابق قوی ہی ہوتی ہے۔ رب قوی کی دلیل کبھی بھی کمزور اور عاجز نہیں ہو سکتی۔ رب کو عاجز کہنے والا درپردہ اور فی الحقیقت رب قوی و قدر کو ہی عاجز کہہ رہا ہے۔ بلکہ رب تعالیٰ کو ناراض کر کے اس کے قہر، عذاب، غضب اور عتاب کا مستحق بن رہا ہے۔ منافقین زمانہ کا یہ دھیرہ اور طریقہ ہمیشہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے لیے اللہ کے مقرب اور محبوب بندوں کی شان گھٹاتا اور ان کی شان گھٹا کر یہ اطمینان باطل حاصل کرتا کہ ہم نے اللہ کی شان بہت بڑھادی اور اللہ کی تعریف کرنے کا حق ادا کر دیا لیکن یہ سب ان کا خوابی خیال ہے۔ جو ہجاء منشور کی طرح کا فوہو جائے گا۔ کیونکہ کسی کی دلیل کو عاجز کہنا اور پھر یہ گمان کرنا کہ میں

نے اس کی تعریف کر دی نری بے وقوفی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ماہر اور مکہ مشق تجربہ کار وکیل سے یہ کہے کہ جناب میں آپ کے علم اور آپ کی ذہانت کا قائل ہوں لیکن آپ کی دلیلیں کمزور و عاجز ہیں، تو کیا اس نے اس ماہر وکیل کی تعریف کی ہے یا توہین؟ اس شخص کی زبانی ایسی بات سن کر وہ وکیل اس سے خوش ہوگا؟ بلا مثال و تمثیل اگر کوئی منافق اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور لامحدود طاقت کا تو اعتراف کرتا ہو مگر اللہ کی ”دلیل“ کو کمزور اور عاجز کہتا ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد و ثناء کی ہے یا توہین و گستاخی و بے ادبی کی ہے؟ کیا ایسے منافق کی ایسی بات سے اللہ تعالیٰ کبھی خوش ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس پر اپنا غضب و عتاب نازل فرمائے گا۔

ایک اہم نکتہ کی جانب بھی قارئین کرام کی توجہ ملتقت کرنا بھی ضروری ہے کہ سورۃ المائدہ کی مذکورہ آیت کی ابتداء میں ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ کا کلمہ وارد ہے یعنی ”اے لوگو!“ یعنی یہ خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ تمام انسانوں میں مؤمن، کافر، مشرک، مرتد، منافق، یہود، نصاریٰ وغیرہ سب آگئے۔ یہ خطاب صرف مؤمنین سے نہیں بلکہ تمام نوح بنی آدم سے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ”تَعْلِيمُ“، ”بِقِسَافِ الصُّلُوْدِ“ ہے۔ سینہ میں چھپی ہوئی مخفی بات سے بھی وہ خبردار ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں کے ہر ہر حال سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ بظاہر کلمہ پڑھنے والے اور حقیقت میں گستاخ ایسے منافق بھی پیدا ہوں گے، جو میرے حبیب اکرم اور محبوب اعظم کو ”عاجز بندہ“ کہیں گے۔ میرے محبوب اعظم کو کوئی بھی ایمان والا ”عاجز“ بندہ نہیں کہے گا بلکہ کفار، منافقین و مشرکین ہی ایسے توہین آمیز کلمات کہہ کر اور لکھ کر گستاخی کریں گے لہذا اس آیت کی ابتداء میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے بجائے ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ کا جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے اور تمام لوگوں کو آگاہ اور متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ فَلَا جُنَادَ لَكُم مِّنْ هَٰؤُلَاءِ قِيلَ وَبِكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ“ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی، ”(کمزور ایمان)۔ اس آیت سے یہ مفہوم بھی اخذ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”عاجز“ بندہ کہنے والوں کی سرکش زبانوں پر لگام ڈالی گئی ہے کہ اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”عاجز بندہ“ کہنے والو! ہوش میں آؤ،

وہ اللہ کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر و قادر بر قوی ہے، اور اللہ کی دلیل بھی قوی ہے، اللہ کی دلیل کبھی بھی کمزور و عاجز نہیں ہو سکتی۔ طاہر و ازہر اس آیت میں "ذَلِيلٌ يِّنْ رَّبِّكُمْ" نہیں فرمایا گیا بلکہ "مُؤْهِلٌ يِّنْ رَّبِّكُمْ" فرمایا گیا ہے۔ "دلیل" اور "برہان" کے معنی میں بہت فرق ہے۔

○ دلیل = اس حجت (Argument) اور وضاحت (Explanation) کو کہتے ہیں جو قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط حجت پیش کر کے اس کو توڑا جاسکتا ہے اور یہ حجت ہمیشہ غالب نہیں ہوتی بلکہ کبھی مغلوب بھی ہو جاتی ہے۔

○ برہان = اس حجت کو کہتے ہیں جو ایسی واضح ہوتی ہے کہ اس کو رد نہیں کیا جاسکتا اور اس کو قبول کرنے میں کسی قسم کا تاہل نہیں ہوتا۔ اس دلیل کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوی حجت پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ حجت ایسی قوی اور مضبوط ہوتی ہے کہ اس میں شک و شبہ نہیں ہوتا، اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ غالب رہتی ہے اور مغلوب نہیں ہوتی۔

دلیل اور برہان کے فرق کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے تاکہ اہل ذوق حضرات تحقیق و توضیح کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر آپ دارِ موتی و جواہر برآمد کرنے پر مستعد ہوں۔

"إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت کے ظاہری لفظی معنی کو سند اور دلیل بنا کر حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا "بشر" کہنے کا شور و فغا مچانے والے منافقین کو قرآن مجید کی آیت "قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ" اور "قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" کیوں نظر نہیں آتی؟ کیا ان آیات کے دیکھنے سے ان کی بصارت زائل ہو گئی ہے؟ یا پھر جذبہ بغض و عناد کی وجہ سے قصداً و عمداً روگردانی و انحراف کرتے ہیں؟

”ایک اہم سوال؟“

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا وجہ ہے کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں کبھی نور کہا گیا ہے، کبھی اللہ کی برہان کہا گیا ہے، اور کبھی یہ حکم بھی فرمایا گیا ہے کہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آخراں کی وجہ کیا ہے؟ ایک ہی ذات گرامی کی اس طرح مختلف کیفیتیں کیوں بیان فرمائی گئی ہیں؟ واقعی یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس کا جواب دو چار سطروں میں دے کر سمجھایا نہیں جاسکتا بلکہ تفصیل درکار ہے۔ تسلی بخش جواب حاصل کرنے کے لیے اوراق آئندہ کا مطالعہ کرنے کی رحمت گوارا فرمائیں۔ امید ہے کہ اس سوال کا شافی و روانی و کافی جواب حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وحید صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

”حضور اقدس ﷺ کی تین حیثیتیں“

مندرجہ بالا جو سوال پیدا ہوا ہے، اس کا جواب عرض خدمت ہے کہ واقعی یہ حقیقت ہے

کہ۔

① قرآن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی ”بشر“ فرمایا گیا ہے۔

② قرآن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”اللہ کی دلیل“ اور ”نور“

بھی فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث کریمہ میں بھی یہ صورت درپیش ہوتی ہے کہ۔

بعض احادیث میں حضور اقدس نے اپنی شانِ عیدیت اور بشریت کا اظہار فرمایا ہے۔

بعض احادیث میں اپنی شانِ نورانیت ظاہر کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے کہ میں اللہ کے نور سے ہوں۔

بعض احادیث میں اپنی شانِ محبوبیت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں اللہ کا حبیب ہوں۔

بعض احادیث میں اپنی شانِ اقرب الی اللہ کی نشاندہی میں فرمایا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا۔

بعض احادیث میں بارگاہِ الہی میں اپنی وجاہت و منزلت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کہ "أَنَا الْقَدَمُ وَلَدِ آدَمَ عِنْدَ رَبِّي" یعنی "میرا مقام میرے رب کے ہاں تمام اولادِ آدم سے بڑھ کر ہے۔"

(ترمذی عن ابن عباس جلد دوم، ص: ۲۰۱)

پہلے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت و شکل انسانی میں دنیا میں تشریف لائے ہیں لیکن آپ کے ذاتِ اقدس صرف بشری کیفیت تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ بظاہر انسان یعنی بشر ہونے کے باوجود تین کیفیتوں کے حامل تھے وہ کیفیات کیا تھیں؟

◎ علامہ شیخ اجل، حضرت اسماعیل حق بنی برہسوی (المتوفی ۱۱۳۷ھ) علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی شہرۂ آفاق اور مشہور و معروف "تفسیر روح البیان" میں پارہ ۱۶، سورۃ مریم، آیت ۱: "كَمْ يَبْعَثُ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین کیفیتیں ہیں (۱) صورتِ بشری (۲) صورتِ حق اور (۳) صورتِ ملک۔ حضور اقدس کی ان تینوں حیثیتوں کو بالتفصیل سمجھنے کی کوشش کریں:-

○ حضور اقدس کی کیفیت صورت بشری :-

یعنی انسانوں جیسی کیفیت۔ یعنی ظاہری شکل و صورت میں آپ انسان ہی ہیں اور عام انسانوں کے ساتھ مل جل کر انسانی زندگی بسر فرماتے ہیں۔ مثلاً مذہبی زندگی، سماجی زندگی، خاندانی زندگی، ازدواجی زندگی، تجارتی زندگی، مجاہدانہ زندگی، عابدانہ زندگی، وغیرہ۔ یعنی آپ نے تمام نوٹ انسانی پر احسان و کرم فرماتے ہوئے انسانوں کے درمیان ہر شکل انسان جلوہ فرما رہے اور انسانیت کے اہم تقاضوں کو پورا فرمایا یعنی آپ نے انسانوں کو انسانی اخلاق حسنہ اور اللہ کی توحید کی سرف زبانی تعلیم ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس پر عمل فرما کر انسانوں کو صحیح معنی میں انسان بننے کی عملی تعلیم فرمائی۔ آپ نے مکہ معظمہ میں اپنے بچپن اور جوانی کے ایام اس نفاست اور پاکیزگی سے بسر فرمائے کہ آپ کے دامن عصمت پر کبھی بھی کسی امر مکروہ کی گرد تک نہ آئی۔ آپ نے رشتہ داروں کی معیت میں خاندانی اور گھریلو زندگی بسر فرمائی۔ نکاح فرمایا اور ازدواجی زندگی کو حسن اسلوب کی زینت بخشی، آپ نے تجارت فرمائی اور تاجروں کو دیانت داری اور ایمانداری کا درس دیا، آپ نے ظالموں کے ظلم و ستم بھی برداشت فرمائے اور مظلوموں کو صبر و تحمل کا دامن تھامے رہنے کی نصیحت و تلقین فرمائی، دشمنوں کی ستم طریقوں کا خندہ پیشانی نیک سلوک سے جواب دیا، اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ ہجرت بھی فرمائی اور وقت کے تقاضا کے پیش نظر "اَعْلَاہِ کَلِمَۃُ الْحَقِّ" اور "اَسْدِ اَعْلَمِ" کے لیے جہاد بھی فرمایا لیکن کسی بھی حالت میں حق و ہدایت کی راہ استوار سے عدول و انحراف نہ کیا اور ہمیشہ اپنے رب کی توحید اور عبادت میں منہمک رہے اور انسانوں کو یہ درس دیا کہ سچا انسان وہ ہے جو اللہ کا بندہ اور پرستار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی آپ نے اتم و اکمل طریقہ سے بجا آوری فرمائی اور لوگوں کو عملی تعلیم دی۔ آپ نے اپنے نوری وجود کو بشری قالب میں مستور فرما کر، دونوں جہاں کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک ہونے کے باوجود سادہ اور بے ریا زندگی کو پسند فرمایا۔ ہمیشہ آرام و تکلفات کو ترک فرما کر سادگی کو اختیار فرمایا۔ یہ سب آپ نے لوگوں پر احسان فرماتے ہوئے اور زمین انسانیت کو چلا بخشنے اور کرم فرماتے ہوئے کیا اور

لوگوں کو یہ حقیقت یاد کرادی کہ میں خدا کا محبوب ہونے کے باوجود انسانوں کے بیچ میں شانِ عبدیت سے مستثنیٰ ہو کر اللہ کی عبادت و ریاضت کرتا ہوں تاکہ تم بھی میرے نقش قدم پر چل کر توحیدِ خالص پر استقلال و استحکام سے گامزن ہو کر اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت بنا لو۔

آپ کی ہدایت و نصیحت لوگوں پر اثر پذیر جب ہی ہو سکتی تھی کہ خود آپ اس پر عمل فرمائیں۔ اگر آپ نے انسانی شکل و صورت اختیار نہ فرمائی ہوتی اور بصورت فرشتہ بذاتِ خود ان اعمالِ حسنہ پر عمل فرماتے تو لوگ یہی کہتے کہ یہ عمل ہم سے نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ لہذا آپ نے انسانی شکل و صورت اختیار فرما کر تمام اعمالِ حسنہ پر عمل کر کے لوگوں کو یقین دلادیا کہ یہ سب کام انسانوں کو کرنے کے ہیں اور انسانوں سے یہ کام ہو سکتے ہیں۔ آپ کو بصورتِ انسان دیکھ کر لوگوں کو ایک اُفس بھی ہوا اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے مشکل نظر آنے والے کام آسان محسوس ہوئے۔ انسان کی دنیوی حیات "مَسْرُوعَةُ الْآخِرَةِ" یعنی آخرت کی کھیتی ہے اور یہاں جتنا بویا جائے گا اسی کے مطابق آخرت میں پھل و ثمرات حاصل ہوں گے۔ اس حقیقت کو لوگوں کو عملی طور پر سمجھانے اور اس حقیقت کو لوگوں کے دلوں میں رائج کرنے کے لیے آپ نے بھی کثرت سے عبادت و ریاضت فرمائی۔ شب بھر نماز میں مشغول رہے، یہاں تک کہ طولِ قیام کی وجہ سے آپ کے پائے اقدس میں دم آجاتا۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ کے قدم ہائے مبارک میں شکاف پڑ جاتے۔ الغرض آپ نے شانِ عبدیت کے تمام تقاضوں کی تکمیل اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں حد درجہ سعی فرمائی۔

غلاہ ازیں گا ہے گا ہے عظیم معجزات کا بھی ظہور فرمایا۔ آپ کے عظیم الشان مغفرت و کچھ کر سحابِ کرام نے عرض کیا کہ ہم آپ کو تعظیم کا سجدہ کریں، تب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی اور آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہود و نصاریٰ کی طرح قومِ مسلم بھی اپنے نبی کی محبت میں غلو کرتے ہوئے حد و شرع کو تجاوز نہ کر گئیں۔ اس دراندیشی کو ٹوٹا فرماتے ہوئے اور ہمیشہ کے لیے شرک کی نجاست کا سد باب فرمانے کے لیے آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "amānati" معنی "میں اللہ کا بند و

ہوں لہذا یہ کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول" (بخاری و مسلم من عمر بن الخطاب)
 آپ نے لوگوں کو اس بات کا احساس دلادیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب و اعظم اور بے شمار
 فہاکل و خصال و کمالات کا حامل ہونے کے باوجود خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ اور رسول ہوں
 بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اسی طرح آپ نے لوگوں کے سامنے
 اپنی صورت بشری اور شاہانِ عہدیت کا اظہار فرمایا۔

⑤ حضورِ اقدس کی کیفیتِ صوری تھی :-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کا تقرب اور بارگاہِ الہی میں آپ کی قدر و منزلت اور
 عزت و وضاحت اور مرتبہ و رسالت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے ہی اپنی زبانِ اقدس سے
 ارشاد فرمایا کہ :- "مَنْ زَانِسٍ فَقَدْ زَاةَ الْحَقِّ" یعنی "جس نے مجھ کو دیکھا، اس نے حق کو
 دیکھا۔" (الحدیث)

اس حدیث کے ضمن میں امام اجل، علامہ بیہانی قدس سرہ اپنی معرکہ الاراء و شہرہ آفاق
 تصنیف، کتابِ مستطاب "حُجَّةُ اللَّهِ عَلَى الْعَالَمِينَ فِي مُعْجَزَاتِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ"
 میں امام احمد بن حنبل اور یس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تامل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مَنْ زَانِسٍ فَقَدْ زَاةَ الْحَقِّ"
 تعالیٰ "یعنی" جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا "اس طرح آپ نے آنحضرتؐ کی
 حیثیت سے اپنے چہرہ پر نور میں "اللہ کے نور" کا جلوہ دکھایا اور اپنی صورتِ حقیقی ظاہر فرمائی۔

⑥ ایک حدیث میں تو یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں کہ "كَمْ يَغْدِرُنِي حَقِيقَةُ غَيْدُرٍ
 زَيْبِي" یعنی مجھے میرے رب کے سوا کسی نے بھی حقیقتاً نہیں پہچانا۔"
 ایسی کئی روایات کتبِ احادیث میں پائی جاتی ہیں کہ جن سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کی صورتِ حقیقی کی کیفیت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

⑦ حضورِ اقدس کی کیفیتِ صورتِ مکی :-

یعنی وہ کیفیت کہ وہاں تک پہنچے کہ ان کی کیفیت سے واقف ہونے کی بلکہ اس

کیفیت کی حقیقت کا تصور کرنے کی بھی کسی انسان یا فرشتے میں استطاعت و صلاحیت نہیں۔

کیونکہ اس ملکی صورت کی کیفیت کے متعلق خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

”لَيْتَ مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْمَعُ فِيهِ مَلَكَ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ“

ترجمہ:- ”میرے لیے اپنے رب سے قربت حاصل کرنے کے کچھ اوقات ہیں۔ ان

اوقات میں مجھے میرے رب سے جوزدیکی حاصل ہوتی ہے اس مقام پر

نکوئی فرشتہ مقرب نہ ہو سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل ہو سکتا ہے۔“

یعنی اس اعلیٰ مقام و منزل تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کی بھی

رسائی نہیں ہے۔ صرف حضور اقدس کی ہی اس مقام پر فیض تک رسائی ہے۔ یہ ہے صورت ملکی کی

کیفیت جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائی۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت بشری کے علاوہ

دیگر دو کیفیات یعنی (۱) صورت حقّی اور (۲) صورت ملکی بھی ہیں۔ یہ دونوں کیفیات صورت

بشری سے کئی درجہ افضل و اعلیٰ اور ارفع و بالا ہیں۔ بلکہ یہ دونوں کیفیات صرف حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ”خصائص کبریٰ“ میں سے ہیں۔ حضور اقدس کے سوا مخلوق میں سے کسی کو

بھی یہ دونوں کیفیات میسر نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ ان حیثیات کی صحیح کیفیات سے بھی ہم

واقف نہیں ہو سکتے لہذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ

عظمتی اور رتبہ عالی کو کا حق سمجھنے سے ہم نہ جز و قاصر ہیں۔ حضور اقدس کے مرتبہ و رتبے کو،

حضور اقدس کو اپنے فضل و کرم اور نعم و عطا کی بے شمار نعمتوں اور عظمتوں سے نوازنے والا خدا ہی

جانتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت حقّی اور صورت ملکی تو بہت دور کی بات

ہے بلکہ حضور اقدس کی صورت بشری کو بھی ہم کا حق نہیں پہچان سکتے اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ

تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب و عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسی بے مثل و مثال نوری بشریت عطا

فرمائی ہے کہ:-

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا، تیری خلق کو حق نے جیل کیا

کوئی تجھ سے عظیم نہ ہو سکا، کوئی تجھ سے جیل نہ ہو سکا

marfat.com

(از :- امام عشق و محبت، حضرت رضا بریلوی)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ”بشریت“ کیسی ”نوری بشریت“ تھی اور آپ صغیر ہستی میں بلکہ پوری کائنات میں ایسے بے مثل نوری بشریت تھے۔ وہ دیکھیں :-

”حضور اقدس کی تابناک اور درخشاں نوری بشریت اور صورت بشری کے اعجاز و کمالات“

بے شک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانی شکل و صورت میں دنیا میں تشریف لائے ہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایسی صورت خاصہ سے نوازا ہے کہ ولادت با سعادت سے لے کر دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے تک کی آپ کی ظاہری حیات طیبہ کی ہر جزا اور جسم اقدس کی نوری خصوصیت میں آپ کا شکل و ثانی نہیں۔ امام طہیل، قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی اپنی کتاب ”الْبَيْضَاءُ بِتَغْرِيفِ حَقَّقِي الْمَصْلُفِي“ میں فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حسن اور صورت میں بھی سب سے اعلیٰ والا کیا ہے اور حقیقت روح و باطن کے اعتبار سے تو تمام انبیائے کرام بشری اوصاف سے اعلیٰ ہیں۔“ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ”أَشْبَعُ اللَّفْعَاتِ شَوْجَ وَشَكْوَةً“ میں فرماتے ہیں کہ ”انبیائے کرام علیٰ مینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام وکوارہر چونکہ ظاہراً حد بشریت پر متضمن ہوتے ہیں لیکن ان کے احوال و باطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔“

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ ”تَفْسِيرُ فَتْحِ الْعَزِيزِ الْمَعْرُوفِ فِي تَفْسِيرِ تَعْنِيْنِي“ میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبہ انوار حق آپ پر ملی لہذا دام (ہمیشہ) حاصل ہو۔ بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آنے والی شے میں شے نہیں۔“

ایسے ایمان افروز اقوال و روایات سے ائمہ ملت اسلامیہ کی کتابیں لبریز ہیں۔ یہاں آئی
مجموعہ نہیں کہ ان تمام اقوال کو یہاں نقل کریں۔ اہل ذوق و شوق حضرات مندرجہ ذیل کتب
کی طرف رجوع فرمائیں:-

(۱) "الشِّفَاءُ بِتَغْرِيفِ حُقُوقِ الْمُصْطَفَى"
از:- قاضی ابوالفضل عیاض بن عمر واندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ)

(۲) "شَوَاهِدُ النُّبُوَّةِ"
از:- علامہ نور الدین عبدالرحمن جامی بن احمد محمد ایرانی (المتوفی ۸۹۸ھ)

(۳) "تَسْبِيحُ الرِّقَاصِ شَرْحُ شِفَاءِ قَاضِي غِيَاضِ"
از:- علامہ امام احمد شہاب الدین خفاجی المصری (المتوفی ۱۰۶۹ھ)

(۴) "الْخَصَائِصُ الْكُبْرَى فِي النُّعْجَاتِ خَيْرِ الْوَرَى"
از:- خاتم الخلفاء، امام جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۵) "مَنَاهِلُ الصِّغَافِي تَحْرِيجُ أَحَادِيثِ الشِّفَاءِ"
از:- خاتم الخلفاء، امام جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۶) "خُلَاصَةُ الْوَقَافِي أَخْبَارِ دَارِ الْمُصْطَفَى"
از:- امام علامہ نور الدین عبداللہ سموری شافعی مدنی بن علی بن احمد سموری (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۷) "وَقَاءُ الْوَقَفِ بِاخْتِبَارِ دَارِ الْمُصْطَفَى"
از:- امام علامہ نور الدین عبداللہ سموری شافعی مدنی بن علی بن احمد سموری (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۸) "شِفَاءُ السِّقَامِ فِي زِيَارَةِ خَيْرِ الْأَنَامِ"
از:- محقق، بقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سیکی

(۹) "مَوْجِبَاتُ الرُّحْمَةِ وَعَزَائِمُ التَّغْفِيرَةِ"
از:- امام ابوالعباس احمد بن ابی بکر ردائسی صوفی

(۱۰) "شَرْحُ شِفَاءِ أَمَامِ قَاضِي غِيَاضِ"
از:- علی بن سلطان محمد ہروی کی المعروف ملا علی قاری (م ۱۰۱۷ھ)

حیثیت سے مشہور و معروف ہوا۔ بے شمار ماہرین فن، ادیب، شاعر، محققین، موجد، تالیق، مقعدار بہر وغیرہ پیدا ہوئے لیکن تولد ہونے کے معاملہ میں سب کا حال یکساں تھا۔ بلکہ بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بین الاقوامی پیمانہ پر شہرت پائی لیکن ان کی پیدائش، ایام ظہور وغیرہ کے حالات سے ان کے اعزاء، واقربا بھی ناواقف تھے۔

الحاصل: ہر پیدا ہونے والا عام انسان حسب معمول طریقہ پر ہی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کائنات میں ایک ذات گرامی ایسی ہے کہ جن کی ولادت اقدس ایسی باسعادت، نفیس، پاکیزہ، صاف، ستھری، مقدس اور پر نور ہوئی ہے کہ جس کی کوئی مثال نہ کبھی پیش کی گئی ہے اور نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس مقدس ذات گرامی کی تخلیق خالق کائنات کا عظیم شاہکار اور نوع انسانی پر احسان عظیم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا بے مثل و مثال بنایا ہے کہ اس محبوب اکرم کی زندگی کا ہر پہلو اور جسم اقدس کا ہر عضو مقدس بھی بے مثل و مثال ہے، حتیٰ کہ ان کی ولادت باسعادت بھی ایسی بے مثل و مثال ہوئی ہے کہ ایسی ولادت نہ کبھی کسی کی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہوگی۔

⑤ ولادت کے وقت ہی معجزات کا ظہور:-

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے وقت میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور اقدس کا نور چراغ کی روشنی کو مات کر رہا ہے۔ اس رات میں نے چند علامات کا مشاہدہ کیا:-

قول:- جب حضور اقدس پیدا ہوئے تو آپ نے فوراً سجدہ فرمایا۔

دوم:- جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو بزبان فصیح فرمایا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

سوم:- چودہ گھر کو میں نے آپ کے چہرہ انور کے نور سے روشن اور منور پایا۔

چہارم:- میں نے چاہا کہ آپ کو نہلاؤں لیکن اتنے نفی نے آواز دی کہ اسے

صفیہ! اپنے آپ کو زحمت مت دے کیونکہ ہم نے اپنے محبوب کو پاک و صاف پیدا کیا ہے۔

بخیم:- پھر میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ مولد لڑکی ہے لڑکا؟ تو میں نے دیکھا کہ حضور اقدس تختہ کیے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے ہیں۔

(حوالہ:- شواہد الخیر، اردو ترجمہ، ص: ۶۸)

ابن عدی اور ابن عساکر نے یہ روایت حضرت عطاء بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناف بریدہ اور ختنون (ختہ) کیے ہوئے پیدا ہوئے۔

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۳۶)

◎ جسم اقدس کے ساتھ کسی قسم کی آلودگی نہ تھی:-

حضرت عبداللہ بن عمر نے عمر بن عامر کلابی سے روایت کی کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے اسحاق بن عبداللہ سے بیان کیا کہ حضور اقدس کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

”حضور اقدس پاک و صاف پیدا ہوئے۔ یعنی آپ کے جسم اقدس کے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی آلودگی نہ تھی اور جب آپ کو زمین پر رکھا تو آپ اپنے دست مبارک کے سہارے سے بیٹھ گئے۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۴۰)

◎ ولادت کے وقت نور کی بارش:-

(۱) ”یعنی، طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت عثمان بن ابی العاص، رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ میری والدہ نے بتایا کہ میں اس رات حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھی جس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت

ہوئی۔ میں گھر میں ہر طرف روشنی اور نور پائی اور محسوس کرتی تھی، گویا ستارے قریب سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ ستارے میرے اوپر گر پڑیں گے۔ پھر جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وضع حمل کیا تو ایک نور برآمد ہوا، جس کی وجہ سے ہر شے روشن ہو گئی۔ یہاں تک کہ نور کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۱۸)

(۲) ”ابو نعیم نے یہ روایت عطاء بن یسار ائم سلمہ سے اور انہوں نے حضرت آمنہ سے روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ شب ولادت جب مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو میں نے ایک نور دیکھا جس سے محلات شام (یعنی ملک شام کے محل) روشن ہو گئے۔ اور میں نے ان کو دیکھا“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۱۹)

⑤ ولادت کے وقت ہی پوری دنیا حضور کے قبضے میں:-

امام احمد والبیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:-

كَمَا خَرَجَ مِنْ مِ بَطْنِي فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا أَنَا بِهِ سَاجِدًا ثُمَّ رَأَيْتُ سَحَابَةً بَيْضَاءَ قَدْ أَقْبَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ حَتَّى غَشِيَتْهُ فَعَقِبْتُ عَنْ وَجْهِ ثُمَّ تَجَلَّكَ فَإِذَا أَنَا بِهِ مَدْرَجٌ فِي ثَوْبِ صُوفٍ أَبْيَضَ وَتَحْتَهُ خَرِيرَةٌ خَضْرَاءُ وَقَدْ قَبِضَ عَلَيَّ ثَلَاثَ مَفَاتِيحَ مِنَ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ وَإِذَا قَائِلٌ يَقُولُ قَبِضْ مُحَمَّدُ عَلَى مَفَاتِيحِ النُّصْرَةِ وَمَفَاتِيحِ الرِّيحِ وَمَفَاتِيحِ النَّبُوءَةِ ثُمَّ أَقْبَلَتْ سَحَابَةٌ أُخْرَى غَشِيَتْهُ فَعَقِبْتُ عَنْهُ ثُمَّ تَجَلَّكَ فَإِذَا أَنَا بِهِ قَدْ قَبِضَ عَلَيَّ خَرِيرَةٌ خَضْرَاءُ مُطَوَّيَةٌ وَإِذَا قَائِلٌ يَقُولُ نَحْ نَحْ قَبِضْ مُحَمَّدُ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا لَمْ يَنْبَغِ

خَلَقَ مِنْ أَهْلِهَا إِلَّا نَحْلًا فِي قَبْضَتِهِ

ترجمہ:- "جب حضور میرے شکم سے پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ سجدے میں پڑے ہیں۔ پھر ایک سفید بادل نے آسمان سے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ حضور میرے سامنے سے غائب ہو گئے۔ پھر وہ بادل بنا تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک آدمی عقیدہ کپڑے میں لپیٹے ہیں اور بزرگ شیخی بچوٹا بچھا ہے۔ اور گوہر شاداب کی مین کنجیاں حضور کی منھی میں ہیں اور ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، نبوت کی کنجیاں، سب پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبضہ فرمالیا۔ پھر اور ایک بادل نے آکر حضور کو ڈھانپ دیا کہ میری نگاہ سے چھپ گئے۔ پھر جب روشن ہوئے تو میں نے دیکھا کہ بزرگ شیشم کا کپڑا لپٹا ہوا حضور کی منھی میں ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے کہ واہ! واہ! ساری دنیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منھی میں آئی۔ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضے میں نہ آئی ہو۔"

(حوالہ:- الامن والاعلیٰ، از:- امام احمد رضا ص: ۵۸)

یہ حدیث خاتم الحفاظ، صاحب تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور اور مستند کتاب "الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر السوری" اُردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۱۲۳ تا ۱۲۵، پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

○ خانہ کعبہ سجدہ میں جھکا:-

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حرم کعبہ میں تھا۔ حرمی کے وقت جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیدائش شریف کی گھڑی آئی تو خانہ کعبہ میں چڑے ہوئے تمام بت اونٹن ہو کر گر پڑے اور

کعبہ نے مقام ابراہیم یعنی جس سمت مولد النبی (جس گھر میں حضور کی ولادت ہوئی) تھا اس طرف مجھہ کیا، میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ دفعتاً دیکھا کہ کعبہ سے یہ آواز آئی کہ:-

وَلَدَ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارُ الَّذِي تَهْلِكُ بَيْنَهُ الْكُفَارُ
وَيَنْتَقِلُونَ عِبَادَةَ الْأَصْنَامِ وَيَأْمُرُ بِعِبَادَةِ الْمَلِكِ الْقَلَامِ

ترجمہ:- ”مُصْطَفٰی و مختار کی ولادت ہوگئی آپ کے ہاتھوں کفر بڑا کہ ہوگا، اور خانہ

کعبہ کو بتوں کی پرستش سے پاک کریں گے اور صرف مالکِ حقیقی کی

عبادت کا حکم فرمائیں گے۔“ (حوالہ:- حاشیہ سیرۃ الخلیفہ، ص: ۴۲)

⑤ ”خانہ کعبہ کا یہ حال تھا کہ بہت دنوں تک لوگوں نے اس سے یہ آواز سنی کہ اب اللہ

تعالیٰ میرے نور کو لوہا دے گا اور جو درجہ توحید پرست میری زیارت کو آئیں

گے۔ اب اللہ تعالیٰ مجھ کو جاہلیت (شرک کے کاموں) سے پاک کر دے گا۔ اے

عزیز! تو بلا کہ ہو گیا اور تین شب و روز بیت اللہ کا زلزلہ نہڑا۔“

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۴۲)

⑥ گہوارے میں سے جدھر انگلی کا اشارہ فرماتے اُدھر چاند ٹھک جاتا:

ابن تیمیہ ابن عساک، صابونی اور خطیب نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ

تعالیٰ جنہما سے روایت کی کہ انہیوں نے عرض کیا:-

”یا رسول اللہ! آپ کی نبوت کی نشانیوں نے مجھے آپ کے دین میں داخل

ہونے کی دعوت دی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے ہاتھیں

کرتے تھے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے تو جس طرف اشارہ

فرماتے چاند اُدھر ٹھک جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

میں چاند سے ہاتھیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے ہاتھیں کرتا تھا اور مجھے رونے سے

بہرہ تھا اور میں عرش الہی کے نیچے مجھہ کرتے وقت چاند کی تسبیح کرنے کی آواز

سنے کرتا ہوں۔“

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۳۷

(۲) شواہد النبوة، اردو ترجمہ، ص: ۸۰

چاند جھک جاتا چادر ہنگی اٹھاتے مہذب میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
(از:- امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی)

◎ آپ محنتوں پیدا ہوئے:-

(۱) طبرانی نے اوسط اور البیہم و خطیب اور ابن عساکر نے بروایت مختلفہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

”میرے رب کا مجھ پر جو انعام و اکرام ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں
ختہ شدہ پیدا ہوا اور میرے سر کو کسی نے نہ دیکھا“

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۳۶)

اس روایت کو ایضاً نے ”الختارہ“ میں بیان کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

(۲) ابن عدی اور ابن عساکر نے بروایت عطا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناف بریدہ اور محنتوں پیدا ہوئے۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۳۶)

◎ عالم شیر خواری میں گہوراہ میں کلام فرماتا:-

امام ابو الفضل، احمد بن علی بن حجر کی معقلاتی التوفی ۸۵۳ھ قدس سرہ اپنی مشہور اور

معبر کتاب "ارشاد الساری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں کہ "سیرہ والدہ نبی" میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوائل عمر میں پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا۔ اور ابن سبغ نے "الخصائص" میں بیان کیا کہ آپ کے گہوارے (ہندولے) کو فرشتے بلاتے تھے اور سب سے پہلا کلام جو آپ نے کیا وہ یہ تھا کہ "اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا" (خاصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۱۳۷)

◎ بے مثل ایام طفلی :-

"حضور اقدس کی رضائی والدہ محترمہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ⑤ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو ماہ کے ہوئے تو لڑکوں کی طرح سرین کے بل چلنے لگے ⑥ جب پانچ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو اٹھ کر پاؤں پر آہستہ آہستہ چلنے لگے ⑦ چھ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو تیز تیز چلنے لگے ⑧ عمر شریف جب سات ماہ کی ہوئی تو آپ جدھر چاہتے خوشی سے اکیلے چلے جاتے ⑨ جب نو ماہ کی عمر شریف ہوئی تو فصیح زبان میں گفتگو کرنے لگے ⑩ اور جب عمر شریف دس ماہ کی ہوئی تو لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی فرماتے تھے۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (شواہد النبوة، اردو ترجمہ، ص ۷۷)

”جسم اقدس کا سایہ نہ تھا“

حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین عظام، ائمہ دین، علماء کرام، اور امت اسلامیہ کے تمام اولیاء، علماء، صوفیاء وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً اس بات میں بلاشبہ شک و تردید متفق ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "نوری جسم پاک" کا سایہ نہیں

تھا۔ سورج کی دھوپ میں، چاند کی چاندی میں اور چراغ کی روشنی میں بھی آپ کے جسم اقدس کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عظیم معجزہ آج بھی اپنی آن، بان اور شان و شوکت کے ساتھ روشن و ظاہر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے شریف (بال مبارک) آج بھی دنیا میں کئی مقامات میں بطور تبرک محفوظ ہیں۔ الحمد للہ! ہمارے شہر پور بندہ میں بھی اکثر مساجد میں "موئے مبارک" کی عظیم نعمت جلوہ گر ہے۔ ان مقدس موئے مبارک کا مطالعہ سایہ نہیں۔ حقیر فقیر سراپا نقیر راقم الحروف احقر العباد کو کافی مرتبہ موئے مبارک کو غسل دینے کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ تیز لائٹ (Powerful Light) میں بالکل صاف اور سفید کاغذ پر بھی موئے اقدس کا سایہ نہیں پڑتا بلکہ خوردبین (Microscop) سے دیکھنے پر بھی موئے اقدس کا سایہ نظر نہیں آتا۔ ہر سال عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقع پر ہر شہر میں موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ جو صاحب مشاہدہ کرتا چاہیں وہ آج بھی اس عظیم معجزہ کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ عایدہ انزلیں ہمارے حیات النبی آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک آج بھی حیات ہیں کیونکہ موئے مبارک زندہ آدمی کے بال کی طرح بڑھتے ہیں بلکہ عجیب خصوصیت سے بڑھتے ہیں یعنی موئے مبارک میں شاخیں پھوٹی ہیں جس طرح درخت کی زالی میں شاخیں پھوٹ کر ادھر ادھر برست پھیلتی ہیں اسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے اقدس میں ہر طرف شاخیں پھیلتی ہیں اور یہ کہہ کر لمبی بولی ہیں۔ اس عظیم معجزہ کا آج بھی یقینی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

خیر! جسم اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اس عظیم معجزہ کے ثبوت میں کثرت سے احادیث صحیحہ اور ائمہ وین کے اقوال صادقہ موجود ہیں۔ جن کا علی الاستیعاب بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ لہذا چند احادیث گزریں۔ اور چند اقوال ائمہ کرام کی ضیافت طبع کی خاطر پیش خدمت ہیں۔

احادیث گزریں۔

(۱) امام الحدیث، امام محمد بن یحییٰ ترمذی (المتوفی ۹۷۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی معرکہ الآراء اور مستند کتاب "نوادیر الاسول" میں حضرت ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ:-

"عَنْ ذَكْوَانَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرَى لَهُ ظِلٌّ فِي شَيْئٍ وَلَا قَتَرٌ"

ترجمہ:- "حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جسم کا سایہ نہ سورج کی رحمت میں نظر آتا نہ چاندنی میں"

(حوالہ:- (۱) المواہب اللدیہ علی الشماہل الحمدیہ، عربی، مطبوعہ مصر، ص: ۳۰،

(۲) الزرقانی علی المواہب، عربی، مطبوعہ مصر، جلد: ۲، ص: ۲۲۰)

(۲) حضرت سیدنا عبد اللہ بن مبارک اور حافظ ابن جوزی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ:-

"لَمْ يَكُنْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَلَمْ يَنْمُ مَعَ شَيْءٍ إِلَّا غَلَبَ ضَوْؤُهُ ضَوْءَهَا وَلَا مَعَ الشَّيْءِ إِلَّا غَلَبَ ضَوْؤُهُ"

ترجمہ:- "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ نہ سورج کی رحمت میں نہ چراغ کی روشنی میں اور آپ کا نور سورج اور چراغ کے نور پر غالب رہتا تھا۔"

حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، عربی، جلد: ۱، ص: ۶۸،

(۲) جمع الوساہل، از امام علی بن سلطان محمد ہرودی قاری تلمیذ المعروف بہ ملا علی قاری، جلد: ۱، ص: ۲۰۶)

(۳) امام اجل، علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن محمود نسفی (المتوفی ۷۱۰ھ) قدس سرہ "مدارک التوہیل" میں امیر المؤمنین، خلیفہ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ:-

قَالَ عُمَرَانِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى مَا أَوْقَعَ
ظِلُّكَ عَلَى الْأَرْضِ لَيْلًا تَضَعُ اِئْتِمَانُ قَدَمَةٍ عَلَى ذَالِكَ الظِّلِّ
ترجمہ:- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں
عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا تاکہ اس پر
کسی انسان کا قدم نہ پڑ جائے۔

حوالہ:- (۱) تفسیر مدارک الشریعہ، جلد: ۲، ص: ۱۰۳،

(۲) مدارج النبوة قاری رکن ص: ۲، ۱۰۰،

(۳) مدارج النبوة، اردو ترجمہ جلد: ۲، ص: ۱۶۱،

(۴) حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل فرمایا ہے کہ:-

قَالَ إِبْنُ سُبَيْحٍ مِنْ خَصَائِصِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ
ظِلَّهُ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّهُ كَانَ نُورًا إِذَا مَشَى فِي
الشَّمْسِ أَوْ الْقَمَرِ لَا يَنْظُرُ لَه ظِلٌّ.

ترجمہ:- ابن سبیح نے فرمایا کہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ کیوں کہ
آپ نور تھے۔ سورج اور چاند کی روشنی میں جب چلتے تھے تب آپ کا
سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ (خصائص کبریٰ، عربی، جلد: ۱، ص: ۶۸)

احوال ائمتہ دین:-

(۱) امام الزماں، علامہ قاضی عیاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) قدس
سرو فرماتے ہیں کہ:-

وَمَا ذُكِرَ مِنْ أَنَّهُ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهِ فِي شَمْسٍ وَلَا فِي قَمَرٍ
لِأَنَّهُ كَانَ نُورًا وَأَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى جَسَدِهِ وَلَا
يَنَابَهُ.

ترجمہ:- یہ جو کہ ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روشنی میں حضور اقدس صلی اللہ

میں نظر آتا تھا اور نہ چاندنی میں نظر آتا تھا۔ اس لیے کہ سایہ کیف (وجیز- Thick) چیز کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کو تمام جسمانی کٹھنوں سے پاک کر کے انہیں "نور محض" بنا دیا تھا اور اسی لیے حضور اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔" (مسلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(افضل اقرب فی: ص ۷۲)

(۴) شیخ محقق، شاد محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک محدث دہلوی التوفیقی ص ۵۲: "اللہ تعالیٰ سرور ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"وَنُبُوذُ أَنْ حَضَرَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَا سَائِيَه
نَه دَنْ أَقْتَابُ وَ نَه دَنْ قَعْرُ"

ترجمہ:- "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا اور نہ ماہتاب کی چاندنی میں پڑتا تھا۔"

(مدارج النبوة، فارسی، جلد ۱، ص ۲۱)

(۵) امام ربانی، مجدد الف ثانی، حضرت شیخ فاروق نقشبندی سرہندی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے مکتوبات عالیہ جلیلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"أَوْ زَا صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَائِيَه نُبُوذُ دَرِ عَالَمِ
شَہَادَتِ سَائِيَه فَرِ شَخْصِ لَطِيفِ تَرِ أَهْسَتِ چُونِ لَطِيفِ تَرِ
أَوْ زَا صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرِ عَالَمِ نَبَاشَدِ أَوْ زَا
سَائِيَه چہ مَصُورَتِ دَلَاذَدُ"

ترجمہ:- "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم شہادت میں ہر چیز (محض) سے اس کا سایہ لطیف (باریک / Delicate) ہوتا ہے اور حضور اقدس کی شان یہ ہے کہ کائنات میں ان سے زیادہ لطیف کوئی چیز ہے ہی نہیں پھر حضور کا سایہ کیوں کر پڑتا۔"

(مکتوبات عالیہ جلیلہ، فارسی، جلد ۳، ص ۱۲۷)

◉ علامہ ازیس ملت اسلامیہ کے عظیم القدر ائمہ و علماء مثلاً ◉ امام اہل ملا احمد بن محمد خلیفہ المصری القسطلانی ◉ امام عظیم محقق تقی الملتہ والدین علامہ ابوالحسن علی بکلی ◉ علامہ امام علی بن سلطان محمد ہروی قاری کئی نسخی المعروف بہ ملا علی قاری التوتنی ◉ ۱۰۱۰ھ ◉ علامہ حسین بن محمد دیار بکری ◉ علامہ جمال الدین روی ◉ علامہ سلیمان جمل ◉ استاذ العلماء و مرجع علماء شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ◉ امام راغب اصفہانی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنی معتبر و مستند کتب معتقدہ میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔

◉ ”نورانی چہرہ کا بے مثل جمال“

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی نورانیت اور روشنی کے سامنے آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کی بھی کوئی بساط نہیں۔ بلکہ چاند اور سورج میں جو روشنی اور تابانی ہے وہ بھی اسی رخ انور کی روشنی کا صدفہ اور طفیل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور بالخصوص آپ کا نورانی چہرہ اقدس جمال الہی کا مظہر اور ”ید اللہ“ کا سب سے بہترین شاہکار تخلیق ہے۔ چند حوالے پیش خدمت ہیں:-

◉ جس نے آپ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا:-

حضور اقدس، باعث ایجاد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ“ یعنی ”جس نے مجھ کو دیکھا، اس نے حق کو دیکھا“۔ امام عظیم علامہ بیہاقی نے حضرت احمد بن اور لیس کے حوالے سے مذکور حدیث شریف میں وارد لفظ ”الحق“ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ تَعَالَى“ یعنی ”جس نے مجھ کو دیکھا، اس نے حق تبارک و تعالیٰ کو دیکھا“

◉ چہرہ اقدس انوار الہی کا آئینہ
marfat.com

ماشق رسول، حجہ اللہ فی البند، محقق علی الاطلاق، حضرت شیخ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ چہرہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمال الہی کا آمینہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ
 ”أَنَا وَجْهَةٌ شَرِيفٌ وَصَلَّى إِلَهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَاتِ جَمَالِ الْهَيْ وَ
 مَظْهَرِ أَنْوَارِ تَأَمَّنَّا هِيَ وَبُؤَىٰ - یعنی ”آپ کا چہرہ انوار الہیہ کا آمینہ اور لامتناہی انوار
 الہیہ کا مظہر ہے“ (مدارج النبوة، فارسی، جلد: ۱، ص: ۳)

① چہرہ انور سورج کی طرح درخشاں:-

حضرت ائم معبود رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی زیارت کے بعد اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار فرماتی ہیں کہ ”وَأَيْتٌ وَجَلَّ ظَهِرُ الْوُضْءَةِ مُتَبَلِّغُ الْوُجْهِ - یعنی ”آپ کے چہرہ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔“ (سبیل الہدی، عربی، جلد: ۲، ص: ۵۶)

② چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن:-

”حضرت ابن ابی ہالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سَمَّانٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمٌ تَخَمَّنَا ثَمَّانًا تَلَّ لَأَوْجْہِہٖ وَتَلَّ لَوَ الْقَتْرِ لَبْلَةً الْبَدْر - ترجمہ:- ”مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عظیم بزرگ، معظم اور محبوب تھے۔ گویا کہ آپ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن اور تاباں تھا۔“ (مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۳)

③ آفتاب کی طرح چمکنے والا چہرہ انور:-

”ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت ابو عبیدہ نے حضرت ربیعہ بنت مسعود کو جو صحابیہ تھیں، ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کے بارے میں کچھ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جیسا جنتی کو

وَأَيُّهَا لَقَلْتُ الشَّيْءُ طَالِقَةً ترجمہ: "اے بیٹے اگر تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھتا تو پکارا لھنا کہ جیسے سورج چمک رہا ہے۔"

(المدادی، عربی، جلد ۱: ص ۲۳)

◎ چاند سے بھی زیادہ منور چہرہ انور :-

"حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چاندنی راتوں میں دیکھا ہے۔ اس وقت آپ کے جسم اقدس پر سرخ جوڑا تھا۔ میں کبھی آپ کے روئے انور کو دیکھتا اور کبھی چاند کی تابانی کو۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ بہتر آپ معلوم ہوتے تھے۔ (مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۳۰)

☆ چہرہ انور کی روشنی سے گم شدہ سوئی مل گئی :-

"ابن عساکر نے حضرت أم المؤمنین، محبوبہ محبوب رب العالمین، حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ میں رات میں محری کے وقت ہی رعبی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی (Needle) گر گئی۔ میں نے چراغ کی روشنی میں گم شدہ سوئی تلاش کی مگر نہ ملی۔ اسے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے چہرہ انور کی روشنی سے پورا اکھرہ روشن ہو گیا۔ اور اسی روشنی کے اُجالے میں میں نے اپنی گم شدہ سوئی ڈھونڈ لی۔"

(خصائص کبریٰ فی معجزات خیر الوری، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۵۹)

☆ سب سے زیادہ حسین اور جمیل :-

"بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت برادر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔"

marfat.com

لوگوں میں سب سے زیادہ خوب رو اور خوش خوتے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "مَا زَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رُسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ترجمہ:- "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور بہتر کسی چیز کو نہیں دیکھا۔"

(مدارج الصلوٰۃ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۱)

① "پسینہ مبارک کی خوشبو سب سے اعلیٰ مہک"

حضور اکرم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک پسینے سے ایسی دل کش اور نرالی خوشبو آتی تھی کہ اس خوشبو کے سامنے ملک و مہر کی خوشبو کی کوئی حیثیت نہ وقت نہ تھی بلکہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ خوشبو اور دنیا کے سب سے قیمتی اور عمدہ عطر کی خوشبو بھی حضور اقدس کے عرق اطہر یعنی مبارک پسینے کی خوشبو کے سامنے بیچ تھی۔ کتب احادیث میں اس عنوان سے متعلق متعدد روایات منقول ہیں۔ ان تمام روایات کا یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں۔ لہذا چند روایات احادیث پیش خدمت ہیں:-

❁ تمام خوشبوؤں سے بہترین پسینہ اطہر کی خوشبو:-

"امام مسلم اور ابوالقاسم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قبول فرمایا۔ چونکہ حضور اقدس کو نیند کی حالت میں پسینہ بہت آتا تھا۔ تو جب آپ کو پسینہ آنے لگا تو میری والدہ ماجدہ "ام سلمہ" ایک شیشی میں آپ کا پسینہ جمع کرتے گئیں۔ اسی دوران حضور کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے میری والدہ سے فرمایا کہ اے ام سلمہ! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں تاکہ اسے میں بطور خوشبو استعمال کروں

یونکہ اس کی خوشبو سب سے زیادہ بہتر ہے۔

(حوالہ:- ① مدارج المنہج، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۷)

② خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۶۶)

⑤ دہن کے لیے پسینہ اطہر کی خوشبو لگانے سے پورا شہر مہک اٹھا:-

”ابو یعلیٰ اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہوں۔ آپ براہ کرم تھوڑی خوشبو عطا فرما کر میری مدد فرمائیں، حضور اقدس نے فرمایا کہ اس وقت تو کچھ موجود نہیں، لیکن تم کھلے منہ کی شیشی اور درخت کی ٹہنی لے آؤ۔ چنانچہ وہ شخص دونوں چیزیں لایا۔ حضور اقدس نے دونوں کلائیوں سے مبارک پسینہ پونچھ کر شیشی کو بھر دیا۔ اور اس شخص کو شیشی عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شیشی اپنی بیٹی کو دے دو اور اس سے کہو کہ یہ ٹہنی (ککڑی) کو شیشی میں ڈبو کر خوشبو لگائے۔ اس لڑکی نے جب پسینہ اطہر کی خوشبو لگی تو پورا مدینہ منورہ شہر اس کی خوشبو سے مہک اٹھا اور اس شخص کے گھر کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ اس کے گھر کو ”تَبْنُکُ النَّطِيبِینَ“ یعنی ”خوشبوؤں کا گھر“ کے نام سے شہرت ہو گئی اور اس کے گھر کا یہی نام رکھ دیا گیا۔“

(حوالہ:- ① خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۶۸)

② مدارج المنہج، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۷)

☆ حضور اقدس جس راستے سے گزرتے تھے وہ راستہ مہک اٹھتا تھا:-

⑤ ”دارمی، ہیثمی اور ابوالعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چند مخصوص علامتیں تھیں۔ حضور جب کوئی

راست طے فرماتے تو وہ راستہ جسم اطہر کی خوشبو سے جبکہ جاۓ اور لوگ جان لیتے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس راستے سے گزرتے ہیں۔

⑤ "ابن سعد اور ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمارے سامنے تشریف لانے سے پہلے ہی ہم جسم اقدس کی خوشبو سے آپ کو پہچان لیتے تھے کہ حضور تشریف لارہے ہیں۔"

⑥ "بزاز اور ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ مدینہ طیبہ کے راہ گیر راستوں کی خوشبو سے جان لیتے تھے کہ حضور ادھر سے گزرے ہیں۔"

⑦ "دارمی نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے ہم پہچان لیتے تھے۔"

⑧ "ابو نعیم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے کا پینہ موتی کی طرح تھا اور خوشبو میں مثل مشک نفعن تھا۔"

(حوالہ :- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ۱۶۷ اور ۱۶۸)

(۲) مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۴۸)

⑨ جس کے بدن کو حضور ہاتھ سے مس فرماتے، اس میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی:

"حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت اُمّ عالم بیان کرتی ہیں کہ ہم چار (۴) عورتیں عتبہ کی زوجیت میں تھیں اور ہم میں سے ہر ایک بھی کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ خوشبو میں انس کر عتبہ کے قریب جائیں۔ ہم سب اس کوشش میں بہت زیادہ خوشبو کا استعمال کرتیں لیکن ہم میں سے کسی کی خوشبو ہمارے شوہر عتبہ کی خوشبو تک نہ پہنچتی تھی حالانکہ حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف رہن (تیل) کو اپنے ہاتھوں سے چھواتے اور اسے اپنی ڈاڑھی

پرل لیتے تھے مگر اس کی خوشبو ہم سب پر غالب رہتی تھی۔ اور حضرت عتبہ جب باہر جاتے تو لوگ بھی بھی کہتے تھے کہ ہم اچھی سے اچھی خوشبو استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی خوشبو عتبہ کی خوشبو سے تیز نہیں۔

اُمّ عاصم فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت عتبہ سے کہا کہ ہم سب خوشبو کے استعمال میں خوب کوشش کرتے ہیں لیکن تمہاری خوشبو تک ہماری خوشبو نہیں پہنچتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت عتبہ نے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے ”شری“ یعنی گرمی کے دانے نکل آئے تھے۔ (اس مرض میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سارے بدن میں چنگاریاں لگی ہوئی ہیں) تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر اپنے مرض کی شکایت کی تاکہ علاج فرمادیں۔ اس پر حضور اقدس نے فرمایا کہ اپنے اوپر کے بدن کے کپڑے اتار دو۔ میں اپنے بدن کے اوپر کے حصہ کے کپڑے اتار کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضور اقدس نے میری پشت اور شکم پر اپنا دست اقدس (مبارک ہاتھ) ملا۔ اس وقت سے یہ خوشبو مجھ میں پیدا ہو گئی ہے۔

اس روایت کو امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد ایوب طبرانی (المتوفی ۳۲۰ھ) قدس سرہ نے اپنی کتاب ”معجم صغیر“ میں نقل فرمایا ہے۔

(حوالہ مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱۱: ص ۴۷)

☆ مشک وغیر سے جسم اقدس کی خوشبو عمدہ اور بہتر :-

”حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہر خوشبو خواہ مشک ہو یا غیر ہو، سونگھی ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو اطہر سے عمدہ اور بہتر کوئی بھی خوشبو نہیں۔“ (مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱۱: ص ۴۷)

نوٹ :-

حضرت اقدس سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہہ کر مسمری کا دعویٰ کرنے والے اپنی انہل (Anpiti) میں اپنا ہاتھ رٹ کر، پسینہ سے تر کر کے، پھر ناک پر دکھ کر ہاتھ کو گہری سانس لے کر سونگھیں اور تجربہ کریں کہ ہاتھ سے فوشہو آتی ہے یا دماغ پھٹ جائے ایسا بند ہو آتی ہے؟ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو نبیل اور پختہ جیسا موبادین لے کر کھلی اور ڈگر تبلیغ نفاق کرتے ٹھوتے ہیں اور ان کے کمرہ جسم سے پسینہ کی ایسی فوج بند ہو آتی ہے کہ خود ان کے اعزہ و اقربا، بھی ان کے پسینہ کی بو سے بد اور عقین سے بیزار ہو جائیں اور سختی و اذیت کی محسوس کریں۔ ایسے لوگ کس منہ سے حضور اقدس سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسمری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں؟

”مقدس کان کی قوت سماعت“

حضور اقدس، کان رحمت سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس کانوں (Ear) کی قوت سامعہ کا یہ عالم تھا کہ سرزمین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہو کر آسمان کی آواز بغیر کسی رابطہ یا وسائل کے سماعت فرما لیتے تھے۔

☆ آسمان کی چہرہ سماعت فرمانا:-

”حضرت ابوذر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

حضور اقدس سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَیُّیْ اَدٰیْ مَسَالًا

تَرَوْنَ وَاَسَمِعْ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اِنِّیْ اَسْمَعُ اَطْلُیْطُ السَّمٰوٰتِ

ترجمہ:- ”میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ اس

وقت میں آسمان کی چہرہ سماعت سن رہا ہوں۔“

اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ اور ابو نعیم نے بھی روایت فرمایا ہے۔

(حوالہ:- خلاصہ کبریٰ اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۶۵)

☆ شکم مادر سے لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز سننا:-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ صَوْتِ الْقَلَمِ عَلَى
الْلُّوحِ الْمَحْفُوظِ وَأَنَا فِي ظِلَّةِ الْأَخْشَاءِ وَكُنْتُ أَسْمَعُ
سُجُودَ الْقَوْمِ أَمَامَ الْعَرْشِ وَأَنَا فِي ظِلَّةِ الْأَخْشَاءِ“

ترجمہ:- ”قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں شکم مادر میں
میں لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز سننا تھا اور اسی طرح شکم مادر میں
میں چاند کے عرش کے سامنے سر ہنجموہوئے کی آواز بھی سننا تھا۔“

”حضور اقدس کے لعاب دہن کا اعجاز“

حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن (تھوک مبارک) Holy Spit (کادو اعجاز اور کمال تھا کہ اگر ترش (کھاری) کنوے میں لعاب دہن کے
چند مقدس قطرات ڈال دیے جاتے، تو کھاری کنواں شیریں ہو جاتا تھا اور کنوے کے پانی میں
ایک نرالی مہک اور خوشبو پیدا ہو جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر قسم کی بیماری سے فوراً شفا اور تندرستی
حاصل کرنے کے لیے لعاب دہن اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکسیر کا کام کرتا تھا۔ چند
واقعات احادیث کتب معتبرہ مستندہ اور معتدوہ کے حوالوں سے پیش خدمت ہیں:-

☆ کھاری کنواں مدینہ کا سب سے میٹھا کنواں بن گیا:-

”ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرماتے ہیں: ہمارے گھر میں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس کی گزارش پر اپنا مقدس اعقاب دہن ڈال دیا۔ اس روز سے اس کنویں کے پانی کی یہ کیفیت تھی کہ ”قَلَمٌ يَكُونُ بِالتَّوْبَةِ يَنْقُذُ الْعَجَبُ مِنْهَا“ یعنی تمام مذہب منوروں میں ایسے شیریں پانی والا ایک بھی کنواں نہ تھا۔“ (حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۵۶ اور (۲) شواہد البیہ، از علامہ جامی، اردو ترجمہ، ص: ۲۳۸)

☆ کنویں کے پانی میں مشک کی خوشبو پیدا ہو گئی:-

”امام احمد، ابن ماجہ، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا ایک ڈول لایا گیا۔ حضور اقدس نے اس ڈول سے پانی نوش فرمایا پھر ایک کنویں میں نکلی فرمادی۔ جس کے بعد سے اس کنویں کے پانی میں مشک کی خوشبو آنے لگی۔“ (حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۵۶)

☆ حضرت سولی علی مرتضیٰ کی دکھتی آنکھیں فوراً چھی ہو گئیں:-

”بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت سبل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اکل میں اسلام کا جھنڈا (علم) ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا، جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر خیبر فتح فرما دے گا۔“ اس اعلان پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رات بھر یہ آرزو اور دعا کرتے رہے کہ یہ سعادت مجھ کو نصیب ہو۔

جب صبح ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی بن ابی

غلاب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا کہ وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اپنی ذرہ زکرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تمام کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لے آئے۔ حضور اقدس نے حضرت علی کے سر کو اپنی مبارک ران پر رکھا اور اپنا مقدس لعاب دین حضرت علی کی آنکھ میں لگا دیا۔ اسی وقت فوراً ان کی آنکھ سے ذرہ جاتا رہا اور انہیں شفا مل گئی۔ اس دن کے بعد حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ذرہ چشم اور در و سر لاحق نہ ہوا۔“ (مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۲: ص ۳۱۲)

☆ یمن کا کھاری کنواں یمن کا سب سے میٹھا کنواں بن گیا:-

”حضرت محدث امین الاسکن نے حضرت ہمام بن نفیل السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں یمن (Yaman) سے مدینہ منورہ آ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہم نے پانی کے لیے ایک کنواں کھودا ہے مگر اس کا پانی نہایت کڑوا اور نمکین ہے۔ جو پینے کے قابل نہیں۔ حضور اقدس نے ایک برتن میں پانی لیا اور نوش فرمانے کے بعد مجھے عنایت فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس برتن کے پانی کو اس کنویں میں ڈال دینا۔ میں مدینہ طیبہ سے یمن واپس لوٹا اور حسب حکم جب وہ پانی ہم نے کنویں میں ڈالا، تو وہ کنواں اتنا شیریں ہو گیا کہ ”فَقَسَىٰ أَغْذَبَ مَنًا بِالْيَمَنِ“ یعنی ”یمن کے تمام کنوؤں سے اس کا پانی مٹھاس میں بڑھ گیا۔“ (شواہد النبوة، از علامہ جابی، اردو ترجمہ، ص ۲۲۳)

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۳۶۰ اور

(۲) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۳۳۸)

”یعنی اور ابو نعیم نے بروایت موسیٰ بن عقبہ حضرت ابن شہاب سے اور صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے روایت کیا کہ حضرت یعلنی بن مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے جنگ موتہ کے مجاہدین کی خبریں لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر، دئے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت یعلنی سے فرمایا کہ اگر تم اپنی خدمت یا فرض منصبی کی بجائے (Duty) کے طور پر وہاں کے حالات بتانا چاہتے ہو تو بتا سکتے ہو، حالانکہ میں جنگ موتہ کے تمام حالات سے باخبر ہوں اور اے یعلنی! اگر تم کچھ تو میں تم کو تمام حالات مفصل طور پر صراحت کے ساتھ بتا سکتا ہوں۔ حضرت یعلنی نے عرض کی کہ ”پھر تو میں حضور آپ کی ہی مبارک زبان سے سنتا پسند کروں گا۔“

اس گزارش پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ موتہ کے تمام حالات اور کیفیات کی منظر کشی پیش فرمادی۔ جسے سن کر حضرت یعلنی بن مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اُتِیْسِ وَأُیْسِ یعنی میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں۔ میدان جنگ کے مکمل اور تفصیلی حالات جس صحت کے ساتھ آپ نے بیان فرمائے ہیں میں یقین کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ جنگ کے میدان میں موجود ہو کر دیکھنے والا بھی اس طرح تمام واقعات و حالات بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھ سکے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کے تمام عجایب، اُتھا دیے ہیں اور میں مجموعی حیثیت سے مجاہدوں کے پورے لشکر کو اور انفرادی طور پر لشکر کے ہر فرد (شخص) کو دیکھتا رہا ہوں۔“ (حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۳۹۷ اور ص: ۳۹۸)

① "ابن ہادی، بیہقی اور ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُم المؤمنین، سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریکی (اندھیرے) میں اسی طرح دیکھتے تھے، جس طرح لوگ روشنی اور نور میں دیکھتے ہیں۔"

② "بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندھیری اور سیاہ رات میں اسی طرح دیکھتے تھے، جیسے روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔"

③ "امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں صرف سامنے ہی دیکھتا ہوں؟ خدا کی قسم! تمہارے رکوع اور سجدے مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ بلاشبہ میں پشت کے (پیشہ کے) پیچھے سے تم کو دیکھتا ہوں۔"

④ "ابو نعیم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اپنی پشت کی جانب سے بھی تم کو دیکھتا ہوں۔"

⑤ "عبدالرزاق نے اپنی جامع میں اور حاکم و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "بے شک! میں اپنی پشت کی جانب سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے سے دیکھتا ہوں۔"

⑥ "حمیدی نے اپنی مسند میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے مجاہد سے قرآن مجید کی آیت کریمہ "الَّذِينَ يَزَالُ جُنُودٌ تَقُودُ وَتَقْلُبُكَ فِي السَّجْدِ" کی تفسیر میں بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے کی منوں کو ایسے ہی دیکھتے تھے جیسے اپنے سامنے کی طرف دیکھتے تھے۔"

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۵۵، ۱۵۶ اور

”حضورِ اقدس کے دیگر جسمانی خصائص“

☆ جسمِ اقدس پر کبھی مکھی نہ بیٹھی اور کپڑوں میں جوں نہ پڑی :-

○ ”امام قاضی عیاض نے ”کتاب الشفاء“ میں اور غرنی نے اپنی کتاب ”المولد“ میں بیان کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ حضورِ اقدس کے مقدس جسم پر کبھی بھی مکھی نہ بیٹھتی تھی۔“

○ ”ابن سبع نے ”الخصائص“ میں اسے ان الفاظ سے بیان کیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی اور حضورِ اقدس کے خصائص میں اتنا زیادہ کیا کہ جوں آپ کو نہ کاٹتی تھی۔ (یعنی کپڑوں میں جوں نہ پڑتی تھی)“
(حوالہ :- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۶۹)

☆ حضورِ اقدس طبعی طور پر جمائی سے منزہ تھے :-

○ ”امام بخاری نے تاریخ میں، ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں اور ابن سعد نے بزیہ بن الاعمس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی جمائی (Yawn)

نہیں آئی۔ ابن ابی شیبہ نے سلم بن عبد الملک بن مروان سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی جماعت نہیں لی۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۶۹)

دستِ اقدس (ہاتھ) کا پرکھنا عجائز

”حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ تو میں نے ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا آپ نے ابھی عطری ڈبیہ سے اپنا دست اقدس نکالا ہے۔ اور جو کوئی بھی آپ سے مصافحہ کرتا وہ تمام دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو پاتا۔ آپ جس بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے، وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے تمام بچوں میں ممتاز اور معروف ہو جاتا۔“

(حوالہ:- مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۳۸)

”حضرت عمر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا کی، تو ان کی اتنی (۸۰) سال کی عمر ہوئی وہاں تک وہ جوان تھے اور اتنی (۸۰) سال کی عمر میں ہنوز جوانی کی حالت میں انتقال فرمایا۔“

”حضرت قیس بن جذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ چنانچہ جب حضرت قیس کی عمر ایک سو (۱۰۰) سال کی ہوئی تب ان کے سر کے تمام بال سفید ہو گئے مگر وہ حصہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست پاک پھیرا تھا، اس حصہ کے بال سیاہ تھے۔“

”حضرت عابد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”جنگ حنین“ کے دن زخمی ہو گئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس کو ان کے چہرے پر پھیر کر۔“

چہرے کو پاک اور صاف فرما کر زعفرانی۔ اس دن کے بعد حضرت عابد کا چہرہ ہمیشہ چمکتا رہتا تھا اور ان کا لقب ”نر“ یعنی ”چمکنے والا“ مشہور ہو گیا۔“

”حضرت حظلہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس رکھا اور برکت کی زعفرانی۔ تو ان کا یہ حال تھا کہ جن لوگوں کے چہروں پر ورم (سوজন / Swelling) آ جاتا تھا، یا جن بکریوں کے تھن (پستان / Breast) میں ورم آ جاتا، ان کو حضرت حظلہ کے پاس لے آتے تھے اور حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر کا وہ حصہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست کرم پھیرا تھا، اس حصے کو ورم والے مقام سے لمس (Touch) کرتے تھے، تو فوراً ان بیماریوں کا ورم جاتا رہتا تھا۔“

”ایک کنجہ (Bald) لڑکا خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لایا گیا۔ اس لڑکے کے سر میں گھج تھا۔ حضور اقدس نے اس بچے کے سر پر اپنا دست کرم پھیرا، تو وہ اسی وقت ٹھیک اور صحت یاب ہو گیا اور اس کے سر کے بال برابر نکل آئے۔“ اسی طرح جو بیمار اور دیوانے بچے خدمت اقدس میں لائے جاتے اور اگر ان میں سے کوئی بچہ جسے دیوانگی یا آسیب ہوتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سینہ پر دست مبارک مارتے، تو اس کی دیوانگی اور آسیب جاتا رہتا اور بچہ صحت مند رہتا تھا۔“

(مذکورہ: ۵، واقعات بحوالہ: مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۶۷ اور ۳۶۸)

نوٹا ہوا پاؤں دست اقدس پھیرتے ہی درست ہو گیا۔“

”صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن حبیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گستاخ رسول اور دشمن اسلام ابورافع یہودی کو اس کے گھر جا کر قتل کیا تب چاندنی رات تھی ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن حبیک اس کے مکان سے جلدی جلدی نکلنے کے لیے تیز رفتاری سے نڈیہ اتر

رہے تھے، تو ان کا پاؤں پھسل گیا اور زمین پر گر پڑے اور ان کے پاؤں کی پٹنڈی (Calve) ٹوٹ گئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی حضرت عبداللہ وہاں سے بھاگ نکلے اور اسی حالت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست کرم حضرت عبداللہ کی ٹوٹی ہوئی پٹنڈی پر پھیرا، تو وہ اسی وقت شفا یاب ہو گئے۔“

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۵۸ اور (۲) خصائص الکبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۳۵)

◎ زخمی آنکھ کا رخسار پر لٹک جانا اور دست اقدس نے درست فرمادیا:

”ابن سعد نے زید بن اسلم سے روایت کی کہ جنگ بدر میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کو ایسا شدید صدمہ پہنچا کہ ان کی آنکھ کا پورا ڈھیلانکل کر رخسار پر لٹک پڑا۔ حضرت قتادہ بن نعمان اپنی لنگی بونٹی آنکھ کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ کی اس لنگی بونٹی آنکھ کو اس کے جلتے میں رکھ دیا اور اپنا دست اقدس اس پر پھیر دیا تو ان کی آنکھ اسی وقت ایسی درست ہو گئی کہ گویا آنکھ کو کوئی صدمہ پہنچایا ہی نہ تھا۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۸۶)

التحضر! ایسے بے شمار واقعات کتب احادیث و سیر میں مذکور و مرقوم ہیں جن کا بالکل یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جسم اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیگر نورانی اعضاء کے ہجرات، خصائص، فعاصل اور کمالات اتنی کثیر تعداد میں مروی ہیں کہ جن کو بیان و حصر میں لانے کے لیے وقار و درکار ہیں۔ مغز قارئین کی شیافت طبع کی خاطر فقیر نے چند واقعات ارقام کر دیے ہیں، جن کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ بے مثل و مثال ”نوری

بشریت، تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسے کسی کو بنایا ہے اور نہ بنائے گا۔ عام انسان تو درکنار بلکہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جماعت میں سے بھی کسی ایک کو اپنے محبوب اکرم کی مثل نہ بنایا۔

بے شک! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوع انسانی کے ایک فرد ہونے کی وجہ سے "انسان اور بشر" ہی تھے۔ آپ نوع ملائکہ یا جنات سے نہیں تھے بلکہ انسان ہی تھے لیکن عام انسانوں کی طرح نہیں تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورت بشری میں ہی دنیا میں بھیجا تھا۔ حقیقت نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشری جامہ کیوں پہنایا گیا؟ اور اس میر کیا حکمت تھی؟ اس کی تفصیلی وضاحت آئندہ صفحات میں ہم پیش کریں گے۔ اس وقت ہم صرف یہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "نوری بشریت" کا عام انسانوں کی بشریت سے کوئی علاقہ بعید بھی نہیں۔ کہاں اس "نُورٌ مِنْ نُورِ اللّٰهِ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوری بشریت اور کہاں ہماری تہجدی عام بشریت؟ مساوات اور ہمسری کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دور حاضر کے منافقین اپنی اوقات کیا ہے؟ اس حقیقت کو فراموش کر کے "یہ منہ اور مسود کی دال" والی مثل پر عمل پیرا ہو کر معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے باطل اور مضحکہ خیز دعویٰ کو مناسب ٹھہرانے کے لیے قرآن مجید کی مقدس آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کریمہ کی مفصل وضاحت اور اق سابقہ میں ہم نے پیش کر دی ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ پیش کر کے دور حاضر کے منافقین بھولے بھالے سادہ لوح اور کم علم لوگوں کو بہکانے کے لیے ایسا بھی کہتے ہیں کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق نبی بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں لہذا بشر ہونے کے معاملہ میں ہم بھی نبی کی طرح ہیں۔ ان کی یہ بات زمانہ ماضی کے کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ کی بولی کی ترجمانی اور عکاسی ہے۔ صرف انسان ہونے کی حقیقت کی بناء پر ہرگز ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً:-

① "یا قوت (Ruby)، نیلم (Sapphier)، زمرد (Emerald)، الماس (Diamond) اور دیگر قیمتی جواہرات زمین سے برآمد ہونے کی وجہ سے معدنیات (Mineral) ہی ہیں اور ایک قسم کے پتھری ہیں۔ اسی طرح ہمارے مکانوں کے بیت الخلاء، (Latrine) کے فرش میں جو بچھایا جاتا ہے۔ وہ بھی پتھر (Stone) ہی ہے لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔ جو پتھر قیمتی جواہرات کی شکل میں ہے وہ بادشاہوں کے تاج کی زینت بن کر اپنی اہمیت کا لوہا منواتا ہے۔ زیورات میں جڑا جاتا ہے اور زیورات کے ساتھ تجوری میں حفاظت سے رکھا جاتا ہے جبکہ بیت الخلاء (پانخانہ) کا فرش بھی پتھر ہی ہے لیکن مکان میں رہنے والے متعدد افراد دن اور رات میں کئی مرتبہ اپنے بول و براز سے اُسے نجس سے نجس تر بناتے رہتے ہیں۔ اب کوئی سر پھر اور شریک نہ یہ کہے کہ بادشاہ کے تاج کا جواہر اور بیت الخلاء کے فرش کا پتھر دونوں ہمسرا اور مساوی ہیں کیونکہ دونوں معدن (Mine) سے نکلنے کی وجہ سے اقسام مختلفتاً نکلتے ہیں اور دونوں میں "أَنَا مَعْلَنٌ وَمَنْعَلُكُمْ" کی مساوات اور ہمسری ہے ایسے شخص کے لیے صرف یہی کہا جائے گا کہ جناب والا سے عقل و فہم کوسوں دور ہے۔ بلا مثال و تمثیل جو شخص صرف انسان ہونے کی بناء پر نبی اور رسول سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتا ہے اس شخص کے لیے بھی یہی کہا جائے گا کہ ایں جناب کی بھی عقل کے طوطے اڑ گئے ہیں۔

② "قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کا مقدس کلام ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں قرآن مجید ضرور ہوتا ہے اور اللہ کا یہ کلام یعنی قرآن مجید کتابی شکل میں ہمارے گھروں میں ہوتا ہے۔ کتاب کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ مطبوعہ اور ارق (Printed Pages) کو جلد کی شکل میں باندھتے ہیں اور اوپر کوکٹا (سولے کاغذ کا تختہ = Card Board) لگا کر تختے کے اوپر چمڑے کا غلاف جڑا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ میں لیتا ہے تب وہ با وضو ہی قرآن مجید کو کس کرتا ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت سے قبل اور تلاوت میں ہاتھوں میں کھپکھپاتا ہے۔ اس کا یہ

فعل اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کی عظمت اور تعظیم کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اب ذرا سوچو! جو شخص قرآن مجید کو با وضو چھوتا ہے اور تعظیم و محبت سے چومتا ہے، وہ اس چیز سے کو چھوتا اور چومتا ہے جو جلد سازی (Binding) میں استعمال کر کے قرآن مجید کی جلد کی باہری حصہ میں چسپاں کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید کی جلد میں آویختہ ہونے کی وجہ سے وہ چیز عظمت و تکریم کے قابل بن گیا۔

اسی طرح ہمارے پاؤں میں پہنے جانے والے جوتے، چپل میں بھی چیزے کا استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جوتے کا چیز پاؤں سے روندنا جاتا ہے اور رادھ میں پڑی ہوئی نجاست اور گندگی سے ملوث ہوتا رہتا ہے۔ لہذا جوتے کا چیز اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اس کو مکان کے اندر داخلہ کی اجازت دی جائے۔ ہر شخص جوتے مکان کے بیرونی حصہ میں اتارنے کے بعد ہی مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوتا ہے۔ اب کوئی عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرنے والا اور عقل کا مادہ یہ کہے کہ قرآن مجید کی جلد سازی میں استعمال شدہ چیز اور جوتے کا چیز دونوں چیزے کی اقسام سے ہونے کی وجہ مساوی اور ہمسری ہیں اور دونوں میں "اَنَا جِلْدٌ يَنْفُلُكُمْ" کی مساوات و ہمسری ہے، تو ایسے شخص کے لیے یقین کے درجہ میں یہی کہا جائے گا کہ جناب کی عقل کا چراغ ٹھل ہو گیا ہے۔

◎ قابل غور و فکر حقیقت :-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ہمسری کا دعویٰ کرنے والے دور حاضر کے منافقین شاید اس حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ صرف انسان ہونے کے ناطے انسانی کائنات کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ تو بہت دور کی بات ہے بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جماعت میں بھی مساوات اور ہمسری نہیں۔ بعض انبیائے کرام کو بعض انبیائے کرام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ یعنی باقتدار درجات و مراتب تمام انبیائے کرام مساوی اور ہمسری نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ ذُرِّيَّتَٰهُ

(پارہ ۳: سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۳)

ترجمہ:- ”یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔
ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند
کیا۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- (۱) ”معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتب جدا گانہ
ہیں۔ بعض حضرات سے بعض افضل ہیں۔ یعنی خصائص و کمالات میں
درجے متفاوت ہیں۔“

(۲) ”اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا“ سے مراد حضور پر نور
سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو بدرجات کثیرہ تمام
انبیائے کرام علیہم السلام پر افضل کیا۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور
بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔“

(۳) ”آیت میں حضور اقدس کی اس رفعت مرتبت کا بیان فرمانا اور نام
مبارک کی تصریح و توضیح کا یہ کیا جاتا، اس سے بھی حضور اقدس علیہ افضل
الصلوٰۃ والسلام کی اعلیٰ شان کا اظہار ہے کہ اس ذات والا کی یہ شان ہے کہ
جب تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے تو سوائے ذات اقدس کے یہ
وصف کسی پر صادق نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پاسکے اور حضور اقدس کے وہ
بے شمار خصائص و کمالات ہیں جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق اور افضل ہیں
اور آپ کا کوئی شریک نہیں۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۵۵ اور ص: ۷۶)

قارئین کرام مندرجہ بالا آیت کریمہ، اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو بخور و فکر مطالعہ

فرمائیں تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہلی ورجات، مکالمات، مراجب اور خصائص تک کسی بھی نبی یا رسول کی رسائی نہیں۔ یہ کسی کے گھر کی ایجاد کردہ بات نہیں، بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات اور مخلوق میں سے کوئی بھی حضور اقدس کا ہمسر نہیں۔ تو دور حاضر کے منافقین کس کھیت کی مولیٰ ہیں؟ کس منہ سے حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں؟ جب کسی بھی نبی اور رسول نے حضور اقدس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا، تو وہ دور حاضر کے منافقین نہ جانے اپنے کو کیا سمجھ کر ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں؟ تعجب ہے کہ جس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلہ پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اسی مقدس نبی کے ساتھ ہمسری اور برابری کا بھی باطل دعویٰ کرتے ہیں۔

⑤ ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور کے امتی ہونے کی تمنا فرمائی“

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ کسی بھی نبی اور رسول نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کیا۔ حالانکہ انبیائے کرام کی جماعت تمام انسانوں سے افضل ہے۔ اپنی افضلیت اور برتری کے باوجود بھی انہوں نے حضور اقدس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا، البتہ اس رسول اعظم اور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی ضرورت نہ فرمائی ہے۔

⑥ ”محقق علی الاطلاق، شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ارقام

فرماتے ہیں کہ:-

”حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب

توریت شریف کی تختیوں میں آخری نبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی تقریباً ستر (۷۰) صفات

کو پڑھا، تو انہوں نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ

خدا! اس امت کو میری امت بنادے۔ فرمان باری تعالیٰ

آیا کہ تے موسیٰ! اس امت کو تمہاری امت کیسے بناؤں

’وہ امت تو نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا کہ رب! تو مجھے ہی امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے بنائیے اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں دو خوبیاں مرحمت فرمائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

قَالَ يَمْزُغُنِي أَتَى لُصُطَفَيْكَ عَلَى الْغُلِيِّ يَرْسُلُنِي وَ
بِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتَهُ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ

(يا مومنان! انصرفوا الى الله وحده)

ترجمہ:- ”غریب کو سب سے زیادہ محبت کرنے والوں میں سے میں نے تمہیں منتخب کیا ہے۔“

اندر تباہ و توفان کے اس اندام پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پاؤں رکھ کر فرمایا: "یہ کہ اس کے لئے میرے رب نے اس پر عذاب فرمایا۔"

(طیوان - مہاراجا المتی و قاز - شہزاد علی محمد شاہ خوش ہمارو پوتہ جید : ۱۰۷)

حضرت میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں اللہ رب العزت سے
حضرت اقدس سے مصروف رہا، جو میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں
تعمیر و تعمیر کے لئے میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں
محبت ہو تعمیر کے لئے میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں
محبت ہو تعمیر کے لئے میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں
اللہ رب العزت سے مصروف رہا، جو میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں
تعمیر و تعمیر کے لئے میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں
محبت ہو تعمیر کے لئے میرزا سیدی علی ریزہ جعفری نقشبندی صلوٰۃ و سلام جیسے میں

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس کے امتی بن کر تشریف لائیں گے

حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باعظمت نبی ہیں اور فی الحال حیات ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے۔ جس کا تفصیلی بیان قرآن شریف، پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت: ۵۵ تا ۵۷ میں ہے۔ قارئین کرام کی فرحت طبع کی خاطر عرض ہے کہ چار انبیائے کرام وہ ہیں جن کی وفات ابھی تک واقع نہیں ہوئی۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

⑤ ”چار انبیائے کرام وہ ہیں، جن کی وفات ابھی واقع نہیں ہوئی۔ ان چار میں سے دو حضرت سیدنا اور لیس اور حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام آسمان پر زندہ اٹھالیے گئے ہیں۔ اور دو یعنی حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں۔ دریا، سمندر حضرت سیدنا خضر کے اور خشکی حضرت سیدنا الیاس کے متعلق ہے۔ (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام)۔ یہ دونوں صاحبان ہر سال حج کو تشریف لاتے ہیں اور حج کے بعد آب زمزم شریف نوش فرماتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے۔“

(حوالہ:- فتاویٰ رضویہ شریف، جلد ۱۲، ص: ۱۲۲ اور ۲۰۶)

حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قرب قیامت یعنی قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اگرچہ آپ اپنے حال پر نبی اور رسول ہوں گے لیکن اس کے باوجود حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے حضور اقدس کا اتباع کریں گے اور ہمارے نبی کریم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے۔

علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر حضرت آدم یا حضرت نوح یا حضرت ابراہیم یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علی نبیائہم الصلوٰۃ والسلام یا کسی بھی نبی یا رسول کے زمانے میں اس دنیا میں تشریف لے آتے، تو ان پر اور ان کی امتوں پر واجب ہو جاتا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا اتباع کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد و پیمان لیا کہ آپ کی نبوت سب کو محیط اور آپ کی بالادستی سب پر ہے۔

(خصائص کبریٰ، امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۱۶)

الحاصل حضرت سیدنا آدم سے لے کر حضرت سیدنا عیسیٰ تک کے تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی امتوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل اور علو مرتبت سے آگاہ کر کے ان پر ایمان لانے کی ہدایت و تلقین فرمائی بلکہ تمام انبیاء و مرسلین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مداح و نیاز مند تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کے لیے ”آمت محمدیہ“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہونے کی آرزو اور تمنا فرمائی تھی۔ کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمسر ہوں۔ حالانکہ وہ تمام حضرات منصب نبوت و رسالت پر فائز تھے لیکن انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب اعظم کا جو درجہ و مرتبہ، عزت و تعظیم، تکریم اور تہنیتیت رب اکبر جل جلالہ کے ہاں ہے وہ کسی کو بھی حاصل نہیں۔ بلکہ اس درجے اور مرتبے پر کسی اور کے بیونچے کا امکان ہی نہیں۔ اس مقدس ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مراتب و درجات کو احاطہ حصر میں لانا ممکن ہی نہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس! اور حاضر کے منافقین کی جراتیں اور بے باکیاں اتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات و کمالات کو ”بشَر میٹر“ (Basharometer) کے ذریعہ جاننے کی سعی بجا کرتے ہیں اور قرآن مجید کی مقدس آیت کریمہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ سے غلط استدلال کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہہ کر توہین و تنقیص رسالت کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بلکہ انہی منافقانہ اور کافرانہ عداوت کے نشے کے غرور و ہمنم

میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر برتری کا باطل دعویٰ کرتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے۔

منافقینِ زمانہ کا دعویٰ کہ عمل میں امتِ نبی سے بڑھ سکتا ہے

دورِ حاضر کے منافقین کے مقتدا اور پیشوا دینار و اریطہ وار علوم و دیند کے بانی آنجنابی مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں یہاں تک لکھا ہے کہ:-

”انبیاءِ اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو صرف علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل۔ اس میں بظاہر بسا اوقات امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔“

حوالہ:- ”تہذیب الاناس“

از:- مولوی قاسم نانوتوی، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند (یو پی) ص: ۵۰

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دور جاری رکھتے ہوئے مذکورہ عبارت پر غور فرمائیں کہ کتنے خطرناک انداز میں نبی سے ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ عبارت کی ابتداء میں مطلق ”انبیاء“ کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور تمام انبیاء میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ یعنی منصف مصنف کا یہ کہنا ہے کہ انبیاء کرام کو اپنی امت پر جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف ہم ہی کی وجہ سے حاصل ہے اور عمل کے معاملے میں تو امتی اپنے نبی سے مساوی یعنی برابر اور یکساں ہو سکتا ہے بلکہ نبی سے بڑھ بھی سکتا ہے۔ دورِ حاضر کے منافقین اپنی نمازوں کی تعداد، ذکر و کار و دیگر اوراد و وظائف کو دوڑا نہ شمار کرتے ہیں اور پھر اس پر کیا کیا اجر و ثواب

ملنے والا ہے اس کا حساب کرتے ہیں اور پھر اس کا میزان (جوڑ - Total) لگاتے ہیں اور اپنے عمل پر بذات خود اجر و ثواب مستحق کر کے اپنے من میں پھولے نہیں ساتے اور پھر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ آہ! آج تو میں نے اتنی اور اس قدر نیکی کما لی ہے اور آج کے دن میرے نامہ اعمال کے بھی کھاتے (Ledger) میں اتنی تعداد میں نیکیاں جمع (Credit) ہوئی ہیں۔ اس ریاکارانہ حرکت کو وہ روحانہ حاضر کے منافقین نے ”مذاکرہ“ کا نام دے رکھا ہے۔ راقم الحروف نے نرین کے سفر کے دوران کئی مرتبہ مشاہدہ کیا ہے کہ دہائی تبلیغی جماعت کے جاہلوں کی ٹولی کا اجمل امیر بعد نماز عشاء ہر مبلغ سے پوچھتا ہے کہ آج تم نے کیا کیا نیکی کی ہے؟ ہر مبلغ یکے بعد دیگرے اپنے امیر سے اپنا روزنامہ بیان کرتا ہے کہ آج میں نے فرائض کے علاوہ اتنی رکعتیں نفل، اتنے کلمے، اتنے استغفار، اتنے درود، اتنے پارے کی تلاوت وغیرہ وغیرہ بانیک اعمال کیے ہیں۔ جس کو سن کر امیر جماعت واہ واہ! سبحان اللہ! کہتا جائے اور اس جاہل عابد کو سراہتا جائے اور پھر حساب لگائے کہ اتنی رکعتیں نفل پڑھیں اس کا اتنا ثواب بھلوں کی نیکیوں کا اتنا میزان وغیرہ وغیرہ کا میزان لگاتا جائے اور پانچ پچیس لاکھ نیکیاں کھاتے (Account) میں جمع ہو گئیں اور ہزاروں مصفیہ کبیرہ گناہ معاف ہو گئے۔ ماشاء اللہ! آج کے دن تم نے بہت نیکیاں کمائیں۔ اپنے امیر جماعت کی زبان سے نامہ اعمال میں اتنی ساری نیکیاں صرف ایک دن میں جمع ہونے کی سند (Credit Note) سن کر وہ جاہل مبلغ ہوا پراڑے لگتا ہے۔ جب دہلی یا مدراس کا چالیس دن کا چلہ پورا کر کے گھر واپس آتا ہے تو اپنی چالیس دن کی نیکیوں کا اب خود میزان (Total) لگاتا ہے تو اس کا عدد (figure) کروڑوں اور اربوں میں ہوتا ہے۔ اپنی نیکی کا اتنا بڑا عدد ہو گیا ہے علاوہ انہی میرے لاکھوں مصفیہ و کبیرہ گناہ معاف ہو گئے ہیں لہذا اب میرا الیکاؤنٹ خسارہ یعنی (Debit) کے بجائے منافع (Credit) میں متبدل ہو گیا ہے۔ اور وہ جاہل مبلغ اپنے کو گناہوں سے ایسا پاک و صاف سمجھنے لگتا ہے گویا وہ آج ہی اپنی ماں کے شہم سے تولد ہوا ہو۔ اپنی نیکیوں کے خود ساختہ حصول پر اس کا دماغ سا توں آسمان پر پہنچ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ سمجھنے لگتا ہے۔ اپنے کو صالح الاعمال اور اتنی دیر ہر گار کے زمرہ میں تصور کر کے جاہل مفلک سمجھ رہا ہوتا ہے کہ دوسروں

کو اپنے سامنے بچے سمجھتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اولیاء و انبیاء کے مقابل اپنی نیکیوں کی کثرت کا مقابل کرتا ہے۔ اس کے دماغ میں بھڑکی ہوئی تکبیر اور غرور کی آگ پر دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کی رسوائے زمانہ کتاب ”تھذیر الناس“ کی مندرجہ بالا عبارت پندرل (Petrol) کا چھتر کاڑ کر کے اسے مزید مشتعل کرتی ہے اور نتیجتاً وہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہمسری کے بجائی سے متجاوز ہو کر اب برتری کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ =

جس کو استغیا، وضو، غسل اور طہارت کے اہم مسائل کی واقفیت تک نہیں، جسے نماز کے شرائط، نماز کے فرائض و وجبات اور دیگر ضروری امور کا احساس نہیں اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تب فرائض و وجبات کے ترک ہونے کی وجہ سے اس کی نماز قاسد ہوتی ہے۔ جو نماز کے ارکان تک صحیح طور پر ادا نہیں کرتا اور کراہت تحریمی کی وجہ سے اس کی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے، ایسی فتوراً ہیچ نماز پڑھ کر اس کی عقل میں بھی خور آتا ہے۔ اور وہ اپنے کو مقبول مانگا، الٹی اور مستجاب درجہ و خد اوندی گردانتا ہے اور اب میرا اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ رابطہ (Direct Conetction) ہو گیا ہے۔ ایسے خیالی تصور اور خیال قاسد میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ جاہل مبلغ انبیاء کرام کے نماز و روزے اور دیگر اعمال و حسات کا بھی حساب لگاتا ہے اور پھر اس کا اپنی عبادت سے تقابل کرتا ہے۔ مثلاً:-

دارالعلوم دیوبند کے بانی آنجنابی مولوی قاسم نانوتوی کی رسوائے زمانہ کتاب ”تھذیر الناس“ کی مذکورہ عبارت کی مشککہ خیز تاویل کرتے ہوئے دور حاضر کے منافقین یہ کہتے ہیں کہ اس عبارت میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے کیونکہ نانوتوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ ”مسل میں بسا اوقات اتنی مساوی یعنی برابر ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ بھی جاتا ہے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسنہ و اقدس سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف تر سٹھ سال کی ہوئی ہے۔ اور نماز کی فرضیت چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت ملنے کے بعد ہوئی ہے تو آپ نے صرف ۲۳ برس سال ہی نماز پڑھی ہے۔ اب اگر کسی مسلمان کے گھر کوئی لڑکا پیدا ہوا اور اس نے دس سال کی عمر سے نماز پڑھنے شروع کی اور وہ پچانوے سال کی عمر تک پابندی سے نماز

پڑھتا رہا اور انتقال کیا تو اس نے اپنی زندگی کے ۸۵ پرچاسی سال تک نماز پڑھی۔ لہذا وہ عمل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ گیا یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ عمر سے اور مدت تک عبادت و ریاضت کی یا نہیں؟ اس نے حضور اقدس سے زیادہ عمل کیا یا نہیں؟ نماز کی تعداد اور ایام نماز کی تعداد کے معاملہ میں وہ حضور اقدس سے بڑھ گیا یا نہیں؟

کسی لچر اور نفوذیل ہے۔ اور کسی بے ٹکی منطق ہے۔ حالانکہ ”تہذیب الناس“ کتاب کی مذکورہ عبارت صرف توہین و تنقیص رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غرض فاسد سے کہی اور نکمی لگئی ہے لیکن وہ باہلی تبلیغی جماعت کے مبلغین کے سامنے ان کے مقتدا و پیٹھوا کی مذکورہ گمنونی عبارت پیش کی جاتی ہے، جب وہ اپنے آنجنابی پیشوا امامانو قوی کا دفاع کرنے کے لیے مندرجہ بالا بے دھنگی اور پھوپھو باز ٹاپل پیش کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقبول و مستجاب عبادت و ریاضت کو اپنی ریاکارانہ عبادت پر قیاس کر کے کثرت تعداد رکعت نماز اور طول مدت زمانہ نماز کے ذریعے چٹا کش کرتے ہیں۔ اور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صرف ایک سجدے کا ہماری نماز کی کروڑوں بلکہ اربوں رکعتیں بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ کہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز اور کہاں ہماری نماز!

- ⑤ ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں قیام اس طرح ہوتا کہ آپ کے مبارک قدموں میں درم آ جاتا۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اتنی محنت اور مشقت کس لیے برداشت فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ تو مغفور ہی ہیں۔ فرمایا خدا کی اس عنایت و کرم پر کہ اس نے مغفور بنایا، شکر گزار بندہ بن جائیں۔“
- ⑥ اُم المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر عمل لزوم اور دوام لیے ہوئے ہے۔ تم میں سے کس کی طاقت ہے؟ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنی مشقت برداشت کر سکے۔“

- ⑦ ”حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم بھی بھی صرف ایک ہی آیت پر ساری رات قیام میں گزار دیتے ہیں اور وہ آیت یہ ہوتی ہے:-

”إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَلْيَنْتَهِمْ عِبَادَكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَلْيَنْتَهِمْ أَنْتَ الْغَفُورُ الْكَرِيمُ“ (پارہ ۷، سورۃ المائدہ، آیت: ۱۱۸)

ترجمہ:- ”اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے، تو بے شک تویی ہے غالب شکست والا۔“ (کنز الایمان)

اس سے مقصود اُنّت کا عرض حال اور ان کی محفرت کی درخواست تھی۔ محفل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے ہوئے اور آپ کا شکم اطبردیک کے جوش مارنے کی آواز کی مانند آواز دے رہا ہوتا۔“

(مندرجہ بالا تین روایات بحوالہ:- مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۱۶ و ۱۱۷)

مندرجہ بالا تین روایات سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمانے میں جو محنت اور مشقت برداشت فرمائی، ایسی محنت و مشقت اور کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ اب کچھ احادیث کریمہ ایسی تلاوت کریں کہ جن سے معلوم ہو کہ باعتبار درجہ اور اجر و ثواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز تک کسی کی بھی نماز نہیں پہنچ سکتی اور آپ کا عمل آپ کے لیے نافذ ہے۔

⑤ ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ کے لیے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے کھڑے ہو کر پڑھنا۔ امام مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھ کر آدمی کی نماز آدمی نماز ہے۔ پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر مرد کی نماز پڑھنا آدمی نماز ہے، حالانکہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟“ (مسند احمد، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ تم نے خلیفہ بنائے لیکن میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں۔"

(حوالہ:- فضائل کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۴۰)

⑤ "امام احمد نے برہنہ صحیح ائمہ اثنی عشرین حضرت سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ ان سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کیا تم لوگ حضور کے عمل کے مانند عمل کرو گے؟ کیونکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ کا عمل آپ کے لیے نافذ تھا، یعنی "آپ کو عمل کی امتیاز نہ تھی۔ جس طرح کہ ہم کو عمل کی امتیاز ہے۔ آپ کا عمل آپ کے لیے اول تا آخر جو ثواب میں فائدہ ہے۔" (حوالہ:- ایضاً)

⑥ "امام ابوہریرہ بن حسین یثربی (المتوفی ۴۵۸ھ) نے امام مجاہد سے ارشاد رب تبارک و تعالیٰ قَوْمِ الْيَسْلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ (پارہ: ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۷۹) ترجمہ:- "اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو، یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے۔" کے تحت روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفارہ ذنوب (یعنی گناہ کے کفارہ) میں نافذ ادا نہیں فرماتے تھے جیسا کہ ہم اور تم جو نوافل ادا کرتے ہیں وہ کفارہ ذنوب کے لیے کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرائض میں خلل اور نقصان رادہ پاتا ہی نہیں کیونکہ آپ معصوم ہیں۔" (فضائل کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۴۱)

الحاصل! عمل کے معاملہ میں انتہی کبھی بھی اپنے نبی سے برابری نہیں کر سکتا۔ تو جب امتی نبی سے برابری نہیں کر سکتا تو نبی سے بڑھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی سے مساوات اور نبی سے برتریت تو بہت دور کی بات ہے بلکہ جن کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہو جاتی ہے وہ بھی اپنے درجات و مراتب میں منفرد اور یگانہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ:-

”حضورِ اقدس کی ازواجِ مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں“

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

”يُنْمِئْنَ النَّبِيُّ لِمَنْتَنَ كَأَخٍ مِنَ النِّسَاءِ“

◎ = پارہ: ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۳ = ◎

ترجمہ:- ”اے نبی کی بی بی! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو“

(کنز الایمان)

تفسیر:- ”تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمہارا اجر سب سے

بڑھ کر۔ جہاں کی عورتوں میں کوئی تمہاری ہمسر نہیں۔“

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۷۶۰)

اس آیت کریمہ میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ازواجِ مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں۔ ازواجِ مطہرات کو یہ شرف کسی اور فضل و کمال کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ تمام ازواجِ مطہرات کو امتی کی ہی حیثیت حاصل تھی۔ کسی کو بھی نبوت کے منصب پر فائز نہیں کیا گیا تھا۔ اُن امتی خواتین مقدسہ کو صرف حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زوجیت کا علاقہ اور رشتے کی نسبت ہو جانے کی وجہ سے وہ بلند مرتبہ حاصل

ہوا کہ اُمتی ہونے کے باوجود وہ تمام جہاں کی عورتوں سے مرتبہ میں افضل و اعلیٰ ہو گئیں۔ اس امت کی قیامت تک ہونے والی تمام عورتوں میں سے کسی ایک کو بھی ازواجِ مطہرات سے درجے اور مرتبے میں ہمسری یا برتری حاصل نہیں۔ اگر کسی عورت نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہمسری برتری کا دعویٰ کیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ اس نے قرآن مجید کے اس ارشاد کا کھلم کھلا خلاف کیا۔ تو جو لوگ اُمتی ہونے کے باوجود اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری اور برتری کا دعویٰ کر رہے ہیں، وہ قرآن مجید کے ارشاد کی موافقت کر رہے ہیں یا مخالفت کر رہے ہیں؟ اس کا فیصلہ خود قارئین کرام فرمائیں۔

”حضورِ اقدس صورتِ بشری ہی میں دنیا میں کیوں تشریف فرما ہوئے؟“

یہاں تک کے مطالعے سے یہ حقیقت ظاہر ہو چکی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”سراپا نور“ ہی تھے۔ نور سے ہی آپ کی پیدائش ہوئی ہے اور آپ بے مثل و مثال ”نوری بشر“ کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورتِ بشری ہی میں دنیا میں کیوں تشریف لائے؟ نوری کیفیت یا بشکل فرشتہ کیوں تشریف نہ لائے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نوری کیفیت یا صورتِ ملائکہ میں بھی بھیج سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورتِ بشری میں ہی کیوں بھیجا؟

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ”حکیم“ ہے۔ عربی زبان کا ایک مشہور و معروف مقولہ ہے کہ ”فعلُ الحَکیمِ لَا یَخْلُقُ عِلْمًا“ ”حکیم کا کوئی بھی کام حکمت

سے خالی نہیں ہوتا۔“ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورت بشری میں بھیجئے میں کیا حکمت الہیہ تھی؟ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں:-

(۱) پہلی بات یہ کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب اعظم اور محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف ”نوری کیفیت“ کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہوتا اور اپنے محبوب کی نوری تجلیوں کو بشری جامہ میں مستور نہ فرمایا ہوتا اور صرف ”نور بعین“ کی کیفیت کے ساتھ جلوہ نما فرمایا ہوتا، تو کسی کی بھی طاقت و صلاحیت نہ ہوتی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مقدس تَنْوِیْنِ نُوْرٍ اللّٰہِ والی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ بلکہ آپ کے نور انور کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا کسی کے لیے بھی ممکن نہ ہوتا۔ جب ہم آسمان میں درخشاں سورج کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنی آنکھیں اس پر ہما کر دیکھ نہیں سکتے اور سورج کی طرف نگاہ کرتے ہی ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ تو سورج بھی جن کا طفیلی ہے اور جن کے نور کے صدقہ میں سورج کو بھی روشنی ملی ہے، اس ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو بغیر کسی حجاب کے عیاں دیکھنا کسی بھی طرح ممکن ہی نہیں تھا۔“

(۲) ”حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الہی میں ایک مرتبہ عرض کی کہ:- ”قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرَ اِلَيْكَ“ ترجمہ:- ”عرض کی اے رب میرے! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔“ ”قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اِسْتَقَرَّ مَكَانًا فَسَوْفَ تَرَانِيْ“ حضرت موسیٰ کی عرض پر ارشاد باری ہوا کہ ”فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر غمخوار ہا تو مقرب تو مجھے دیکھ لے گا۔“

اس ارشاد باری سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کوئی بھی انسان اپنی فانی آنکھ سے دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نور کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ الحاصل! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ تم بلاد وسط میرے نور کا جلوہ نہیں دیکھ سکو گے لہذا اس پہاڑ یعنی طور سینا کی طرف دیکھو۔ لہذا اس پہاڑ نے میرے نور کی

تجلی برداشت کر لی اور اپنے مقام پر قائم رہا تو عنقریب تم میرے دیدار سے مشرف ہو سکو گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور مقدس کی ایک تجلی کو ہر طور پر نازل فرمائی۔ قرآن مجید میں ہے کہ "فَلَمَّا تَجَلَّىٰ ذَٰلِكُمُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ هَبْعَةً" ترجمہ:- پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چکایا، اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گر ابے ہوش۔"

(حوالہ:- پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۳۳، ترجمہ از:- کنز الایمان)

ادراک سابقہ میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور مقدس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا ہے۔ تو حضور کا نور درحقیقت اللہ کا نور ہے۔ سورۃ الاعراف کی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے نور کو بالمشافہ (Face to Face) نہیں دیکھا تھا مگر اس تجلی نور الہی کو دیکھا تھا جو کہ وہ طور پر گری تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبی و رسول بھی اس نور کی تاب نہ لا سکے اور "وَخَرَّ مُوسَىٰ هَبْعَةً" یعنی "حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔" جب اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم المرتبت نبی و رسول بھی اللہ کے نور کو بالمشافہ نہ دیکھ سکے، تو عام انسانوں میں اتنی تاب کہاں کہ وہ اللہ کے محبوب کے نور کو رو برو اور آنے سے سانسے ہو کر دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم کا نور جس کا مادہ اور منبع "نور اللہ" ہے۔ اس نور کو اپنے سر کی آنکھوں سے بالمشافہ دیکھنا عام انسانوں کے لیے محال و ناممکن تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو بشری جامہ پہنا کر اور بشریت کے حجاب میں مستور فرما کر اس دنیا میں بھیجا۔

(۳) اب ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو انسانی جسم کا جامہ پہنا کر ہی کیوں بھیجا؟ اور بصورت فرشتہ کیوں نہیں بھیجا؟

اس سوال کا اطمینان بخش جواب حاصل کرنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کس لیے پیدا فرمایا ہے؟ قرآن شریف میں ہے کہ

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“

(پارہ: ۲۷، سورۃ الذاریات، آیت: ۵۶)

ترجمہ: ”اور میں نے جن اور آدمی اسے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔“

(کنز الایمان)

اس آیت میں فرمان الہی ”میری بندگی کریں“ کی تفسیر میں ہے کہ ”اور میری معرفت حاصل ہو۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۳۱) یعنی بندگی کے ذریعے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت یعنی شناخت، پہچان، واقفیت اور خدا شناسی حاصل ہو۔ لیکن انسانوں کو اللہ کی بندگی کرنے کی راہ دکھانے کے لیے اور بندگی کی راہ پر گامزن کر کے، بندگی کی رغبت اور شوق دلانے کے لیے انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے۔ انبیاء و مرسلین کو انسانوں کے درمیان اور انسانوں کی رہبری و ہدایت کے لیے انسانوں ہی کی شکل و صورت میں بھیجا۔ اگر انبیاء و مرسلین کو انسانوں کے بجائے فرشتوں کی شکل و صورت میں بھیجا گیا ہوتا تو عوام الناس ان سے گھبرا گئے ہوتے اور ان سے قرب و نزدیکی حاصل کرنے میں خوف و ڈر محسوس کرتے۔ جیسا کہ:-

(۳) ”حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ، طاہرہ و طیبہ، حضرت سیدتنا مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کے ہونے والی ولادت اطہریٰ اطلاع دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت مریم کے پاس بھیجا، تب حضرت جبرئیل کو فرشتے کی صورت میں نہیں بلکہ انسان کی شکل و صورت میں بھیجا۔ قرآن مجید میں ہے کہ ”فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَهَا وَوَحَنًا فَغَثَلْ لَهَا بِشَرًّا سَوِيًّا“ (پارہ: ۱۶، سورۃ مریم، آیت: ۱۷) ترجمہ:- ”تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی (روح الامین) بھیجا۔ وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔“ (کنز الایمان)

اگر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اصلی صورت میں حضرت مریم کے پاس گئے ہوتے تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھبرا گئی ہر جس۔ کیونکہ حضرت جبرئیل کی اصلی صورت

کے متعلق احادیث کریمہ میں وارد ہے کہ:-

① "شیخین نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل آسمان سے زمین کی طرف اتر رہے ہیں اور ان کے وجود عظیم نے زمین اور آسمان کو گھیر لیا ہے۔" امام احمد نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ "حضرت جبرئیل سُنی (رضی اللہ عنہ) لباس میں لمبوس تھے جس پر موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔"

② "ابو اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے حضرت جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چہرہ سواذو (پر) موتیوں کے تھے اور انہوں نے مور کی مانند اپنے بازوؤں کو پھیلا یا ہوا تھا۔"

③ "ابو اسحاق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سبز ٹٹے (بہشتی لباس) میں دیکھا۔ اس وقت انہوں نے زمین اور آسمان کو گھیر لیا تھا۔"

(مندرجہ تینوں روایات :- بحوالہ :- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۲۷۶)

حضرت سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلی شکل و صورت اور حیثیت و کیفیت دیکھ کر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھبرا نہ جائیں اس لیے حضرت جبرئیل کو ان کے پاس انسان (بشر) کے روپ میں بھیجا گیا۔ اور حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لیے "صورت بشری" اختیار فرمانے کی وجہ سے حضرت جبرئیل کی حقیقت ملائکہ اور صفت فرشتہ نہ ہوگئی بلکہ قائم و برقرار رہی۔ ان کا صورت بشری اختیار کرنا ایک مشن کے تحت اور عارضی طور پر تھا۔ حضرت سیدنا مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی پاک دامن عابدہ و

زادہ، طیب، طاہرہ ہندی کو اللہ تعالیٰ کا صرف ایک پیغام پہنچانے کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے صورت بشری اختیار فرمائی۔ اسی طرح ہمارے تمہارے جیسے بے شمار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ایک نہیں بلکہ لاکھوں پیغام و فرمان پہنچانے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صورت بشری اختیار فرمائی۔ قرآن مجید کی ہزاروں آیات اور لاکھوں کی تعداد میں احادیث کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فرامین عالیہ ہم تک پہنچانے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان صورت بشری میں تشریف لائے۔ جس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ”حقیقت نور“ ختم ہو گئی اور آپ معاذ اللہ عام انسانوں کی کیفیت میں مبتدل ہو گئے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ”حقیقت نور محمدیہ“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نور انور کی نوری تابانی اور درخشانی سے ہماری آنکھوں کو خیرہ ہونے سے بچانے کے لیے اس فانی دنیا کے قیام کے قلیل عرصہ تک کے لیے عارضی طور پر لباس بشری اختیار فرمایا تھا۔

(۵) علم نفسیات (Psychology) کا دستور ہے کہ ہر ذی روح مخلوق اپنے

ہم جنس کا اعتماد کرتی ہے اور اپنی ہم جنس مخلوق سے مانوس ہو کر اس کی طرف راغب اور مائل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے ہم جنس کی بات کو اچھی طرح سمجھ کر قابل اقتدار سمجھتی ہے۔ مثلاً آدمی کی دور جانور جانور کی پیروی کرتا ہے۔ حالانکہ کبوتر، گھرانہ، قوم، نسب، نسل، خاندان، برادری، رنگ، روپ، قد، قامت، پیشہ، کاروبار، زبان، زمین، مہن، طور طریقہ، علاقہ، صوبہ، ملک وغیرہ کے اعتبار سے عالم انسانی متفرق النوع ہونے کے باوجود بنی آدم اور نوع انسانی میں شمولیت کی وجہ سے آدمی اور انسان بنی کہے جاتے ہیں۔ اور انسان ہونے کے باطنی ان میں انسانوں سے انس اور اعتبار کا فطری مادہ ہوتا ہے۔ ہر انسان انسانیت کے دائرہ میں محدود و کرہذیب و اخلاق کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والے انسان کو اپنے ہم جنس انسان سے تنگ قدرتی کا ذرا انس ہوتا ہے۔ اور

پوری نوع انسانی کی ہدایت اور بہری اور بھلائی کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان (بشر) کی شکل و صورت میں انسانوں کے درمیان بھیجا۔

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَٰكِن أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ“

(پارہ ۲۲، سورہ سبا، آیت: ۲۸)

ترجمہ:- ”اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سنانا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- ”اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عامہ ہے۔ تمام انسان اس کے احاطے میں ہیں۔ گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، پہلے ہوں یا پچھلے، سب کے لیے آپ رسول ہیں اور وہ سب آپ کے امتی ہیں۔ آپ کی رسالت تمام جن و انس کو شامل ہے اور آپ تمام خلق کے رسول ہیں اور یہ مرتبہ خاص آپ کا ہے۔“

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۷۶)

مذکورہ آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ تمام نوع انسان کے لیے نبی و رسول بن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا میں صورت بشری میں تشریف لے آئے۔ اگر آپ انسان کے بجائے فرشتہ کی صورت میں تشریف لاتے اور بحیثیت فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اللہ کی نعمتوں کی خوشحوری دیتے اور اللہ کے عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو ”صراطِ مستقیم“ کی طرف بلاتے تو آپ کی دعوت حق و صداقت اثر پذیر نہ ہوتی کیوں کہ لوگ یہی

کہتے کہ وہ فرشتے ہیں اور انسانی فطرت سے منزہ ہیں لہذا وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتے ہیں اور عبادت و ریاضت و اعمال حسد کی طرف راغب ہو کر منہیات و مگناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ یہ کام وہ فرشتے ہونے کی وجہ سے ہی کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ہم تو انسان ہیں۔ یہ کام ہمارے بس میں نہیں۔ ہم ان کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کر سکتے کیونکہ انسان ہونے کی وجہ سے نفس ہمارے پالے پڑا ہوا ہے اور نفس کے تقاضوں کی تکمیل کرنے کی وجہ سے ہم سے یہ کام نہیں ہو سکتے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "صورت بشری" میں اس دنیا میں تشریف لاکر لوگوں کو باور کر دیا کہ میں ایک انسان ہونے کے باوجود بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام بجالا سکتا ہوں اور احکام الہیہ کی پابندی کر سکتا ہوں، تو اے لوگو! تم بھی انسان ہونے کے ناطے میری اطاعت و پیروی کر کے اللہ تعالیٰ کے فرامین پر عمل کر سکتے ہو۔

(۶) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصورت فرشتہ دنیا میں تشریف نہ لائے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار و مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اللہ کا جز قرار دیتے تھے۔ قرآن شریف میں ہے کہ **وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ۝ أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنَاتِ ۝**

(پارہ: ۲۵، سورۃ الزخرف، آیت: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ:- اور اس کے لیے اس کے بندوں میں سے کھڑا ٹھہرایا، بے شک آدمی کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اس نے اپنے لیے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا؟ (کنز الایمان)

۱۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ "کفار نے اس اقرار کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا خالق ہے یہ ستم کیا کہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں بتایا اور اولاد و صاحب اولاد کا جز (حصہ) ہوتی ہے۔ ظالموں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے جز قرار دیا، کیسا عظیم جرم ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۸۸۱)

ایک اور مقام پر ہے کہ **إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْمُؤْنَ عَلَیْهِمُ النَّاسُ**

نَسِیۡتَہُ الْاٰنۡفٰی" (پارہ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۲۷) ترجمہ: "بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ملائکہ کا نام غورتوں کا سار رکھتے ہیں۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہے کہ "انہیں (فرشتوں) کو خدا کی بیٹیاں بتاتے ہیں۔"

(حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۵۰)

اگر حضور اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے "نور" کو لباس بشری میں مستور کرنے کے بجائے لباس ملائکہ کے پردے میں چھپا کر دنیا میں تشریف لاتے اور آپ کی رات رات بھر کی طویل عبادت و ریاضت اور احکام الہیہ کی سخت پابندی، منہیات سے اجتناب، افعال و ذلیلہ و قبیحہ سے کنارہ کشی وغیرہ محاسن اور علاوہ ازیں آپ کی حیرت انگیز معجزات کا ظہور پذیر ہوتا، ان تمام برائین و دو لائل کو دیکھ کر کفار اور مشرکین یہی کہتے کہ اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ نبی فرشتہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں لہذا وہ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرا امکان یہ تھا کہ آپ کے معجزات عظیمہ کو دیکھ کر کفار و مشرکین آپ کی پرستش کرنے لگتے۔ لہذا شرک کا سبب باب فرمانے کے لیے اور توحید کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ "صورت بشری" میں اس دنیا میں تشریف لے آئے۔

(۷) اب ایک پیچیدہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ سبا کی آیت ۲۸ کی تفسیر میں

ہے کہ "آپ کی رسالت تمام جن و انس کو شامل ہے"۔ تو جب آپ تمام

انسانوں کے ساتھ ساتھ تمام جنات (Jins) کے بھی رسول ہیں تو آپ

بشکل و صورت انسان ہی کیوں تشریف لائے۔ جنات میں سے کیوں

نہیں آئے؟ اس کا آسان اور عام فہم جواب یہ ہے کہ انسانوں کے مقابلہ

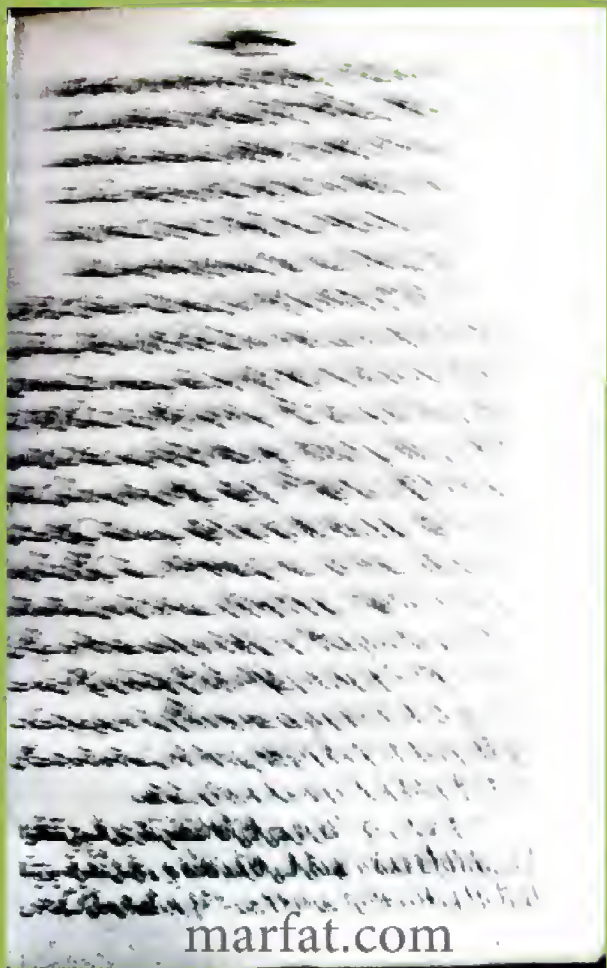
میں جنات بہت ہی طاقت اور تصرف والی مخلوق ہے۔ علاوہ ازیں وہ

ایسی مخلوق ہے جو پوشیدہ رہنے کی وجہ سے عام طور پر نظر نہیں آتی۔ آدمی

ہمیشہ جنات سے خائف اور خوفزدہ رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مکان کا

سوداگر رہا ہو اور اس مکان کی سہولتوں کو مد نظر رکھ کر بازار کی قیمت سے بھی

زیادہ دام دے کر مکان خریدنے کا عزیمت دار اور چمکتا ہو۔ لیکن اگر اسے یہ



marfat.com

نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا، تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے۔" (کنز الایمان)۔ احادیث کریمہ میں کثرت سے ایسی روایات وارد ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قوم جنات کے گروہ درگروہ حاضر ہوتے تھے، آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لاتے تھے اور اسلامی احکام کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ المختصر! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورتِ بشری میں تشریف لائے تو انسانوں اور جناتوں دونوں مخلوق نے فائدہ حاصل کیا۔ اگر حضور اقدس شکلِ جنات تشریف لاتے تو صرف جنات ہی بہرہ مند ہوتے اور انسان فیض سے محروم رہ جاتے۔

◎ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں صورتِ بشری میں دنیا میں تشریف لائے اس گفتگو کا حاصل :-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دنیا کے قیام کے دوران صورتِ بشری اختیار فرما کر لوگوں کو توحید و رسالت دونوں کی سچی معرفت اور صحیح تنہیم کرا دی۔ صورتِ بشری اختیار فرما کر لوگوں کو یاد کرادیا کہ اے لوگو! نہ تو میں فرشتوں میں سے ہوں اور نہ ہی جناتوں میں سے ہوں بلکہ انسانوں میں سے ہوں۔ ظاہری شکل و صورت میں تمہاری طرح انسان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے ایسا تعریف اور اختیار عطا فرمایا ہے کہ انہی کے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر سکتا ہوں، ذوبے ہوئے سورج کو واپس پلٹا سکتا ہوں، اپنی انگلیوں سے پانی کے دریا جاری کر سکتا ہوں، موت کی آغوش میں لیٹے ہوئے مردے کو پھر زندہ کر سکتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ اللہ قادرِ مطلق نے مجھے ایسی قدرت و قوت عطا فرمائی ہے کہ ایسی قدرت و قوت عام انسان میں ہونا محال و ناممکن ہے۔ آدمی ہونے میں تم جیسا ہونے کے باوجود میں ایسے خوارقِ عادت و تصرفات کا حامل ہوں کہ وہاں تک کسی انسان کی رسوائی نہیں۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ میں خدا نہیں ہوں کیونکہ "أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی

”ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔“ انسان ہونے کے لحاظ سے میں خدا ہرگز نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں۔ ایسا بندہ ہوں جسے نبوت و رسالت کے تاج کرامت و معنایت سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ لہذا:-

اے لوگو! ”اَنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کو خوب اچھی طرح یاد رکھ کر مجھے خدا مت کہنا اور ”يُوحَىٰ اِلَيَّ“ کی میری فضیلت و خصوصیت کو فراموش کر کے مجھے اپنے جیسا عاجز بشر بھی مت کہنا۔ میری بشریت تمہاری طرح عام بشریت نہیں بلکہ بے مثل و مثال نوری بشریت ہے کیونکہ ”اَنَّا نُؤْوِ بِمَنْ فُؤِدِ اللّٰهِ“ یعنی ”میں اللہ کے نور سے ایک نور ہوں“ اور اللہ نے میرے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے لہذا ”اَتَسْتَكْبِرُ كَمَا كُنْتُمْ تَكْبِرُ“ یعنی ”میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں“ اور ”اَتَكْفُرُ بِمَلٰٓئِكِ“ یعنی ”تم میں سے کون میری مثل ہے۔“

الحاصل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالق کائنات جل جلالہ کے ایسے معظم و کرم بندے تھے کہ ان جیسا کوئی بندہ نہ کہی ہوا ہے اور نہ کہی ہوگا۔ بقول:-

لیکن رفا نے ختم سخن اس پر کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

(از:- امام عشق و محبت رضا بریلوی)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نوری بشر تھے کہ آپ کے ساتھ کسی بھی بشر کا تقابل نہیں کیا جاسکتا۔ بقول:-

اللہ کی سرتابہ قدم شان ہیں یہ ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے، میری جان ہیں یہ

(از:- امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی)

بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رتبہ و مرتبہ کیا تھا؟ وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بقول:-

”خدا کہتے ہیں نبی، بشر کہتے نہیں نبی۔ خدا پر اس کو چھوڑ ہے، وہی جانے کہ کیا تم ہو“

◎ ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورِ بشر تھے، لہذا آپ کے اور آپ

کے امتیاز کے لیے شریعت کے احکام بھی الگ الگ تھے“

جیسا کہ ہم نے اور اوراق سابقہ میں عرض کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین کیفیتیں تھیں (۱) صورت بشری (۲) صورت حقّی اور (۳) صورت ملکّی۔ ان تینوں کیفیات میں سے دوسری اور تیسری کیفیت یعنی صورت حقّی اور صورت ملکّی کی حقیقت تو درکنار بلکہ آپ کی صورت بشری کو بھی ہم سمجھنے سے عاجز اور قاصر ہیں۔ آپ کی صورت بشری بھی حقیقتاً نورِ بشریت ہونے کی وجہ سے بے مثل و مثال تھی۔ آپ کے جسم اطہر کے خصائص کا مختصر تذکرہ ”حضور اقدس کی تائناک اور درخشاں نورِ بشریت اور صورت بشری کے اعجاز و کمالات“ کے عنوان میں اور اوراق سابقہ میں کیا گیا ہے۔ آپ ایسے بے مثل و مثال ”نورِ بشر“ تھے کہ آپ کے لیے شریعت کے احکام بھی جدا گانہ تھے۔ ان احکام کے فرق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اور امتی بھی مساوی نہیں ہوتے بلکہ نبی کی شان اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہاں تک کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ذیل میں ہم چند ان شرعی احکام کا ذکر کرتے ہیں، جن میں نبی اور امتی کے لیے الگ الگ حکم ہے۔

◎ کلمہ شریف کا فرق :-

تمام مسلمان امتی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس کلمہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ”نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“

لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ“ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ”نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور میں اللہ کا رسول ہوں“ نبی اور امتی کے کلمے میں اتنا عظیم فرق ہے کہ اگر کوئی امتی وہ کلمہ پڑھے، جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ ہے، تو وہ امتی کا فر ہو جائے گا اور اسلام کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔

کہتے ہیں کہ ”لَقَدْ رَسُوْلُ اللّٰهِ“ سے اس نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

◎ ارکان اسلام کا فرق :-

ہر مسلمان امتی کے لیے ارکان اسلام پانچ ہیں۔ (۱) کلمہ (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ اور (۵) حج۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چار ارکان ہیں۔ آپ پر ”زکوٰۃ“ فرض نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ شامی، کتاب الزکوٰۃ ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اس سلسلہ کے کچھ حوالے مستند و معتبر مستند کتابوں سے پیش خدمت ہیں۔

◎ ”شاذلی طریقہ کے شیخ الصوفی، شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ علیہ الرحمہ

نے اپنی کتاب ”التوہید“ میں فرمایا ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان یہ ہے کہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ اور ان کی اپنی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ وہ صرف اس کی شہادت دیتے ہیں جو ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان کے لیے ودیعت فرمائے۔ وہ مختلف اوقات میں وہی خرچ کرتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ خرچ کراتا ہے اور اس کو اس کے محل کے سوا میں خرچ کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ انبیائے کرام پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں پر واجب ہوتی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے طہارت مال حاصل کر کے ان لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے طہارت و پاکیزگی حاصل کر لی ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی عصمت کی وجہ سے ناپاکی سے پاک اور منزہ ہیں۔“

(بحوالہ :- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۱۶)

◎ نماز کی فرضیت کا فرق :-

مسلمان اسی پر (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب اور (۵) عشاء کل پانچ وقت کی نماز فرض ہے، جب کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چھ وقت کی نماز فرض تھی۔ قرآن شریف، پارہ: ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۷۹، "وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ بِحَمْدِ اللَّهِ" اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو، یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے۔" (کنز الایمان) اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز کی فرضیت کا ذکر ہے۔ علاوہ ان میں :-

◎ "امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی (المتوفی ۳۲۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب "معجم اوسط" میں اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی (المتوفی ۵۵۸ھ) نے "معجم کبریٰ" میں ام المؤمنین، حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے سنت ہیں۔ (۱) وتر (۲) سواک اور (۳) نماز تہجد۔"

(حوالہ :- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۴۹۳)

(۲) مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۵۸)

◎ بیٹھ کر امامت نماز فرماتا :-

بہن! ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ فرض نماز میں قیام فرض ہونے کی وجہ سے امام اور مقتدی سب کھڑے ہو کر ہی باجماعت فرض نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر امام صاحب نے بیٹھ کر نماز کی امامت کی تو قیام کا فرض ترک ہونے کی وجہ سے امام و مقتدی کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آیا ہے اور

...
 ...
 ...

...
 ...
 ...

...
 ...
 ...
 ...
 ...
 ...
 ...
 ...
 ...
 ...

(11) ...

...
 ...
 ...

”صوم وصال“ (سلسلہ روزے) رکھا کرتے تھے اور دوسروں کو صوم وصال سے متبع فرمایا کرتے تھے۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۱۳)

ع ”امام بخاری اور امام مسلم نے اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ دو نمازیں ایسی تھیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہر و باطن کسی حال میں ترک نہ فرمایا کرتے تھے، وہ دو رکعتیں قبل نماز فجر اور دو رکعتیں بعد نماز عصر ہیں۔“

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۱۳)

⑥ سو جانے (نیند) سے حضور اقدس کا وضو نہیں ٹوٹتا:-

علم فقہ یعنی شریعت کے قوانین کا مشہور مسئلہ ہے کہ سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سو جانا یعنی غفلت کی نیند (Sleeping) نواقض وضو میں سے ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو سو جانے کے باوجود بھی نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ حالت نیند میں بھی آپ کا قلب اطہر (مبارک دل) بیدار رہتا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ”الْقَلْبُ يَنْهَضُ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ“ یعنی ”آکھ سوئی ہے اور دل بیدار ہوتا ہے۔“ ایک مزید حوالہ پیش ہے:-

⑦ ”امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات میں وضو فرمایا اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے فرخراہٹ (تیز سانس لینے) کی آواز سنی، اس کے بعد مؤذن آیا اور آپ اٹھ کر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔“ ایک اور حدیث سماعت فرمائیں:-

⑧ ”امام محمد بن محبوب و ابی الثؤنی ۲۷۳ھ اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدھے لیٹ کر سو جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگتی تھی۔ پھر آپ اٹھ کر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ اس کی علت یہ ہے کہ آپ کی آنکھیں سوتیں اور آپ کا دل بیدار رہتا تھا۔"

(دونوں روایات بحوالہ: "خصائص کبریٰ"، اردو ترجمہ، جلد ۳، ص: ۵۲۲)

☆ بیک وقت نکاح میں عورتوں کی تعداد کا فرق :-

ایک مسلمان مرد بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتیں اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَفْقَهُوا فَوَاحِدَةً" (پارہ ۳، سورۃ النساء، آیت: ۳) ترجمہ:- "تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں۔ دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پھر اگر ذرا کہ دو بی بیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے، تو ایک ہی کرو۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت سے مسلمان مرد کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتیں اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے، چار سے زیادہ رکھنا حرام ہے۔

لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بیک وقت چار سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں رکھنا مباح تھا۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَعْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ النَّبِيِّاتِ أَجْزَؤُهُنَّ" سے لیکر "خَالِصَةً لَّكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" (پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۰) ترجمہ:- "اے نبی! بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں جن کو تم مبراؤ۔" "اے خاص تمہارے لیے ہے، امت کے لیے نہیں۔" میں صاف وضاحت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے امتی کی طرح بیک وقت چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کی قید نہیں بلکہ چار سے بھی زیادہ ازواج رکھنا آپ کے لیے مباح ہے۔

تفسیر میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ازواج کا نصاب۔"

نوں (Nine) ہے جسے کہ امت کے لیے چار ہے۔" (تفسیر خزائن القرآن ص: ۷۶۶)

☆ صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حضور پر اور حضور کی آل پر حرام ہے:-

ایسا حاجت مند مسلمان کہ جو صاحب نصاب نہ ہو اس کے لیے صدقہ اور زکوٰۃ کا مال کھانا جائز ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر ہر حالت میں حرام ہے۔

○ "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاصائص سے ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ آپ پر،

آپ کی آل پر اور آپ کے غلاموں پر اور آپ کی آل کے غلاموں پر حرام ہے۔"

○ امام مسلم نے مطلب بن ربیعہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:- "بلاشبہ یہ صدقات لوگوں کی کثافت اور شیل ہیں اور یہ صدقات محمد

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لیے حلال نہیں

کیے گئے۔"

○ "ابن سعد نے حسن سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے اہل پر صدقہ حرام کیا ہے۔"

○ "ابن سعد نے عبد الملک بن مغیرہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:- "اے عبد المطلب کی اولاد! بلاشبہ صدقہ لوگوں کا میل

ہے۔ تو تم نہ اسے کھاؤ اور نہ اس پر عامل بنو۔"

(چاروں روایات بحوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۰۱، اور ۵۰۲)

☆ امتی کی بیوہ عورت کا نکاح ثانی:-

امتی کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ عورت عدت کے بعد دوسرے کسی سے نکاح کر سکتی

ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ازواج مطہرات

ذاتی طور پر کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں۔

عام مسلمان امتی کے لیے تو قرآن میں یہ حکم ہے کہ:-

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُدٍ وَعَشْرًا“

(پارہ: ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۳۴)

ترجمہ:- ”اور تم میں جو مرے اور بیویاں چھوڑیں، وہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ
گوروں کے رہیں۔“ (کنز الایمان)

تفسیر:- ”جس کا شوہر مر جائے اس کی عدت چار ماہ، دس روز ہے۔ اس مدت میں
وہ نکاح نہ کرے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۴۸)

یعنی عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد وہ کسی اور سے نکاح ٹائی کر سکتی ہے۔ لیکن:-
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے قرآن مجید میں یہ حکم
نافذ فرمایا گیا ہے کہ ”وَسَاكَانَ لَكُمْ أَنْ تَوَفَّوْا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ
مِنْهُ بِغَيْرِهِ أَبَدًا“ (پارہ: ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۳) ترجمہ:- ”اور تمہیں نہیں ہو چلتا
کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ ان کے بعد کبھی اُن کی بیویوں سے نکاح کرو۔“ (کنز الایمان)
اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ ”کیونکہ جس عورت سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقد
فرمایا، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔“

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۶۸)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن مسلمانوں
کی مائیں (ام المؤمنین) ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ ”النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“ (پارہ: ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت: ۶) ترجمہ:- ”یہ نبی
مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔“
(کنز الایمان)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہے کہ ”نبی مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ
رافت و رحمت اور لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ
سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر مومن کے لیے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ

اولی ہوں اور نبی کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں (Mothers) ہونے سے مراد تعظیم و حرمت میں اور ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہونے میں ہے۔“

(تفسیر غزالی، العرفان، ص: ۷۵۳)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ازواج مطہرات کو نکاح کرنے کی حرمت کی چند وجوہات ہیں۔ مثلاً:-

(۱) عورت جنت میں اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ (حوالہ:- تفسیر نمبی، جلد ۳، ص: ۳۶۱) لہذا ازواج مطہرات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ہمیشہ کے لیے کسی اور سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی اور حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ اگر تم اس بات سے خوش ہو کہ جنت میں بھی تم میری بیوی رہو تو میرے انتقال کے بعد دوسرے سے نکاح نہ کرنا کیونکہ عورت اپنے اس شوہر کے ساتھ جنت میں ہوگی، جو دنیا میں اس کا آخری شوہر ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر حرام کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد وہ کسی اور سے نکاح کریں تاکہ وہ ازواج جنت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف میں باقی رہیں۔“

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۳۱۲)

(۲) ”اس حرمت کی علت میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ”امہات المؤمنین“ ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ماں کے ساتھ کسی بھی اولاد کا، کسی بھی حال میں نکاح جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔“

(۳) ”ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں اور کسی بھی زندہ شخص کی منکوحہ سے کسی اور کا نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی لیے بعض محدثین کرام نے حضور اقدس کے بعد ازواج مطہرات کے نکاح کی حرمت میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ ان ازواج مطہرات پر وفات

کی عدت واجب نہیں ہے۔" (حوالہ: البیضا)

⑤ امشی کی وراثت تقسیم ہوتی ہے جب کہ انبیائے کرام کی نہیں ہوتی:-

مسلمان مرد ہو یا عورت، اس کے انتقال کے بعد اس کا مال اور اس کی جائیداد و ملکیت اس کے ورثاء پر شریعت کے قانون کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔ قرآن شریف، پارہ ۳۰، سورۃ النساء، آیت ۱۲، ۱۱: "يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي ذَلِكُمْ" "وَحِصَّةً مِنَ اللَّهِ" میں تمام ورثاء کے حصص متعین فرمائے گئے ہیں لیکن یہ قوانین حصہ ترکہ و میراث و متاع کے لیے ہیں۔ انبیائے کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین، حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ورثاء پر تقسیم نہیں ہوگا۔

⑥ "امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے امیر المؤمنین، اصدق الصادقین، امام الحسین، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق سے ⑤ امام ابو داؤد نے ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ اور حضرت زبیر بن العوام سے ⑤ امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اصحاب سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "إِنَّ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا تَرِثُ وَلَا تُورَثُ مَا تَرَكَتْهُ صَافَةً" ترجمہ:- "ہم گروہ انبیاء وہ ہیں جو نہ کسی کی میراث لیتے ہیں اور نہ ہماری میراث کوئی لیتا ہے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔"

(حوالہ:- (۱) فتاویٰ رضویہ شریف، جلد ۳، ص: ۳۵)

(۲) مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۳، ص: ۵۶

(۳) ذخائر کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۳۳

(۴) النبی الخا جزم نکرار صلاۃ الجنازہ، از:- امام احمد رضا بریلوی

⑦ "شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "میراث ورثاء و ہم اور یتیم کو آپس میں تقسیم نہ

کریں۔“ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۳۳)

⑤ ”انبیائے عہد کی عدم میراث کا معنی و مدار ان کی حیات ہے۔ خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ابدیہ اور میراث مردوں کی ہوتی ہے۔ نہ کہ زندہوں کی۔“ (مدارج النبیۃ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۶۱)

⑥ ”اور ایک وجہ یہ کہ تمام انبیاء زندہ ہیں اور زندہ کی میراث نہیں ہوتی۔ اسی بناء پر امام الحرمین اس طرف گئے ہیں کہ ان کا مال ان کی ملک پر باقی ہے جو ان کی طرف سے ان کی اہل پر خرچ کیا جائے گا، جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی حیات میں خرچ کیا کرتے تھے کیونکہ آپ زندہ ہیں۔“

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص: ۵۳۳)

☆ حضور اقدس کا بول و براز اور خون پاک اور طاهر ہے۔:-

ہر انسان کا بول (Urine = پیشاب)، براز (Faeces / پاخات) اور دم (خون = Blood) اپنے اور دوسروں کے لیے ناپاکی کا حکم رکھتا ہے۔ ہمارے بدن سے نکلنے والی مذکورہ رطوبتیں نجاست کے حکم میں اور حرام ہیں۔ ان کو کھانا یا پینا حرام ہے۔ بلکہ ایسی نجس ہیں کہ انسان کے جسم سے اس کا خارج ہونا نقص و ضوع یعنی بدن سے ان اشیاء کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ“ (پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۶) ترجمہ:- ”یا تم میں سے کوئی تنہائے حاجت سے آیا۔“ (کنز الایمان)

خون (Blood) ہر جانور اور انسان کا حرام ہے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الدِّمَ“ (پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۷۳) ترجمہ:- ”اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون۔“ (کنز الایمان) لیکن!!!

⑦ ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں شہرہ و خون اقدس اُمتی کے

حق میں پاک بلکہ باعث برکت ہیں کیونکہ آپ کے جسم اقدس سے جو کچھ بھی خارج ہوتا تھا وہ پاک تھا۔“ (دیکھو:- فتاویٰ شامی، باب الانجاس)

⑥ ”امام بیہقی نے بسند حسنین بن علوان، ہشام و عروہ سے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اور دارقطنی نے ”الافراہ“ میں محمد بن سلیمان باہلی کی سند سے ہشام بن عروہ کے واسطے سے حضرت اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے آپ کو بیت الخلاء (Latrine) جاتے دیکھا۔ پھر آپ کے بعد میں گئی تو میں نے خارج ہونے والی چیز کا کوئی نشان نہ دیکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے عائشہ! تم نہیں جانتیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ انبیائے کرام سے جو فضلہ خارج ہو، وہ اسے کھا جائے۔“

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۹)

(۲) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۷۳)

● شیخ محقق، عاشق رسول، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین میں شگاف (Split) پڑ جاتا اور زمین آپ کا بول و براز اپنے اندر سمو لیتی اور اس جگہ ایک خوشبو پھیل جاتی۔

● ایک صحابی سے مروی ہے کہ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک جگہ تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس تشریف لے آئے تو میں اس جگہ گیا جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فراغت فرمائی تھی۔ میں نے اس جگہ بول و براز کا کوئی نشان تک نہ دیکھا۔ البتہ چند ڈھیلے وہاں پڑے ہوئے تھے میں نے اُن ڈھیلوں کو اُٹھالیا تو ان میں سے نہایت لطیف و پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی۔“ (مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۹)

◎ خوش نصیب :-

کتب احادیث میں ایسے کئی واقعات مرقوم ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور اقدسؐ، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول شریف اور خون اقدس پی لیا۔ اس پر حضور اقدس نے انہیں نہ روکا، نہ ناراضگی کا اظہار فرمایا، نہ منہ دھونے کا حکم صادر فرمایا اور نہ ہی آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمایا بلکہ انہیں صحت یابی، تندرستی، بیماری سے محفوظ ہونے کی خوشخبری دی، صرف یہی نہیں بلکہ دخول جنت اور روزخ کی آگ سے نجات کی بشارت دی۔ چند واقعات حدیث پیش خدمت ہیں۔

”حضرت حسن بن سفیان اپنی مستند میں، ابویعلیٰ، حاکم، دارقطنی سے اور ابویعم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ حضرت ام ایمن رات کے وقت کاشانہ اقدس میں خدمت کے لیے رہا کرتی تھیں۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تخت مبارک کے نیچے رات کے وقت ایک پیالہ جیسا برتن رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اگر رات میں حاجت ہو تو اس میں بول شریف فرمادیں۔ ایک رات جب آپ نے اس میں بول مبارک فرمایا اور صبح ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس تخت کے نیچے ایک پیالہ ہے۔ اسے زمین کے سپرد کر دو۔ حضرت ام ایمن نے عرض کی، خدا کی قسم! رات میں مجھے پیاس معلوم ہوئی تو میں نے اسے پی لیا۔ اس پر حضور اقدس نے تبسم فرمایا اور نہ انہیں اپنا منہ دھونے کا حکم فرمایا اور نہ دوبارہ آئینا کرنے سے منع فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ ”اب تمہیں کبھی پیٹ کا درد لاحق نہ ہوگا۔“ (خوش نصیب)

(حوالہ :- (۱) مدارج المنہجۃ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۵۰)

(۲) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۷

(۳) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۵۵۶

”امام اجل علامہ احمد بن محمد خطیب المصری القسطلانی اپنی معرکہ الاراء کتاب

”الْمَوَاقِبُ السَّلَوِيَّةُ عَلَى الشَّائِلِ الْخَمْدِيَّةِ“ میں اور امام طیل کا ضی
ابوالفضل میاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۳۳ھ) اپنی کتاب ”الْشَّيْخَةُ بِتَقْرِيفِ
خُفَّوْقِ الْمُصْطَفَى“ میں روایت فرمایا کہ:-

ایک عورت تھی جس کا نام ”برکہ“ تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ وہ بھی کا شائہ اقدس کی
خدمت گزاری کرتی تھیں۔ انہوں نے بھی ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول
شریف پی لیا تھا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”أَضْحَكْتَ يَا أُمَّ
يُوسُفَ“ یعنی اے اُمّ یوسف (حضرت برکہ کی کنیت اُمّ یوسف تھی) ! تم ہمیشہ کے لیے
تندرست بن گئیں اور کبھی بیمار نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ عورت کبھی بیمار نہ ہوئی۔ بجز صرف اس بیماری
کے جس میں اس نے دنیا سے کوچ کیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کا بول شریف پی لیا تھا۔ تو اس کے جسم
سے ہمیشہ خوشبو مچکتی رہی۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد میں کئی نسلوں تک یہ خوشبو رہی۔“

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۵۰)

(۲) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۱۷۵

(۳) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲: ص ۵۳۹

”جنگ احد کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجروح (زخمی) ہوئے تو طیل
القدر صحابی حضرت ابوسعید خدری کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نے حضور اقدس کے زخموں کو اپنے منہ سے چوس کر زہان سے صاف کیا۔ ان کے منہ
میں خون اقدس جمع ہو گیا لوگوں نے کہا کہ اپنے منہ سے خون باہر نکال دو۔ حضرت
مالک بن سنان نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم! میں حضور اکرم کے مقدس خون کو زہین پر
ہرگز نہیں گرنے دوں گا۔ چنانچہ وہ خون اقدس کو نگل گئے۔ اس پر حضور اقدس صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون شامل ہو جائے اسے آتش
ووزخ نہیں چھو سکتی اور جو شخص خواہش رکھتا ہے کہ وہ کسی جتنی شخص کو دیکھے تو وہ انہیں
یعنی مالک بن سنان کو دیکھے۔“

(حوالہ:- مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۵۰، اور جلد: ۲، ص: ۲۲۲،

خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۵۳۹)

○ "واریقہ نے اپنی سنن میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے لگوائے۔ (قصہ لینا، گردن سے خون نکالنا) اور اپنے مقدس خون کو میرے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تاکہ وہ اس مقدس خون کو ایسی محفوظ جگہ پر ڈال دے جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خون اقدس کو پی گئے۔ حضور اقدس نے میرے بیٹے سے پوچھا تم نے اس خون کا کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے مکروہ جانا کہ میں آپ کے مقدس خون کو کہیں ڈالوں لہذا میں نے اسے پی لیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں جہنم کی آگ نہ چھوئے گی اور اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ لوگوں کا تم سے بھلا ہو اور تم کو لوگوں سے بھلا ہو۔"

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۵۳۸)

(۲) مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۵۰)

نوٹ:- حضرت سیدنا امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چھوٹی بہن کے صاحبزادے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جن کا شمار "عشرہ مبشرہ" میں ہوتا ہے اور جن کا لقب "حواری رسول" ہے، ان کے ساتھ نکاح ہوا تھا۔ اور ان کے صاحبزادے کا نام "عبداللہ بن زبیر" تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک خون پی لینے سے ان میں ایسی قوت، مردانگی، شجاعت اور بہادری پیدا ہوئی تھی کہ انہوں نے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل یزید علیہ کی بیعت کرنے سے انکار فرمادیا اور مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کر لی۔ ان کے صاحبزادے زبیر بن العوام وغیرہ مقام

کے لوگ آ کر جمع ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے عہد امارت میں ظالم حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کر کے دار (سولی) پر کھینچا۔

⑤ ”ابن حبان“ نے الفخفاء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قریشی جوان سے بچے لگوائے۔ جب وہ جوان بچے لگانے کے کام سے فارغ ہوا تو وہ خون افشا کر لے گیا اور اسے پی گیا۔ اس کے بعد جب وہ آیا تو حضور نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا تیرا بھلا ہو تو نے کیا کیا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اسے زمین میں بہانے سے بہتر جگہ رکھ دیا ہے اور وہ میرے پیٹ میں ہے۔ حضور نے فرمایا جا! تو نے اپنے کو جنم کی آگ سے محفوظ کر لیا۔“ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲: ص ۵۳۸)

⑥ ”شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

”یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول اور دم (خون) طیب و طاہر ہے۔ اور اسی قیاس پر آپ کے تمام فضائل شریف کا حکم ہے۔ صحیح بخاری شریف کے شارح، امام بدر الدین محمود عینی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے اور شیخ اجل امام شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی مکی ہاشمی، (المتوفی ۸۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کی طہارت پر بہت زیادہ اور کثرت سے روشن دلائل موجود ہیں۔ اور ہمارے ائمہ کرام اسے حضور اقدس کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں۔“ (مدارج النبوة، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۵۱)

نبی اور امتی کے لیے شریعت کے احکام میں فرق ہونے کے تعلق سے ہم نے کل گیارہ مثالیں پیش کی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید اور احادیث کریمہ کی روشنی میں ایسی مثالیں کثرت سے پیش کی جاسکتی ہیں کہ جن مثالوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل **أَفْضَلُ مِنَ الشَّمْسِ** ظاہر و باہر ہیں اور ان مثالوں سے نبی اور امتی کا فرق واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ جس کی تصدیق کے لیے کوئی صحابی ہی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی بھی امتی، پھر وہ

چاہے کتنا ہی بڑا عابد و زاہد اور عالم و فقیہ ہو، کسی بھی نبی سے ہمسری نہیں کر سکتا۔

دور حاضر کے منافقین اپنی ریاکاری پر مشتمل عبادت اور مکارانہ ریاضت پر اُکڑ کر اور اِترا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اپنی نمازوں کی تعداد رکعت اور دیگر عبادات کے وقت کی مقدار کا تحینہ لگاتے ہیں اور اپنی ریاکارانہ عبادت کی حقّی اور شمار کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلسائے اور متبول بارگاہِ اُمّی عبادت سے تقابل کر کے بڑے غم خویش تجزیہ کر کے یہ فاسد تحلیل اخذ کرتے ہیں کہ "عمل میں امتی بسا اوقات نبی سے مساوی ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ جاتا ہے۔" **تَعَاذَ اللّٰہُ - نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ** لیکن ان کو رمضان اور کور باطن جاہلوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ کوئی بھی امتی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو کیا؟ بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے بھی عمل میں اور عمل کے اجر و ثواب میں ہمسری نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ میں ذیل میں چند احادیث کریمہ پیش خدمت ہیں:-

حدیث:- "ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی اُخد کے پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرے تو ان کے ایک مُد جو (یعنی دو رطل جو Barley) کی برابری نہ کر سکے گا اور نہ ان کے آدمے کی فضیلت کو۔"

حدیث:- "طیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے راہِ خدا میں خرچ کرے اور بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں میں خرچ کرے تا کہ میرے کسی صحابی کے کسی دن کی ایک گھڑی کی فضیلت حاصل کر لے تو وہ کبھی اسے حاصل نہیں کر سکے گا۔"

حدیث:- "حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَ اَصْحَابَہٗ عَلٰی جَمِیْعِ الْعٰلَمِیْنَ یَسُوْی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ** ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین

(علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعد میرے صحابہ کو سارے جہاں والوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔“

(تینوں احادیث کریمہ بحوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۲: ص ۶۶۰
(۲) مدارج المنیۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱: ص ۵۵۲)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”بشر“ کہنے کا اور بشر کہنے والے کے لیے کیا حکم شرع ہے؟

ماضی کے کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ، منافقین اور مرتدین کے نقش قدم پر چل کے دور حاضر کے منافقین بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”بشر“ کہتے ہیں۔ صرف بشری نہیں کہتے بلکہ ۵ ہمارے تمہارے جیسے بشر ۵ عاجز بشر ۵ مجبور بشر وغیرہ کہتے ہیں اور اپنے اس باطل عقیدہ کی بذریعہ کتب نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ سے غلط استدلال کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہہ کر آپ کی نوری بشریت کو عام انسانوں کی بشریت کی طرح کہہ کر آپ کے اختیارات، تصرفات، عظمت، انصافیت، قدرت، وغیرہ کا انکار کر کے توہین و تنقیص بارگاہ رسالت کا جرم عظیم کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے ضمن میں ہم نے قرآن وحدیث کی ہدایت و روشنی میں دلائل تفصیلی بحث و وضاحت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ آپ کی بشریت بے مثل ومثال نوری بشریت تھی۔ منافقین زمانہ ان دلائل سادہ و سہل پر براہین قاطعہ کارو کرنے سے ہمیشہ عاجز اور قاصر رہے ہیں اور انشاء اللہ قیامت عاجز و قاصر رہیں گے۔

☆ منافقین زمانہ کی ایک بے نیکی اور بے شعور دلیل :-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال "نوری بشریت" کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث کی تین اور محکم دلیلوں کے سامنے تسلیم فرم کرنے کے بجائے منافقین زمانہ جذبہ بغض و عناد کے تحت اپنی ثقافت قلمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسی بے نیکی اور بے شعوری دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس کو سن کر یقین کے درجہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ منافقین زمانہ کو عقل و فہم سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

منافقین زمانہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم حضور اکرم کو "بشر" یا بس معنی کہتے ہیں کہ آپ انسان تھے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیا حضور اقدس انسان نہیں تھے؟ آپ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرزند تھے یا نہیں؟ کیا آپ حضرت عبدالطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے (Grand Son) تھے یا نہیں؟ آپ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد تھے یا نہیں؟ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد تھے یا نہیں؟ آپ حضرت عائشہ حضرت خدیجہ وغیرہما ازواج مطہرات کے شوہر تھے یا نہیں؟ ان تمام رشتوں کے ناطے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے۔ اور ہم اسی حقیقت کی بناء پر آپ کو بشر کہتے ہیں۔ آپ کی بشریت کا انکار کرنا حقیقت سے من موڑنے کی مترادف ہے۔

قارئین کرام کی عدالت عالیہ میں استغاثہ ہے کہ ایسے جاہل بلکہ اجہل منافقین علمی و دہانل سے نہیں سمجھتے بلکہ علمی دلائل سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت بھی ان میں نہیں ہوتی۔ ان عقل کے دشمنوں کو لاکھ کوئی کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کے ہم بھی قائل ہیں لیکن پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بشر" کہہ کر مخاطب کرنا جائز نہیں۔ جب وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ واد! جناب واد! حضور کے بشر ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود حضور کو بشر کہنے کی ممانعت کرتے ہو؟ ایسے احمق لوگوں کو جس کی جوئی اسی کا سروالی مثل پر عمل کرتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہی مناسب ہے۔ جو ذیل میں مرقوم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی والدہ محترمہ کے متعلق یہ کہے کہ وہ تو مرے باپ کی بیوی ہے۔ ایسے شخص کے لیے بے ادب اور گستاخ کا لقب ہی موزوں اور مناسب ہے۔ بے شک! اس کی ماں اس کے باپ کی بیوی ہے۔ اس کے باپ کی بیگم ہونے کی وجہ سے ہی وہ اس کی ماں بن سکی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شخص کی ماں بے شک اس کے باپ کی بیوی ہے لیکن ماں جیسی معزز، محترم اور واجب التحظیم شخصیت کو باپ کی بیوی کہنا بے ادبی، گستاخی، بدتمیزی، بد اخلاقی، بد زبانی، بد خصاستی، بد گوئی، بد کلامی، اور بدخلقی ہے۔ اپنی ماں کو والدہ ماجدہ، آئی جان، محترمہ، بی بی، بی بی، بی بی، وغیرہ معزز و مہذب القاب سے مخاطب کرنے کے بجائے باپ کی بیوی، آئی کی جوڑ یا والد کی بیگم کہنے والا شخص سماج اور سوسائٹی کی نظروں میں بے حیابے شرم، بے غیرت، بے ادب، بے ڈھنگا، بے شعور اور بے تمیز کہلائے گا۔ اس بدتمیز اور نالائق پکوت سے کوئی کہے کہ ذرا اپنی والدہ ماجدہ کے تعارف میں چند جملے کہو اور وہ احمق اپنی والدہ کے متعلق یہ کہے کہ:-

- ❖ میری ماں میرے باپ کی بیوی ہے کیونکہ میرے باپ سے نکاح کیا ہے۔
- ❖ میرے چچا کی بھانج ہے کیونکہ میرے چچا کے بھائی کی بیگم ہے۔
- ❖ میرے دادا کی بہو ہے کیونکہ وہ اس کے بیٹے کی جوڑ ہے۔

ایسے نالائق پکوت کو مزید بکواس کرنے سے روکتے ہوئے یہ کہا جائے کہ او، بے ادب! او، گستاخ! یہ کیا بکواس کرتا ہے؟ اور جواب میں وہ یہ کہے کہ جناب! اپنی زبان سنبھال کر بات کرو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ حقیقت! اور صداقت پر مبنی ہے۔ تب اسے کہا جائے گا کہ اپنی حقیقی ماں کا تعارف کرانے اور اس کی تعریف کرنے کے لیے دلے دے کر صرف یہی گستاخانہ جملے ہی تیری ناپاک زبان سے صادر ہوئے؟ کیا یہ کہتے ہوئے تیری زبان کو جھٹکے تھے ہیں کہ:-

- ❖ میری ماں کے قدموں تلے میری جنت ہے۔
- ❖ اس کی رضا مندی میں خدا کی رضا مندی اور اس کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔
- ❖ جس نے مجھے اپنا خون بکھرا دیا ہے اور بڑی مناسبت سے میری پرورش کی ہے۔
- ❖ خود بھوک لاس رہا ہے لیکن مجھے شکر میں کھلا ہوا ہے۔

- میرے ایام طفلی میں رات رات بھر بیدار رہ کر مجھے سہلایا اور سٹلایا ہے۔
- مجھے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تعلیم دی ہے۔
- مجھے نماز کا پابند بنایا ہے۔ نیکی کی راہ اپنانے کی اور بدی کا راستہ ترک کرنے کی ترغیب دی ہے۔
- اخلاقی محاسن اور اعلیٰ تہذیب کے گوہر شاداب سے مجھے مزین فرمایا ہے۔
- جن کی پر خلوص دعاؤں کے شفل میں نے ترقی اور کامیابی کی منزلیں طے کی ہیں۔
- لیکن! وہ احمق اور بد تمیز کپوت۔ یہی رٹ لگاتا رہے کہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے، کیا وہ غلط ہے؟ کیا میرے باپ سے نکاح کرنے کی وجہ سے میری ماں میرے باپ کی بیوی نہیں تھی؟ میرے چچا کی بھانج اور چھوٹے دادا کی بہو نہ تھی؟ جب اسے یہی کہنا مناسب ہوگا کہ تو نے اپنی ماں کا دودھ لگایا ہے۔ تو جیٹا کہلانے کے لائق ہی نہیں۔ ترے جیسا نالبد اور نابکار بیٹا خدا کسی کو بھی نہ دے۔ تیرے جیسی اولاد دے بے اولاد ہونا بہتر ہے۔

اسی طرح!!!

- اُن کوئی شخص بظاہر کلمہ پڑھتا ہوا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو مگر حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ:۔۔ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!
- ”حضور اقدس ہمارے تمہارے جیسے انسان (بشر) اور عاجز بندے ہیں۔“ (تقویۃ الایمان، ص: ۹۹)
- ”جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا متعارف نہیں۔“ (تقویۃ الایمان، ص: ۷۰)
- ”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں۔“ (تقویۃ الایمان، ص: ۴۷)
- ”اچھی بھی عمل میں بسا اوقات بظاہر نبی سے بڑھ سکتا ہے۔“
- (تخذیر الناس، ص: ۵)

○ ”نفس بشریت میں حضور اقدس عام انسانوں کی طرح ہیں اور آپ کو

بھائی کہنا قرآن کے ہر لفظ سے (براہی علیہ السلام)۔

marfat.com

① "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا۔"

(برائین قاعدہ، ص: ۵۵)

② "چالیس (۴۰) سال کی عمر تک آپ ایمان باللہ کی حقیقت سے ناواقف تھے۔" (مختصر سیرت نبویہ، ص: ۲۴)

③ "حضور اقدس جیسا علم فیہ تو بچوں، پانگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے۔"

(حفظ الایمان، ص: ۸)

ایسے گستاخ اور بے ادب منافق کو مزید بکواس کرنے سے روکنے کے لیے یہ کہا جائے کہ اے بے ادب! وہ گستاخ! اپنی زبان کو لگام دے اور بارگاہ رسالت کی توہین و تنقیص سے باز آ۔ اور جواب میں وہ منافق یہ کہے کہ جناب آپ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور مجھ پر گستاخی رسول کا الزام عائد کرنے سے اجتناب کرو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ دلائل و حقائق کے تحت ہی کہا ہے۔ تب اس سے یہی کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تیری گندی اور مفسدہ ہنیت کے جراثیم بطریق گستاخانہ جملے ہی تیری نجس زبان سے کیوں نکلتا ہے؟ کیا یہ کہتے ہوئے تیری زبان میں بول کے کاٹے پیچھے ہیں کہ:

④ "حضور اقدس کی تخلیق اللہ کے نور سے ہوئی ہے۔ اور پوری کائنات حضور کے نور سے وجود میں آئی ہے"

(حوالہ:- (۱) مصنف عبدالرزاق (۲) المواہب از قسطلانی (۳) افضل القرئی از امام ابن حجر مکی (۴) شرح مواہب از امام زرقانی (۵) دلائل النبوة از امام ابوبکر بنیعی (۶) انقیس از علامہ دریا بکری (۷) مطالع المسرات از علامہ فاسی وغیرہ)

⑤ "حضور اقدس نے ایک شخص کی مردہ لڑکی کو اس کی قبر سے زندہ فرما کر اس سے کلام فرمایا:"

(حوالہ:- (۱) دلائل النبوة از سیبسی (۲) المواہب از قسطلانی (۳) مدارج

النبوة از محدث دہلوی)

”حضرت جابر کے دوسرے بیٹوں کو زندہ فرمایا۔“

(حوالہ:- شواہد النبوة، از علامہ نور الدین جانی)

”انگی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔“

(حوالہ:- مدارج النبوة، از شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

”حضور اقدس کو پتھر، درخت، چٹان وغیرہ سلام کرتے تھے۔“

(طبرانی، ابونعیم، بیہقی، بزاز، ترمذی)

”جانوروں نے حضور اقدس کی رسالت کی گواہی دی اور آپ کو تعظیم کا

سجدہ کیا۔“ (حوالہ:- (۱) شواہد النبوة، (۲) مدارج النبوة (۳) الشفاء از

قاضی عیاض اندلسی)

”حضور اقدس کی مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔“

(حوالہ:- (۱) ابونعیم (۲) امام بیہقی (۳) خصائص کبریٰ از امام جلال الدین سیوطی)

”مقام صبا میں حضرت علی کی نماز عصر کے لیے ڈبے ہوئے سورج کو

پلٹا کر طلوع کرایا۔“ (مدارج النبوة، از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

”حضور اقدس کا حکم ہوتے ہی جاباہو درخت اپنی جڑیں اکھاڑ کر خدمت

اقدس میں حاضر ہوا۔“

”ولادت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت ہی بے شمار معجزات ظہور

میں آئے مثلاً ۵ ولادت کے بعد فوراً آپ نے سجدہ فرمایا ۵ سجدہ سے

سراٹھاتے ہی آپ نے بزبان فصیح لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اِنِّیْ وَ سُوْلُ اللّٰہِ

فرمایا ۵ آپ نائب بریدہ اور مختون پیدا ہوئے ۵ ولادت کے وقت

جسم اقدس پر کسی قسم کی آلودگی نہ تھی ۵ ولادت کے وقت نور کی بارش

ہوئی ۵ خانہ کعبہ سجدہ میں بھکا“ وغیرہ۔

(حوالہ:- (۱) شواہد النبوة (۲) خصائص کبریٰ (۳) مدارج النبوة (۴) الاسن والعلی)

”ایام طفلی میں گوارے میں سے جدم انگی بچا شاہ فرما تے تھے اور چاند

- جنگ جاتا۔" (حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ (۲) شواہد النبوة)
- ① "عالم شیر خوار میں گبورے میں کام فرمایا اور فرشتے آپ کا گبورہ (جھولا) جھلاتے تھے۔" (حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ
- ② "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔"
- حوالہ:- (۱) البدایہ از علامہ قسطلانی (۲) شرح مواہب از امام زرقانی (۳) جمع الوسائل از علامہ ملا علی قاری (۴) تفسیر مدارک الشریعہ (۵) معارج النبوة (۶) الشفا (۷) نسیم الریاض (۸) افضل القری (۹) مکتوبات امام ربانی (۱۰) خصائص کبریٰ (۱۱) مدارج النبوة
- ③ "آپ کا نورانی چہرہ آفتاب و مانتاب سے بھی زیادہ چمکتا تھا اور آپ حسن و جمال میں بے مثال تھے۔"
- حوالہ:- (۱) سبیل الہدی (۲) الدامی (۳) مدارج النبوة (۴) خصائص کبریٰ
- ④ "آپ کے مقدس پسینے کی خوشبو مشک و عنبر سے بھی بہتر و عمدہ تھی۔"
- حوالہ:- (۱) مجمع صفیر از طبرانی (۲) مدارج النبوة (۳) خصائص کبریٰ
- ⑤ "آپ کے مقدس کانوں کی قوت سماعت کا یہ عالم تھا کہ آپ آسمان کی چرچاہٹ اور لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز بھی سماعت فرماتے تھے۔" (حوالہ:- (۱) ترمذی (۲) ابن ماجہ (۳) ابونعیم)
- ⑥ "جس کھاری اور کڑوے کنویں میں آپ کا لعاب دہن شریف پڑ جاتا، اس کنویں کا پانی تمام کتوؤں کے پانی سے ٹنٹھا ہو جاتا اور کنویں کے پانی میں مشک کی خوشبو آئے لگتی۔"
- (حوالہ:- (۱) شواہد النبوة (۲) مدارج النبوة (۳) خصائص کبریٰ)
- ⑦ "لعاب دہن کی ہرکت سے مریض فوراً شفا یاب ہوتے تھے اور ان کا مرض دائمی طور پر ختم ہو جاتا۔"
- (حوالہ:- (۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) شواہد النبوة وغیرہ)

”آپ کی مقدس آنکھوں کا یہ اعجاز و تصرف تھا کہ دور دراز کے فاصلے پر ہونے والے واقعات و حوادث کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سے زمین کے تمام عجایب بنا دیے تھے اور کوئی بھی چیز آپ سے پوشیدہ نہ تھی۔“

حوالہ:- (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) بیہقی (۴) ابونعیم)

”آپ جس طرح آگے دیکھ سکتے تھے اسی طرح پیچھے بھی دیکھ سکتے تھے اور رات کی تاریکی میں بھی دن کی روشنی کی طرح دیکھ سکتے تھے۔“

حوالہ:- (۱) ابن عدی (۲) بیہقی (۳) بخاری (۴) مسلم (۵) ابن عساکر (۶) ابونعیم)

”آپ کے جسم اقدس پر کبھی بھی مکھی نہیں بیٹھی اور آپ کے کپڑوں میں کبھی بھی مٹی نہیں پڑی۔“

”آپ طبعی طور پر جمای سے پاک اور منزہ تھے۔“ (حوالہ:- انصاف کبریٰ)

”دست اقدس کے اعجاز اور تصرفات کے واقعات اتنی بیشتر تعداد میں ہیں کہ جن کا بالتفصیل تذکرہ ممکن نہیں مثلاً ۵ ہاتھ مبارک میں پر کیف خندک اور زالی مہک تھی۔ ۵ جس کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے اس کا جسم بڑھاپے میں بھی جوان کی طرح تروتازہ رہتا۔ ۵ جس کے سر پر دست پاک پھیر دیتے اتنے حصے کے بال ایک سو سال کی عمر ہونے کے باوجود بھی سیاہ رہتے۔ ۵ جس کے چہرے پر دست اقدس پھیر دیتے اس کا چہرہ ہمیشہ چمکتا اور دھلکا رہتا۔ ۵ کسی گنجلے کے سر پر ہاتھ شریف پھیر دیتے تو سر میں بال اُگ نکلتے۔ ۵ کسی آسیب زدہ یا دیوانے کے سر پر دست پاک پھیر دیتے تو فوراً ٹھیک ہو جاتا۔ ۵ نونا ہوا پاؤں دست اقدس کا شمس ہوتے ہی فوراً اس کی منی پختہ جاتی۔ ۵ زخم کھلنے کی وجہ

سے رخسار پر لگی ہوئی آنکھ دستِ بابرکت نکلے ہی فوراً صحیح ہو جاتی۔ وغیرہ
حوالہ:- (۱) الشفاء از حاجی عیاض (۲) العول از عرفی (۳) الخصائص از

ابن کثیر (۴) بخاری شریف (۵) مدارج النبوة (۶) خصائص کبریٰ

⑤ "حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبی اور رسول نے
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی تمنا اور آرزو
فرمائی۔" (مدارج النبوة)

⑥ "حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے عظیم الشان نبی اور رسول
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی بن کر دوبارہ دنیا میں تشریف
لائیں گے اور حضور اقدس کی شریعت پر عمل کریں گے۔" (خصائص کبریٰ)

⑦ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج میں بلایا اور اپنے دیدار اور ہم کھائی سے
مشرف فرمایا۔" (حوالہ:- (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) خصائص کبریٰ
(۴) مدارج النبوة)

⑧ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی
اپنی مقدس قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں اور اپنے امتی کے حال سے
باخبر ہیں۔"

(حوالہ:- (۱) انباء الزکیاء فی حیات الانبیاء، از:- علامہ جلال الدین سیوطی)

ایسے توبہ شامہ تجزات و تصرفات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار من القفس ہیں۔
لیکن اگر کوئی گستاخ منافقین ان اعجاز و کمالات کو بیان کرنے کے بجائے حضور اقدس کو معاذ اللہ
اپنے جیسا بشر، عاجز بندہ، مرکبِ مٹی میں مل گئے وغیرہ کہے اور چوری اوپر سے سینہ زوری کرتے
ہوئے ایسا کہے کہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ کیا غلط ہے؟ کیا قرآن مجید کی آیت میں قُلْ
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا ارشاد نہیں؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانی شکل میں پیدا
نہیں ہوئے؟ کیا آپ اللہ کے بندے نہیں تھے؟ کیا آپ نے انتقال نہیں فرمایا؟ تب اسے
یہی کہنا مناسب ہوگا کہ تَوَلَّاهُ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا کلمہ پڑھنے کے باوجود

دائرہ ایمان سے نکل گیا ہے۔ تیری کلمہ گوئی اور اقرار دین اسلام ان منافقوں کی طرح ہے۔ جو جن کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ" (پارہ ۱: سورۃ البقرہ، آیت ۸) ترجمہ:- "اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔" (کنز الایمان، ج ۱، ص ۱۱) تو جن کی نیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے! تیری اس گستاخانہ بولی کے سبب تو ہرگز مؤمن نہیں بلکہ منافق ہے۔

◎ حضور اقدس کو بشر کہنے کے متعلق شرعی حکم:-

پورے قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "مِثْلُهَا الْبَشَرُ" کہہ کر مخاطب فرمایا ہو۔ یا ایسا ارشاد فرمایا ہو کہ "أَنْتَ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "آپ ان لوگوں جیسے بشر ہیں۔" بلکہ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا ارشاد فرمایا ہے اور اس ارشاد گرامی کے ذریعے اپنے محبوب اعظم و اکرم کی زبان حق ترجمان سے یہ کہلایا ہے کہ "اے محبوب! تم فرماؤ کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔" اس ارشاد گرامی میں کیا حکمت ہے؟ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے ہم نے اوراق سابقہ میں اس آیت مقدس کی مفصل تفسیر اور وضاحت قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی ہے۔ جس کا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف انتہائی عرض کرتا ہے کہ دورِ حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی غرض سے "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت سے غلط استدلال کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔

◎ "زمانہ ماضی کے گستاخ رسول بھی تو ہیں و تنقیض رسالت کی غرض سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

وَلِذَا جَاءَكَ خُنُوًا وَمِنْ أَهْلِ مَدْيَنَ تَبَتَّلَ إِلَهُ دِيَارِهِمُ لَمَّا بَدَأُوا يُحَادِّثُوكَ فَقُلْ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَسَوَاءٌ أَعْبَدُكُمْ أَمْ لَا فَأُوْصِيْكُمْ أَنْ تُقِيْلُوا عَنْكُمْ وَأَنِ يَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ أَنْ يُقِيْلُوا عَنْكُمْ يَوْمَ الْفِتْنَةِ يَحْنُ عَلَيْكُمْ فَأَعِزِّ لَكُمْ نَسَبَكُمْ وَاتَّقِ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

maarifat.com

(پارہ ۲۸: سورۃ المجادلہ آیت: ۸)

ترجمہ:- ”اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، تو ان لفظوں سے تمہیں بھرا کر دے

ہیں، جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔“ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں زمانہ اقدس کے دشمنان رسول اور گستاخان رسول کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ وضاحت فرمائی گئی ہے کہ بارگاہ رسالت کے گستاخ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جو الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز میں نہیں فرمائے۔ یعنی جو الفاظ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز یعنی عزت، رتبہ اور مرتبے کے لیے نامناسب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائے، ان الفاظوں کو گستاخ رسول حضور اقدس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کہیں بھی نہیں فرمایا کہ میرا محبوب تمہارے جیسا بشر ہے یا میرا محبوب اعظم تمہاری طرح عاجز بندہ ہے۔ لیکن دور حاضر کے منافقین ان الفاظ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بشری ہوئی بولنے والے دور حاضر کے منافقین سے جب کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتا ہے ادبی اور گستاخی ہے۔ تب وہ قرآن مجید کی سورۃ الکہف اور سورۃ حم مجیدہ کی آیت مقدسہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بطور دلیل وثبوت پیش کرتے ہیں اور اپنا منہ میزھا کر کے کہتے ہیں کہ تمہاری دانش پر تعجب ہے۔ کیسی عجیب بات کہتے ہو۔ جب حضور کو قرآن میں ”بشر“ کہا گیا ہے اور قرآن سے استدلال کر کے ہم نے بھی حضور کو بشر کہہ دیا تو اس میں تم کیوں اس قدر پریشان ہوتے ہو۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ”میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔“

ان جاہلوں کو کیا معلوم کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تو اشع و انکساری کے طور پر ارشاد فرمائے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں صاف لکھا ہے کہ:-

”تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ کہ اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تو اشع کے لیے حکم فرمایا گیا ہے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۵۴۹)

”سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ ظاہری ”اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے یہ طریق تو اشع ہے اور جو کلمات تو اشع کے لیے کہے جائیں وہ تو اشع کرنے والے کے غلو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا برابری و محو ہونا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے۔ تو کسی ایسی کو رو نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۸۵۸)

”کسی کو بھی جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مثل بشر ہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت و عظمت یہ طریق تو اشع فرماتے ہیں۔ ان کا کہنا دوسروں کے لیے روا نہیں ہوتا۔ وہ یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کبر و صبر (بہ چھوٹ، بڑا) میں پایا جائے، یہ درپردہ ان کمالات کے نہ ماننے کا منہر (خارج کرنا) ہے۔ سو یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مثل کہتے تھے اور اس سے کمرانی میں مبتلا ہوئے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۵۴۹)

قرآن مجید کی تفسیر سے اخذ مندرج بالا تین عباسیہ کا خلاصہ ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "اَنَا بَشَرٌ يَتَلَكَّمُ" ازا راہ تو وضع و انکساری فرمایا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ طریق تو وضع و انکساری جو جملہ اپنے لیے ارشاد فرمایا ہے، اس جملے کا حضور کے لیے استعمال کرنا کسی اتنی کور و انہیں۔ ایک مثال پیش خدمت ہے:-

۱۰ کسی اسلامی یونیورسٹی کے صدر المدینین جو اپنے وقت کے جدید عالم اور محدث ہوں۔ ہزاروں طلباء نے ان کے سامنے زانوئے ادب طے کیے ہوں اور اپنی علمی پیاس بجھائی ہو اور وہ عالم صاحب "استاد العلماء" کے منصب پر فائز ہوں، وہ اگر ازا راہ تو وضع و انکساری یہ فرمائیں کہ میں تو طلباء کا خادم ہوں۔ تو ان کے اس جملہ کو دلیل بنا کر ان کا کوئی شاگرد اگر یہ کہے کہ اس یونیورسٹی کے صدر المدینین تو میرے خادم ہیں۔ تو ایسے یہ توقف اور حقیقی شاگرد کے لیے بھی کہا جائے گا کہ اس کا دامغ مغز سے خالی ہے۔ صدر المدینین صاحب نے بے شک اور ضرور اپنے متعلق یہ فرمایا ہے کہ میں طالب علموں کا خادم ہوں لیکن ان کے اس متواضع جملے کو دلیل بنا کر کسی طالب علم کو روٹھیں کہ وہ معزز و معظم صدر المدینین کو اپنا خادم کہے۔ اگر کسی طالب علم نے اپنے استاد محترم کو اپنا خادم کہا تو وہ بے ادب اور گستاخ کہلائے گا۔"

اس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ طریق تو وضع و انکساری اپنے کو "اَنَا بَشَرٌ يَتَلَكَّمُ" فرمایا ہے، اس کو دلیل بنا کر کسی اتنی کور و انہیں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ اور سید الانبیاء والمرسلین، رحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہے۔ اگر کسی اتنی نے اپنے رسول معظم اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا تو وہ اتنی بے ادب اور گستاخ کہلائے گا اور بارگاہ رسالت کا گستاخ و بے ادب دائرۃ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ:-

④ "قَدَوْنِي عَالِمِيْرِيْ مِيْنَ هِيْ هَا كِيْ جَسْ مَخْشِيْ نِيْ تُوْجِيْنِ كِيْ نِيْتِ سِيْ حَضُوْرِ اَنْدَسْ مَسْلٰى اَللّٰهُ تَعَالٰى عَلِيْهِ وَسَلْمٌ كُوْ "هٰذَا السَّوْجَلُ" - یعنی "یہ شخص" کہا، وہ کافر ہے۔"

⑤ "قَدَوْنِيْ عَالِمِيْرِيْ مِيْنَ هِيْ هَا كِيْ جَسْ مَخْشِيْ نِيْ تُوْجِيْنِ كِيْ نِيْتِ سِيْ حَضُوْرِ اَنْدَسْ مَسْلٰى اَللّٰهُ تَعَالٰى عَلِيْهِ وَسَلْمٌ كُوْ بَشَرٌ، بَعَالٰى، آدَمٰى اَوْرِ اَنْسَانٌ كِهِيْ كُوْ بَا رَا حَرَامْ هِيْ۔ اِكْر تُوْجِيْنِ كِيْ نِيْتِ هِيْ تُوْ كَنْفَر"

ہے۔“ (بخاری: - جاء الحق، از: - حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی)
 الی اصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا کسی بھی انتہی کو روا نہیں۔
 انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار، مشرکین اور منافقین کا طریقہ ہے۔
 کسی مومن کا طریقہ نہیں۔

⑤ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو اپنے جیسا بشر کہنے والے بے ادب اور
 گستاخ گروہ کو تازیانہ زدوں کرتے ہوئے حضرت مولانا ربیع الہی
 ”مثنوی“ میں فرماتے ہیں کہ:-

ہم سری یا انبیاء پر و ہشتہ ÷ اولیاء و اہم چوں خود پنداشتہ
 گفتہ امں کہ ما بشر ایشان بشر ÷ ما و ایشان بسے خوانیم و خور
 ترجمہ:- ”ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو انبیائے کرام کے ساتھ ہم سری کا دعویٰ
 کرتے ہیں اور اولیائے عظام کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ اپنے اس باطل
 دعوے کی توثیق میں وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ یعنی انبیاء و اولیاء بشر ہیں اور
 ہم بھی بشر ہیں۔ کھانا کھانے اور سونے کے معاملہ میں وہ اور ہم مساوی
 ہیں۔“

..... خوب یاد رکھو کہ.....

⑥ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ”بشر“ کہنے کا طریقہ شیطان کا طریقہ
 ہے۔ سب سے پہلے ابلیس لعین نے ہی اللہ تعالیٰ کے نبی کو بشر کہا تھا۔ اور
 شیطان کے نقش قدم پر چل کر کافروں، مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں،
 مرتدوں اور منافقوں نے انبیائے کرام کو ”بشر“ کہا۔ ہر نبی کے زمانے
 کے منکروں نے اپنے نبی کو ”بشر“ کہہ کر اپنے نبی کی عظمت اور اہمیت
 گھٹانے کی رذیل کوشش کی ہے۔

⑦ دوہرہ حاضر کے منافقین بھی ماضی کے کفار و منافقین کے نقش قدم پر چل کر

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۵۰ اپنے جیسا بشر ۵۰ عاجز بندہ
و غیر و کبر کر بارگاہ رسالت میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کا جرم عظیم
کرتے ہیں۔

لیکن.....

۵۰ کسی بھی نبی کے کسی بھی مومن امتی نے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر"
نہیں کہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر نہیں کہتے تھے کیونکہ وہ حضرات صحیح معنی میں
مومن اور سچے مسلمان تھے۔

۵۰ لہذا! جو صحیح معنی میں مومن و مسلمان ہیں وہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل
کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر یا عاجز بندہ نہیں
کہتے بلکہ "نوری بشر" اور کائنات کے مالک و مختار کہتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ.....

۵۰ حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار، مشرکین اور منافقین کا طریقہ ہے۔
۵۰ حضور اقدس کو بے مثل و مثال نوری بشر کہنا صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”اپنے جیسا
بشر“ کہنے والے دورِ حاضر کے منافقین اپنے پیشوا
اور مولوی کو کیا کہتے ہیں؟

قرآن مجید کی آیت کریمہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے غلط استدلال کر کے حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”اپنے جیسا بشر“ کہنے والے دورِ حاضر کے منافقین اپنے پیشوا اور
مولوی کو کیا کہتے ہیں؟ آپ کو حیرت ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر
کہنے والے منافقین جب اپنے پیشوا کا معاملہ درمیش ہوتا ہے تب اندھی عقیدت و شخصیت پرستی
کے جذبہ فاسد کے تحت ”انسانیت سے بالا درجہ والا“ اور ”فرشتہ مقرب“ کہتے ہوئے فخر
محبس کرتے ہیں اور اندھا گائے، بہرا بجا گئے، والی مثل پر عمل کرتے ہوئے اپنی اندھی
عقیدت کی تشہیر و اشاعت بھی کرتے ہیں۔

مولوی قاسم نانوتوی کو انسانیت سے بالا درجہ اور فرشتہ مقرب کہا:۔

جن کو وہابی تبلیغی جماعت کے متبعین بڑے ادب و فخر سے ”قاسم العلوم
والخبرات“ کہتے ہیں وہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی
کے متعلق دورِ حاضر کے منافقین کا نظریہ عقیدت دیوبندی سکتہ منکر کی دو

مستند کتابوں کے حوالے سے پیش خدمت ہے:-

”مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدر آبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے، احقر سے فرمایا جب کہ احقر حیدر آباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں بچپن (۲۵) برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ انسان کا (مولانا نانوتوی کا) دیکھا ہے۔ وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا، جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔“

حوالہ:- (۱) حکایت اولیاء (ارواحِ مُلٰہ) از:- مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، ناشر:- کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، حکایت نمبر: ۲۳۲، ص: ۲۵۹ (۲) سوانح قاضی، از:- مولوی مناظر حسن گیلانی، ناشر:- دارالعلوم دیوبند (یو۔ پی) جلد ۱: ص: ۱۳۰

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اس عبارت کے ضمن میں مندرجہ ذیل نکات پر توجہ فرمائیں:-

(۱) مولوی رفیع الدین صاحب وہابی دیوبندی جماعت کے اکابر میں سے تھے۔ نیز طویل عرصہ تک وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہ چکے ہیں اور مولوی قاسم نانوتوی کے خاص مستند اور مہاسب تھے۔

(۲) انہیں مولوی رفیع الدین صاحب کا واقعہ ان کے مرید خاص مولوی نظام الدین حیدر آبادی نے بمقام حیدر آباد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے بیان کیا ہے اور مولوی نظام الدین صاحب حیدر آبادی کے لیے تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ ”صالحین میں سے تھے“ یعنی مولوی نظام الدین صاحب طبعیت کے ہونے کی وجہ سے ان کا بیان کہ واقعہ حیدر آبادی کا ہے اور قاضی مناظر حسن گیلانی اس واقعہ کو مولوی اشرف

علی صاحب تھانوی نے "حکایات الاولیاء" (پرائی نام "ارواحِ ثلاثہ") کتاب میں بیان کیا ہے۔ اور تھانوی صاحب کے حوالے سے مولوی قاسم نانوتوی کے سوانح نگار مولوی مناظر حسن گیلانی نے "سوانح قاسمی" میں نقل کیا ہے۔

(۳) مولوی اشرف علی صاحب تھانوی روایت کرتے ہیں کہ مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ "میں بچپن میں حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔" واہ! کیا عقیدت و تعظیم و ادب ہے؟ مولوی رفیع الدین صاحب کسی عام انسان (بشر) کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے تھے بلکہ مولوی قاسم نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مولوی قاسم نانوتوی کی خدمت میں بغیر وضو یعنی حالتِ حدث (بہیشتِ محدث) حاضر ہوتا ہے ادب کی ہے۔ ایک دو مرتبہ کا اتفاق نہیں بلکہ پورے پچیس (۲۵) سال تک باضابطہ اور نہایت پابندی سے با وضو نانوتوی صاحب کے پاس جاتے رہے اور بقول "کبھی بھی بلا وضو نہیں گیا" جس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی رفیع الدین صاحب پچیس سال یعنی تین سو مہینے یعنی تقریباً نو ہزار دنوں میں ایک مرتبہ بھی نانوتوی صاحب کی خدمت میں "بے وضو" نہیں گئے بلکہ جب بھی گئے، تب "با وضو" ہی گئے۔ کیا مولوی رفیع الدین کے لیے نانوتوی صاحب "نماز" تھے؟ یا ان کے پاس جانا نماز کا حکم رکھتا تھا؟ آخر وجہ کیا تھی؟

(۴) وجہ یہی تھی کہ بقول مولوی رفیع الدین صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند "میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا (مولانا نانوتوی کا) دیکھا ہے۔" یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا درجہ، مرتبہ درجہ انسانیت سے بالا یعنی اونچا و بلند ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف میں کس قدر غلو اور مبالغہ کیا جا رہا ہے اور کیسے خطرناک انداز میں مولوی قاسم نانوتوی کی شانِ عظمت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ عبارت کے جملے کی طرف پھر ایک مرتبہ توجہ فرمائیں۔ "میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے" کا جملہ کیا کہہ رہا ہے؟

لغت میں انسانیت کا معنی "بشریت" ہے۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۰) یعنی مطلب یہ ہوا کہ مولوی قاسم نانوتوی کا مرتبہ انسانیت یعنی بشریت سے بلند ہے۔ یعنی جتنے بھی انسان گزر چکے، موجود ہیں اور بعد میں آئیں گے وہ تمام انسان "بشریت" کے حامل ہیں لیکن مولوی قاسم نانوتوی صاحب تو بشریت سے بھی بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی روایت کردہ مذکورہ عبارت میں مطلق انسانیت کا لفظ وارد ہے اور مطلق انسانیت میں تمام انسان آ گئے۔ اور تمام انسانوں میں تمام انبیاء کرام اور مرسلین عظام اور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آ گئے۔ اس عبارت میں مطلق انسانیت کا لفظ بغیر کسی قید اور استثناء کے کہا گیا ہے۔ یعنی لفظ انسانیت تمام انسانوں کو محیط یعنی گھیرے ہوئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات کے تمام انسان بھر چا ہے وہ انبیاء اور مرسلین ہوں۔ تمام کی انسانیت یعنی بشریت سے دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کی بشریت اونچی اور بلند ہے۔

(۵) عبارت کے آخر میں تو غلو و مبالغہ کی آخری منزل سے بھی تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہا گیا ہے کہ "وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔" یعنی دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی حقیقت میں ایک فرشتہ تھے اور دنیا میں انسانی شکل و صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس عبارت میں نانوتوی صاحب کو صرف فرشتہ نہیں بلکہ "فرشتہ مقرب" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی قاسم نانوتوی عام فرشتوں کی طرح ایک عام فرشتہ نہ تھے بلکہ حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل اور دیگر حاملان عرش و کرسی فرشتگان خاص کی طرح "مقرب فرشتہ" تھے۔ قارئین کرام فوراً فرمائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر کہنے والے منافقین زمانہ اپنے پیشوا اور ملا کی تعریف میں کس درجہ غلو اور مبالغہ کر رہے ہیں۔ اپنے پیشوا کو بشریت سے اعلیٰ درجہ کا اور مقرب فرشتہ کہہ رہے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اپنے پیشوا کے مطلق یہ

جملہ لکھ دیا کہ ”جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا“ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی قاسم نانوتوی انسان نہیں تھے بلکہ انسانیت سے بالا درجے کی ہستی تھے لیکن وہ انسانوں میں ظاہر کیے گئے تھے۔ واو! کیا کہنا! جب نبی اکرم، رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ ہوتا ہے تو دور حاضر کے منافقین ”بنارے تمہارے جیسے بڑے“ کی سی رائی الاپتے ہیں اور جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تب ”اندھا بنائے ریوڑیاں، ہر پھر کے اپنوں سی کو دے“ والی مثل کے مصداق ہوتے ہوئے اپنے پیشوا کو ”انسانیت سے بالا درجہ“ اور ”فرشیہ مقرب“ کہہ دیتے ہیں بلکہ الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہوئے بھی کسی قسم کی جھجک اور کھٹک محسوس نہیں کرتے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:-

◎ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبر حسین احمد نانڈوی کے متعلق لکھا کہ رب العالمین اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر گلی کو چوں میں چلتا پھرتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی حسین احمد نانڈوی کہ جن کو بانی تبلیغی جماعت کے تبعین ”مولانا دینی“ اور ”شیخ الاسلام“ کے نام سے ملقب کرتے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے دیوبندی مکتبہ فکر کے معتقین اور شعراء نے کافی تعداد میں مضامین، کتب اور مرثی ارقام و طبع کیے۔ دہلی سے شائع ہونے والے ”الجمیعۃ“ روزنامہ نے بھی نانڈوی صاحب کے حالات زندگی اور مناقب پر مشتمل ”شیخ الاسلام نمبر“ شائع کیا۔ اس خاص نمبر میں مختلف نامہ نگار، سوانح نگار اور مضمون نگار نے اپنی عقیدت و اہمیت نسبت کا اظہار کیا تھا۔ مثلاً:-

◎ ”الجمیعۃ“ روزنامہ (دہلی) کا ”شیخ الاسلام نمبر“ مورخہ ۲۵ رجب

المرجب ۱۳۷۵ھ سنچم مطابق ۱۵ فروری ۱۹۵۵ء کے صفحہ نمبر ۵۹ پر

وہابی جماعت کی ایک نامور شخصیت مولوی عبدالرزاق طبع آبادی کا مضمون شائع ہوا ہے۔

مولوی عبدالرزاق طبع آبادی دارالعلوم دیوبند کے صدر المدد حسین آنجنابی مولوی حسین احمد نانڈوی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”تم نے کبھی خدا کو بھی اپنی گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس عرشِ عظمت و جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم بھی تصور بھی کر سکتے کہ رب العالمین اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا؟ تم سے ہم کلام ہوگا؟ تمہاری خدمتیں کرے گا؟

نہیں، ہرگز نہیں، ایسا نہ بھی ہوا ہے، نہ بھی ہوگا۔

تو پھر کیا میں دیوان ہوں؟ مجذوب ہوں؟ کہ نہ بانک رہا ہوں؟ نہیں بھائیو! یہ بات نہیں ہے۔ بڑی ہوں نہ سوداگی۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ ہے، حق ہے۔ مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔ محبت کا معاملہ ہے اور محبت میں اشاروں، کنایوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ محبت ہے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔ کچھ بند بند، دھکی دھکی، چھپی چھپی باتیں ہی محبت کو راہیں آتی ہیں۔“

یہاں تک حقیقت و مجاز کا فرق، سمجھ کا فرق، محبت کا معاملہ، بے پردہ سچائی اور محبت کو راہیں آنے والی باتوں کی تمثیل باندھنے کے بعد مولوی عبدالرزاق طبع آبادی آگے لکھتے ہیں کہ:-

”تو پھر خدا را بتاؤ، جن آنکھوں نے نرزی گاڑھے میں مخلوق اس بندے کو دیکھا ہے، وہ کیوں نہ کہیں کہ ہم نے خود اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اپنی اسی سرزمین پر دیکھا ہے۔“

(حوالہ:- الحیثیت، دہلی کا ”شیخ الاسلام نمبر ۱۱: ص ۵۹)

مندرجہ بالا عبارت پر کچھ بھی گفتگو کرنے سے پہلے مذکورہ عبارت کے کچھ الفاظ کے معنی

لغت سے دیکھ لیں تاکہ قارئین کرام میں سے اردو سے کم واقفیت رکھنے والے حضرات کو ”الجمیعت“ کے شیخ الاسلام نمبر“ کی مذکورہ عبارت اچھی طرح سمجھنے میں آسانی ہو۔

○ خَلَّ لَفْتَ :-

- فروشی = عاجزی، تواضع، غریبی، مسکینی (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۹۳۱)
- مجذوب = خدا کی محبت میں غرق، بے ہوش، مست، بے خود، آپے سے باہر، صاحب جذب، دیوانہ، پاگل، سڑی، سودائی۔ (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۲۰۵)
- یز بانگنا = بڑا مارتا، مجذوبان باتیں کرتا۔ (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۹۹)
- سڑی = پاگل، سودائی، دیوانہ، احمق، بیوقوف (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۷۹۸)
- سودائی = دیوانہ، پاگل، خبطی، جنونی، احمق (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۸۱۹)
- کناہیہ = ایماء، اشارہ، مجہم بات، (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۳)
- گزری = مونا سولی کپڑا (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۸)
- گاڑھا = مونا، دبیز، ایک قسم کا مونا کپڑا، کھڈر (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۷)
- ملفوظ = لپٹا ہوا، الفاظ میں بند، سر بند، بند (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۲۸۳)
- اس آتا = موافق آتا، ٹھیک ہوتا۔ (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۶۹۷)

خل لغت کے کالم میں مرقوم الفاظ کے معنی و مطلب معلوم کر لینے کے بعد پھر ایک مرتبہ ”شیخ الاسلام نمبر“ کی مندرجہ بالا پیش کردہ عبارت کا یہ نظر عمیق مطالعہ کرنے کی ہم مودبان گزارش اپنے معزز قارئین کرام سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام نمبر کی مذکورہ عبارت کتنی خطرناک اور توحید گش ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تبصرے سے آجائے گا۔

- (۱) مولوی عبدالرزاق طبع آبادی دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک ذمہ دار اور مشہور مصنف ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی کتاب ”آزادی کی کہانی خود آزادی کی زبانی“ نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔ مولوی طبع آبادی صاحب اپنے چشمہ مولوی حسین احمد صاحب مدظلہ کی مجلس تلمیذی اندھی محبت میں ایسے

بیکے اور پھیلے کہ ان کا توحید کا خود ساختہ دعویٰ کا فور ہو گیا۔

(۲) عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جناب طبع آبادی صاحب ایک نامکن اور محال بات کا شروع میں ذکر کرتے ہیں کہ کیا تم نے خدا کو اپنی گلیوں میں چلتے پھرتے یا لوگوں سے تواضع و انکساری سے گفتگو اور خدمت کرتے دیکھا ہے؟ کیا ایسا کبھی ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی کبر پائی پر پردہ ڈال کر تمہارے مکانوں میں آ کر سکونت اختیار کرے؟ ان تمام نامکن باتوں کو جملہ استغہامیہ کے طور پر ارقام کر کے سوال پوچھا ہے اور پھر اپنے ہی قائم کردہ سوالوں کا خود ہی جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا۔“

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ گلی کو چوں میں چلے پھرے، انسانوں کے درمیان آ کر رہے اور بے، ہمارے گھروں میں سکونت پذیر ہو، ہم سے ہم کلام ہو اور ہماری خدمتیں کرے۔ یہ تمام امور نامکن اور محال ہیں۔ ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان امور کا کوئی امکان ہی نہیں۔

(۳) اپنے نامکن تخیل و تصور کا رد و ابطال کرنے کے بعد جناب طبع آبادی صاحب ان نامکن امور کے امکان کی سبیل ایجاد کر رہے ہیں۔ اور ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ کوئی بھی ذی شعور اور ذی عقل ایسی چھو بڑ بات کبھی کہہ نہیں سکتا لہذا طبع آبادی صاحب ”تو پھر کیا میں دیوانہ ہوں۔“ کا جملہ استعمال کر کے اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل کا چراغ گل ہو گیا ہو۔ لیکن پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں اور اپنے شش دہج کا اظہار کر رہے ہیں کہ جس بات کا امکان محال ہے ایسی بات کہہ کر کہیں میں پاگھوں میں تو شمار نہیں ہوتا؟ ”محذوب ہوں کہ بزبانک رہا ہوں؟“ یعنی کیا میں دیوانہ ہوں کہ دیوانگی کے عالم میں بے عقلی بات کہہ رہا ہوں؟ جناب طبع آبادی صاحب کو خود اپنی کبھی ہوئی بات کے درست ہونے میں تردد ہے کہ میری یہ بات خندے پہر کی کپ تو نہیں سمجھی جائے گی نہ؟ خدائے تعالیٰ مولانا مدنی صاحب کے وہب میں گلی کو چوں میں گھومتا ہے، لوگوں

سے بات چیت کرتا ہے، لوگوں کی خدمت کرتا ہے وغیرہ باتیں کہنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟ میرے ایسے ادبیات جیسے اور افواہ کلام کہیں میری جنونی کیفیت کی نشاندہی تو نہیں کرتے؟

(۴) یہاں تک تو جناب شیخ آبادی صاحب نے ناممکن بات اور امر محال کے ساتھ ساتھ دیوانگی پاگل پن اور جنون کی رائی آلاپتے رہے اور پھر اچانک پانسا پانا اور بات کا زرخ یک لحظہ موڑ دیا۔ اور اب یقین کے درجہ میں بات کرنے لگے۔ جس امر محال کے متعلق تصور کرنے کو بھی پاگل پن کہہ رہے تھے، اب اسی امر محال کے امکان کی بات کہنے سے پہلے کہہ رہے ہیں کہ ”نہیں بھائیو! یہ بات نہیں ہے۔ سڑی ہوں، نہ سودائی“ یعنی ایسی ناممکن اور محال بات کہہ کر میں پاگل یا دیوانہ نہیں ہوں بلکہ سالم العقل اور فرزانہ ہوں۔ کیونکہ میں نے جو محال بات کہی ہے وہ غلط نہیں ہے بلکہ ”جو کہہ رہا ہوں سچ ہے، حق ہے۔“ یعنی خدا نے تعالیٰ کا کلمہ کو چوں میں چلتے پھرتے نظر آتا، فانی انسانوں سے فروتنی کرتا، اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر لوگوں کے گھروں میں آ کر رہتا لوگوں سے بات چیت کرتا اور لوگوں کی خدمات کرتا سچ ہے، حق ہے۔

(۵) اپنی سراسر جھوٹ اور کذب و دروغ پر مشتمل بات کی صداقت اور حقانیت ثابت کرنے کے لیے جناب شیخ آبادی صاحب ”سمجھ کا پھیر“ اور ”حقیقت و مجاز کا فرق“ کی منطق چھانٹی شروع کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ ”مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔“ یعنی عبارت کی ابتداء میں جس امر محال کا ذکر کیا ہے۔ اس کا صارف ہونا ممکن ہے۔ لیکن یہ امکان سمجھ کے پھیر اور حقیقت و مجاز کے فرق پر مبنی ہے۔ یعنی خدا نے تو اپنے حقیقی رُپ میں انسانوں کے درمیان رہ کر کئی تو چوں میں چلتا پھرتا نظر نہیں آتا تھا بلکہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب ہمارے درمیان رہ کر ادھر ادھر بھٹکتے تھے، ہمارے ساتھ فروتنی کرتے تھے، ہمارے گھروں میں آ کر ڈیرا ڈالتے تھے، ہم سے گفتگو کرتے تھے، ہماری خدمات کرتے تھے، یہ سب ”خدا کی مخلوق“ تھا۔ جناب حسین احمد صاحب

ٹانڈی ہمارے درمیان "خدا کا جلوہ" اور "مجازی خدا" کی حیثیت سے اس دھرتی پر رونما ہوتے تھے۔

(۶) اپنے مقتدا اور پیشوا مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کو "مجازی خدا" ثابت کرنے کے لیے جناب ملیح آبادی صاحب نے آگے چل کر جذبہ محبت کا دامن تھامنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "محبت کا معاملہ ہے۔" یعنی جناب ٹانڈوی صاحب کے مرتبہ عالیہ میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ محبت کا معاملہ اور تقاضا ہے۔ کسی کی محبت کا معاملہ ہے؟ خدا کی محبت کا معاملہ ہے؟ نہیں، نہیں! بلکہ ٹانڈوی صاحب کی محبت کا معاملہ ہے۔ صرف محبت ہی نہیں بلکہ "اندھی محبت" کا معاملہ ہے۔ اور مشہور مثل "اندھے کو رات دن برابر ہے۔" کے مطابق جناب ملیح آبادی صاحب بھی ٹانڈوی صاحب کی محبت میں اندھے بن کر اچھے اور برے میں تمیز کرنے سے عاجز اور قاصر بن کر انہیں "الوہیت" کی سرحد میں مار تول کر گھسیڑنا چاہتے ہیں۔ حقیقی خدا تہ کبہ سکے تو "مجازی خدا" کہہ دیا۔

(۷) جناب ملیح آبادی صاحب اپنے مقتدا اور پیشوا جناب ٹانڈوی صاحب کو علو مرتبت کے منصب پر فائز کرنے کرانے کے لیے محبت کا معاملہ پیش کرنے کے بعد محبت کا مزاج اور محبت کی خاصیت بھی بیان کر رہے ہیں کہ "اور محبت میں اشاروں، کنایوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ محبت بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔" یعنی محبت میں کوئی بات صاف و صریح لفظوں میں عیاں اور حکم کھلا نہیں کہی جاتی بلکہ اشاروں اور کنایوں سے کام لیتے ہوئے بات سمجھائی جاتی ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ "محبت بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی" یعنی ایسی حقیقت کہ جو سچ ہونے کے باوجود بے پردہ ہو وہ سچائی محبت کو گوارا نہیں ہوتی۔ اس خصلے کے ذریعہ ملیح آبادی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیشوا جناب ٹانڈوی صاحب ایسی قدسی صفات کے حامل تھے کہ ان کی قدسی صفات کو صاف اور صریح لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ جناب ٹانڈوی صاحب کی "صفات قدسی" بقول جناب ملیح آبادی

ایسی سچائی ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جس کا علاوہ طور پر اعتراف بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ”محبت کا معاملہ ہے... اور محبت بے پردہ سچائی کو گورائیں کرتی۔“ یعنی تائذوی صاحب کی اہلیت کا طلی الاعلان اور صاف لفظوں میں اقرار و اعتراف نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اشاروں اور کنایوں میں بات سمجھائی جا رہی ہے۔

(۸)

اور یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جناب تائذوی صاحب چاہے شکل و صورت انسان تبار درمیان نظر آتے ہیں لیکن وہ صرف ظاہری شکل و صورت میں ہی انسان ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا جلوہ مولانا تائذوی کی صورت میں روئے زمین پر انسانوں کے درمیان رونما ہوا تھا۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ مسلسل **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** کا ورد جاری رکھتے ہوئے انصاف فرمائیں کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام اور یا انھوں میں نبی کریم روضہ درجیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی مخالفت کرنے کے لیے بات بات میں توحید کا علم بلند کرنے والے اور اپنے آپ کو توحید کا سچا پرستار کہنے والے اور توحید خالص کے دعوے دار کس بے رحمی سے توحید کے اصولوں پر ہتھی پیچھ رہے ہیں۔ جناب شیخ آبادی صاحب اپنے پیشوا مولوی تائذوی صاحب کو خدا کا جلوہ ثابت کرنے کے لیے کسی نحو، پیرا، کلام، بات نہ رہے ہیں۔ محبت کا معاملہ بے پردہ سچائی، اشاروں، کنایوں، وغیرہ کی بے بسی اور بے ربط تمہید باندھنے کے بعد اب یہ سمجھتے ہیں کہ ”مجھ بند بند، وٹھکی وٹھکی، چھپی چھپی باتیں ہی محبت کو اس آتی ہیں۔“ یعنی محبت کا اظہار بندہ غفلتوں میں ڈھکے انداز اور چھپے ہوئے مطلب سے ہی بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی جو کہتا ہو اور جو مقصد ہو اسے صاف اور صریح طور پر کہنے کے بجائے ڈھکے انداز میں کہنا ہی مناسب ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جناب تائذوی صاحب کو ”خدا کا جلوہ“ کہنے کے لیے بھی وہی انداز اور طرز اختیار کیا گیا ہے۔

(۹)

عبارت کے اختتام میں توحید کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر یہاں تک لکھ دیا کہ ”تو پھر خدا ہوتا ہے اور انہیں اس کے خلاف اس بند کو دیکھا

ہے، وہ کیوں نہ کہیں ہم نے خود اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اپنی سر زمین پر دیکھا ہے۔
 یعنی اب تلخ آبادی صاحب اپنی محبت ٹانڈوی کو بند بند، ڈھکے ڈھکے اور چھپے چھپے
 انداز میں اظہار کرنے کے بجائے صاف کھلے انداز میں آشکار کر رہے ہیں کہ جب
 خدا کا نافی انسانوں سے فروختی کرتا، اپنی کبریائی پر پردہ زائل کر لوگوں کے گمراہی میں
 آ کر رہتا، لوگوں سے ہمکلام ہونا اور لوگوں کی خدمتیں کرنا ناممکن اور محال ہے
 خدائے تعالیٰ حقیقی روپ میں اس طرح ہمارے درمیان نظر نہیں آتا، تو اب سوال یہ
 پیدا ہوتا ہے ”خدا را بتاؤ“ کہ ہماری آنکھوں نے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو
 ہم سے فروختی، ہمارے درمیان سکونت، ہم سے ہمکلامی اور ہماری خدمات کرتے
 ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور جن کو ہم نے اس انداز سے دیکھا ہے، ہو سکتا
 ہے کہ ہم نے مولانا حسین احمد مدنی کے روپ میں حقیقی خدا کے بجائے خدا کا جلوہ
 دیکھا ہو۔

(۱۰) جناب مولوی عبدالرزاق صاحب تلخ آبادی اپنے پیشوا مولوی حسین احمد ٹانڈوی
 کے عقیدت و محبت میں ایسے غوطہ زن بلکہ مستغرق ہیں کہ اپنے پیشوا کو حقیقی خدا نہ کہہ
 سکتے تو ”مجازی خدا“ کہہ کر ہی دم لیا اور صاف لفظوں میں انہیں خدا کا جلوہ کہہ دیا۔
 ”جن آنکھوں نے گزری گاڑھے میں مشغوف اس بندے کو دیکھا ہے۔“ یعنی ”جن
 آنکھوں نے گزری گاڑھے یعنی موتا اور دیڑھ سوتی کپڑے یعنی کھدر میں مشغوف یعنی
 لپٹا ہوا جو بندہ یعنی مولوی حسین احمد ٹانڈوی کو دیکھا ہے وہ بظاہر تو ایک بندہ نظر آتا
 ہے لیکن اس بندے کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا ہی مناسب ہے کہ ”ہم نے خود اللہ
 بزرگ و برتر کا جلوہ اپنی اس سر زمین پر دیکھا ہے۔“ یعنی اللہ کا جلوہ گزری گاڑھا یعنی
 کھدر (Cotton Stuffs = کھادی) پہنے ہوئے بندے کی شکل میں زمین پر چلا
 پھرنا نظر آتا ہے۔

(۱۱) قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہوا اس مقصد سے عرض ہے کہ ”الجمعیۃ“
 (روزنامہ) کے ”شیخ الاسلام نمبر“ کی زیر تبصرہ عبارت میں دوا العلوم دیوبند کے

صدر المدبرین مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے لیے ”کڑی گاڑھے میں ملفوف بندہ“ کا جو جملہ استعمال کیا گیا ہے وہ برہنہ اور مناسب ہے۔ یعنی ”کھڑے پہننے والا بندہ“۔ جناب ٹانڈوی صاحب ایک نمبر کے سیاسی آدی اور سیاسی پارٹی ”کانگریس“ کے خاص رکن تھے۔ جب بھی کوئی شخص سیاست کے دلدل میں کودتا ہے، تو اس کا سب سے پہلے کام یہ ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے لمبوسات صرف اور صرف کھڑے کے ہی ہوتے ہیں۔ خود کو ”دیس بھگت“ اور ”مصلح گاندھی“ میں شمار کرانے کے لیے وہ ہمیشہ کھڑے کا ہی لباس پہنتا ہے۔ جناب ٹانڈوی صاحب بھی سر سے پاؤں تک سیاست کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ لہذا انہوں نے بھی دائمی طور پر کھڑے کے کپڑے اختیار کر لیے تھے۔ جناب ٹانڈوی صاحب ”کھڑے دھاری“ کے سیاسی مثلاً تھے۔

”ٹانڈوی صاحب کا ”کھڑے پریم“

سیاسی لیڈر ہونے کی وجہ سے ٹانڈوی صاحب پہلے ”کھادی دھاری مثلاً تھے۔ سیاست کی علامت ”کھڑے“ سے ایسا دلی تعلق اور قلبی انس تھا کہ زندگی بھر کھڑے پہننے رہے بلکہ لوگوں کو بھی کھڑے پہننے کی تلقین کرتے تھے اور رغبت دلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا یہ اصرار تھا کہ بیت کا کفن بھی کھڑے ہی کا ہو اور جس بیت کا کفن کھڑے کا نہیں ہوتا تھا، اس پر سخت ناراضگی اور نفی کا اظہار کرتے تھے۔

روزنامہ ”انجمیت“ کے ”شیخ الاسلام نمبر“ کی ایک عبارت جیش خدمت ہے:-

”مولانا نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ کفن

کھڑے کا نہیں تھا۔“ (حوالہ:- ”انجمیت“ شیخ الاسلام نمبر، ص: ۲۵)

کفن کھڑے کا نہ ہوتا۔ کوئی مخالف شریعت کام نہ تھا کہ جناب ٹانڈوی صاحب سخت

تاریخ ہو گئے۔ حالانکہ کھڈر کا کفن شرعاً ممنوع بھی نہیں۔ سفید کپڑے کا کفن جو پیش بہا قیامت کا اور امیرانہ شان کا نہ ہو۔ ایسے کپڑے میں میت کو کفنا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کفن کھڈر کا نہ ہو تو مکناہ بھی نہیں۔ لیکن جناب ٹانڈوی صاحب کو سیاست کا ایسا پکارنگ چڑھا ہوا تھا کہ مذہبی امور میں بھی جبرِ آسیاست کی آئینش کرتے تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ میت کے کفن کے لیے بھی کھڈر کا اسرار کر کے ایک نئی بدعت رائج کر رہے تھے۔

کھڈر پہننا جائز اور مباح ہے۔ لیکن فرض یا واجب تو ہرگز نہیں۔ کھڈر پہننے والا گنہگار نہیں۔ اسی طرح کھڈر نہ پہننے والا بھی گنہگار نہیں۔ کھڈر نہ پہننے والا شرعاً مستحقِ تعزیر اور لائقِ سزا نہیں۔ کھڈر نہ پہننے والے پر شرعاً کوئی جرم عائد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا مواخذہ ہے۔ لیکن ٹانڈوی صاحب سیاسی لباس کھڈر کے ایسے دلدادہ تھے کہ میت کے کفن کے لیے بھی کھڈر کو ضروری سمجھتے تھے اور اگر کسی میت کا کفن کھڈر کا نہ ہوتا تو ٹانڈوی صاحب صرف تاریخ نہیں ہوتے تھے بلکہ "خت تاریکی کا اظہار کیا کرتے تھے۔" جس کام کے کرنے یا نہ کرنے سے اسلامی شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ایسے کام کے لیے تاریکی ظاہر کرنا مناسب اور مستحسن ہے لیکن جس کام کے کرنے یا نہ کرنے میں احکامِ شریعت کی مخالفت نہ ہوتی ہو، ایسے کام کے لیے تاریکی بلکہ "خت تاریکی" ظاہر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یعنی میت کا کفن کھڈر کا نہ ہونا، خلافِ شریعت کام ہرگز نہیں، تو پھر اس پر کیوں خت تاریکی ظاہر کی جا رہی ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ جو کام ہمیں پسند ہے وہ کام دوسرے بھی پسند کریں؟ ٹانڈوی صاحب سیاسی آدمی تھے، لہذا کھڈر پر فریفتہ تھے، لیکن ان کی محبوب اور مرغوب "کھڈر" کی وردی سے تمام لوگ محبت و درغبت رہیں، حتیٰ کہ میت کا کفن بھی کھڈر کا ہو، ایسا اسرار کرنا تشدد اور زیادتی نہیں، تو اور کیا ہے؟ جناب ٹانڈوی صاحب نے کھڈر کا لباس مذہبی بنا دیا، پر نہیں اپنایا تھا بلکہ صرف اور صرف سیاست کی وجہ سے ہی اپنایا تھا۔ لیکن دلائل و دلیلوں کے صدر المدد ہیں جناب ٹانڈوی صاحب نے اپنے سیاسی ارتکاب کو مذہبی رنگ دینے کی ناز بیا اور مذہب و موم حرکت کر کے مذہب اور سیاست کا عجوبی مرکب بنانے کی ناموزوں کوشش کی تھی۔

ایک مزید حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے:-

- ⑤ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین آنجنابی مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کو سیاسی لباس کھڑے سے ایسا لگاؤ تھا کہ زندگی بھر انہوں نے کھڑے کا لباس پہنا اور کھڑے کا ہی ہمیشہ استعمال کیا۔ یہاں تک کہ ان کو کھڑے میں ہی کفنا کر دینا یا گیا۔
- ”آپ نے زندگی بھر کھڑے پہنا، کھڑے ہی کا استعمال کیا اور مرنے کے بعد بھی کھڑے کا کفن آپ کے حصہ میں آیا۔“

(حوالہ:- روزنامہ ”الجمعیت“ دہلی کا ”شیخ الاسلام نمبر“۔ مہر جو

۱۵ فروری، ۱۹۵۸ء، ستمبر، ص ۱۱۶)

بات کہاں کی کہاں نکل گئی۔ ہمارے موضوع خن دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین جناب ٹانڈوی صاحب کو ان کے عاشق زار اور دیوبندی مکتبہ فکر کے ذمہ دار اور نامور مولوی و مصنف جناب طبع آبادی نے ”خدا کا جلوہ“ اور ”مجازی خدا“ کا منصب عطا کرنے کے لیے توحید کے تمام اصولوں کا گھما گھونٹ کر خراج عقیدت پیش کرنے میں حد درجہ کا غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ لگے ہاتھ ایک مزید حوالہ ٹولیں:-

- ⑥ ٹانڈوی صاحب عالم نوری میں رہتے ہیں اور خود بھی نو رہو گئے ہیں؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور مرکز میں مل گئے کہنے والے دور حاضر کے منافقین جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، جب اپنے پیشوا کی اندھی عقیدت و محبت میں بہک کر اپنے پیشوا کی تعریف کے پُل باندھتے ہوئے زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور اوراق سابقہ میں مولوی عبدالرزاق طبع آبادی کے مضمون کی ایک عبارت پیش کی گئی ہے۔ جس میں دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے متعلق بڑی دلیری اور جرأت سے صاف صاف لکھ دیا کہ جناب ٹانڈوی صاحب اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ کا جلوہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر کھڑے کے لباس میں ملفوف ہو کر شکل سیاسی

مولوی حسین احمد ٹانڈوی لوگوں کے درمیان آج ہے (معاذ اللہ) مسازا (۱۱۶)

جناب نانڈ دی صاحب کا مندرجہ بالا درجہ و مرتبہ تو ان کی حیات میں تھا لیکن ان کے انتقال کے بعد اب وہ کس درجے و مرتبے پر فائز ہیں، وہ دیکھیں:-

”اوزاب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عالم نور میں رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی نور ہے۔ ان کے داکیں بھی نور ہے، ان کے ہاتھیں نور ہے۔ ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے۔ وہ خود نور ہو گئے ہیں۔“

(حوالہ:- روزنامہ ”الجمعیت“، دہلی کا ”شیخ الاسلام نمبر“ ص: ۱۲)

جناب نانڈ دی صاحب جب زندہ تھے تب اس سرزمین پر ”خدا کا جلوہ“ تھے اور جب مر گئے تو سیدھے عالم نور میں پہنچ گئے اور بالآخر خود سراپا نور ہو گئے۔ قارئین کرام انصاف فرمائیں کہ دور حاضر کے منافقین اپنے پیٹروا کو کہاں سے کہاں پہونچا رہے ہیں۔ اور ”پیراں نمی پر بند مریدان ی پرانند“ یعنی پیر تو نہیں اڑتے مرید اڑاتے ہیں یعنی جھوٹی تعریف کرتے ہیں والی مثل پر بھر پور عمل کرتے ہیں۔ اپنے پیٹروا کی تعریف و توصیف کے وقت توحید کے خود ساختہ تمام اصول بھی یک لخت فراموش کر جاتے ہیں۔

اگر کوئی عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن وحدیث کی روشنی میں توحید کے اصول ملحوظ رکھتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ اور آپ کی بے مثل و مثال نوری بشریت بیان کرتا ہے تو بھی دور حاضر کے منافقین کے ماتھے پر شکن پڑتے ہیں اور ناگواری کے آثار ان کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں اور نوراً قرآن مجید کی آیت کریمہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ - ”چش کر کے اور اس آیت سے غلط استدلال کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور معاذ اللہ حسب ذیل تو بین آئینہ جملے ان کی زبان سے جاری ہوتے ہیں۔

⑤ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

”اولیاء وانبیاء و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر اللہ نے ان کو

بڑائی دی، وہ بڑے ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ ان کی تعظیم انسانوں کی ہی کرنی چاہئے، نہ کہ اللہ کی طرح۔"

(حوالہ:- "تقویۃ الایمان" مصنف: مولوی اسماعیل دہلوی، ناشر: دارالاسلام، ممبئی، صفحہ نمبر: ۹۹)

تقویۃ الایمان کی مندرجہ بالا عبارت میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام مشرب بندوں کو عاجز بندے اور عام انسانوں کی مانند شمار کر کے صرف اتنی ہی اہمیت دی کہ وہ ہمارے "بڑے بھائی" ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف بڑے بھائی جتنی ہی اہمیت دو۔ اور بڑے بھائی جتنی ہی تعظیم کرو۔ جس کا ایک مطلب یہ بھی ہوا کہ انبیائے کرام کی تعظیم اپنے باپ کی تعظیم سے کم کرو۔ کیونکہ بڑا بھائی چاہے کتنا بھی معظم و کرم ہو باپ کے درجہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ بلاشبہ! بڑے بھائی کا مرتبہ بڑا ہے لیکن اس کا مرتبہ باپ کے مرتبہ سے کم ہے۔ بڑا بھائی بمقابلہ باپ کے درجہ میں کم ہی ہوتا ہے۔

الحاصل! تقویۃ الایمان کے گستاخ مصنف اور امام المتانفین نے انبیائے کرام کی تعظیم کو بڑے بھائی کی تعظیم تک محدود کر دیا ہے اور انبیائے کرام کی تعظیم کا درجہ باپ کی تعظیم سے کم بتایا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے آقا و ولی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے جذبہ اور عشق صادق کے ولولہ میں بارگاہ رسالت میں اس طرح غرض کرتے تھے کہ "فَإِنَّكَ أَبِیْ وَأُمِّیْ یَا رَسُولَ اللّٰہِ" یعنی "یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان"۔ صحابہ کرام تو اپنے ماں باپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان کرنے کا جذبہ سکھائیں اور وہ حاضر کے منافقین نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم بھی اپنے باپ جتنی کرنے سے روکتے ہیں اور یہ سکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ انسان اور عاجز بندے ہیں۔ ہمارے بڑے بھائی ہیں لہذا ان کی تعظیم بڑے بھائی جیسی ہی کرو۔ ناظرین کرام انصاف کریں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمانی جذبہ کی بولی کے مقابلہ دور حاضر کے منافقین کی بولی کیسی ہے؟ ایمانی ہے یا کفری؟

○ منافقین زمانہ کی دیگر کتاب کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

"البیتہ نفس بشریۃ میں محاشیہ آپ کے چلنے کی توجہ اور اس کی خود حق تعالیٰ

فرماتا ہے: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ترجمہ) ”کہہ دیجئے کہ میں تمہارے
 ہی جیسا ایک بشر ہوں۔“..... پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کہہ دیا۔ وہ تو خود نص کے موافق ہی
 کہتا ہے۔“ (حوالہ:- ”براہین القاطعہ علی غلطی الاموار الساطعہ“ مصنف:-
 مولوی ظلیل احمد انیسوی، مصدق:- مولوی رشید احمد گنگوہی، ناشر:- کتب خانہ
 امدادیہ دیوبند، ص: ۲۰)

مندرجہ بالا عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی آدم یعنی انسانوں سے
 مماثل یعنی عام انسانوں کی مانند اور مثل ہونے کے لیے قرآن مجید کی آیت مقدمہ قُلْ إِنَّمَا
 أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اور مندرجہ بالا عبارت میں آیت کے ترجمہ کی
 طرف قارئین کرام توجہ فرمائیں گے تو ایک خیانت سامنے آئے گی مولوی ظلیل احمد صاحب
 انیسوی نے آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر
 ہوں۔“ اس ترجمہ میں جناب انیسوی صاحب نے ”تمہارے جیسا“ کے بجائے ”تمہارے
 ہی جیسا“ کا جملہ لکھا ہے۔ اس جملہ میں لفظ ”ہی“ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ لفظ ”ہی“
 شخص سے تاکید کا حرف ہے۔ (دیکھو:- فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۹) یعنی تمہارے جیسا کے
 بدلے ”تمہارے ہی جیسا“ کا جملہ لکھ کر بات کو موکد کیا گیا ہے یعنی معاذ اللہ حضور صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کا ”جملہ نبی آدم“ یعنی تمام انسانوں کی طرح بشریت کے معاملہ میں مماثل یعنی
 ہمسرہ ہونے میں کسی قسم کا شک و تردید نہیں۔ جیسا کہ اوراق سابقہ میں ہم نے عرض کیا ہے کہ
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال نوری بشریت کو عام انسانوں کی بشریت
 کی طرح ثابت کرنے کے لیے منافقین زمانہ قرآن مجید کی مقدس آیت قُلْ إِنَّمَا أَنَا
 بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہی پیش کر کے اس آیت سے غلط استدلال کرنے کی حرکت مذموم کرتے ہیں۔
 یہاں بھی وہی طرز اور طریقہ اپنایا گیا ہے۔ جناب انیسوی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ
 کرنے کے بعد یہاں تک لکھ مارا ہے کہ ”پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا
 تو کیا خلاف نص کہہ سکتا ہے؟“ (نہایت غلط) ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں حرف بحرف عبارت نقل کی

ہے۔ اصل کتاب میں ”ہیجہ آدم ہونے کے“ چھپا ہوا ہے۔ حالانکہ ”ہیجہ بنی آدم ہونے کے“ ہونا چاہیے۔ شاید طباعت کی غلطی سے ”بنی آدم“ کے بجائے صرف ”آدم“ چھپ گیا ہے۔
یعنی مولوی ظیل احمد انیسوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”بھائی“ کہا تو اس نے ہرگز نفص کے خلاف نہیں کیا ”نفص“ یعنی قرآن پاک کی وہ آیتیں جو صاف اور صریح ہوں۔ (دیکھو: فیروز اللغات، ص: ۱۳۶۱) جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”بھائی“ کہنا قرآن مجید کی آیت کے خلاف نہیں۔ پھر آگے وضاحت کرتے ہوئے انیسوی صاحب نے لکھا ہے کہ ”وہ تو خود نفص کے موافق ہی کہتا ہے۔“ یہاں بھی ”ہی“ کا حرف تاکید استعمال کر کے بات کو وزن دار اور مؤثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھائی کہنا قرآن سے ثابت ہے اور جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھائی کہتا ہے وہ ہرگز قرآن کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ موافقت کرتا ہے۔

ہمارے محترم اور معزز قارئین کرام کی عدالت میں استفسار کرتے ہوئے عرض ہے کہ ”برائین قاطعہ“ کے مصنف جناب انیسوی صاحب کیسے فریبانہ انداز میں موزوں مرد و کراچی بات کہہ رہے ہیں۔ عبارت کی ابتداء میں ”نفص بشریت“ یعنی انسان ہونے کی حقیقت کی منطق چھانی ہے۔ بعد ”جملہ بنی آدم“ یعنی تمام انسانوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفص بشریت میں برابر کہا۔ ایک نکتہ یہاں قابل توجہ اور غور ہے کہ انیسوی صاحب نے جملہ بنی آدم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفص بشریت میں مماثل سمجھایا ہے اور جملہ بنی آدم میں تمام انسان آگئے۔ چاہے مشرک ہو، کافر ہو، مجوسی ہو، دہریا ہو، یہودی ہو، نصاریٰ ہو، چاہے سون ہو۔ جملہ بنی آدم ان تمام اقسام کو محیط ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چاہے مشرک ہو یا کافر یا اور کوئی باطل مذہب کا متبع ہو، نفص بشریت میں وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند وصل ہے۔ اور اپنی اس ناموزوں بات کو موزوں ثابت کرنے کے لیے ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیت قرآن مجید کی ہے۔ حالانکہ اوراق سابقہ میں اس آیت مقدسہ کی تفصیل وضاحت ہم قرآن و حدیث و فقہ و کلام و علم و دین سے پیش

کر چکے ہیں۔ جن کا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت
تشابہات میں سے ہے اور قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق جن لوگوں کے دلوں میں کبھی یعنی
میز حارین ہوتا ہے وہی لوگ آیات تشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جس کا تفصیلی بیان ”ہُوَ
الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ
مَّا تَأْتِي الْبَاطِلُ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ
تَأْوِيلِهِ“ (پارہ: ۳، سورہ آل عمران، آیت: ۷) ترجمہ:- ”وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب
اُتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن
کے معنی میں اشتباہ ہے۔ وہ جن کے دلوں میں کبھی ہے۔ وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں،
گمراہی چاہتے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔“ (کنز الایمان)

اس ارشاد بانی کے مطابق دورِ حاضر کے منافقین بھی آیات تشابہات کو بطور دلیل پیش
کر کے اور آیات تشابہات کے مَن چاہے معنی اور تاویل کر کے گمراہی کا پہلو ڈھونڈ لگائے
ہیں۔ جیسا کہ کتاب ”برایین قاطعہ“ کی زیرِ تبصرہ عبارت میں طریقہ اپنایا گیا ہے۔ ”قُلْ إِنَّمَا
أَنشَأْتُ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ“ آیت پیش کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”نفس بشریت“ میں
جملہ بنی آدم یعنی تمام انسانوں کے برابر کہا۔ پھر انسان انسان آپس میں بھائی بھائی والے غیر
معقول و نامناسب نظریے کے تحت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان ہونے کے
تا ملے بھائی کہا۔ پھر جرأت اتنی بڑھی کہ یہاں تک لکھ دیا کہ جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو ”بھائی“ کہا اس نے قرآن کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا بلکہ قرآن کے حکم کے مطابق
کہا ہے۔ بات کہاں کی کہاں ہو نہ چاودی؟ نفس بشریت کی منطق چھانٹ کر حضور اقدس کو پہلے
عام انسانوں کی طرح بشر کہا پھر ”بھائی“ کہہ دیا۔ اور حضور کو بھائی کہتا قرآن کے ارشاد کے
موافق لکھ دیا۔ ان منافقوں سے ہم صرف اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایسی کون سی آیت
ہے، جس کا صاف اور صریح مطلب ایسا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”بھائی“ کہو۔
صرف ایک آیت کریمہ کہ جو آیات تشابہات سے ہے یعنی ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“

اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا ہرگز روا نہیں۔ اگر ایمان کی نظر سے اس آیت کو سمجھا جائے تو اس آیت سے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال نوری بشریت ثابت ہوتی ہے لیکن دور و حاضر کے منافقین کو نبی کا بھائی بننے کا ایسا چمکا لگا ہے کہ جس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال نوری بشریت عیاں و بیاں ہو رہی ہے، اسی آیت سے غلط استدلال کر کے بلکہ سمجھنے جان کر اور محسٹ محسٹ کر غلط معنی و مفہوم اخذ کر کے حضور اقدس کو ”بشر“ اور ”بھائی“ کے ہی درجہ اعلیٰ میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولوی ظلیل احمد انیسوی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب ”براہین قاطعہ“ کی زیر بحث مذکورہ بالا عبارت دراصل امام المنافقین، ملا اسماعیل دہلوی کی مہلک ایمان کتاب ”تقویۃ الایمان“ کی اُس عبارت کی تائید و توثیق میں کہی ہے جس عبارت میں تمام انبیاء و اولیاء کو عام انسان، عاجز بندے اور بڑے بھائی کہا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تو دور و حاضر کے منافقین قرآن مجید اور احادیث کریمہ کے سن مانے تراجم اور سن چاہی توضیح کر کے حضور اقدس کے مراتب عالیہ کی پیاکشی کرتے ہیں اور گویا کہ انہوں نے حضور اقدس کے مراتب و درجات کو یقینی طور پر ناپ تول لیا ہو اور حضور اقدس کے درجہ عالی کی کہاں تک حد ہے؟ وہ ظاہر کرتے ہیں اور حضور اقدس کے درجات و مراتب کی حد بندی کرتے ہیں بلکہ ایک متعین حد مقرر کرتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح بشر تھے، ان کی بڑائی صرف اتنی ہی ہے کہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ لیکن جب ان کے پیشوا کا معاملہ ہوتا ہے تو یہ پیاکشی کے تمام آلات توڑ پھوڑ دیتے ہیں اور اپنے پیشوا کے لیے ایسے کلمات بدح و شاعرانہ کرتے ہیں، جن کلمات کا استعمال حضور اقدس کی تعریف و توصیف میں ان کے اعتقاد میں ناروا اور شرک ہے۔

© ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

”آپ کا قلب incomparable کے فضائل

علمیہ اور کمالات باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس کو ہو سکتی ہے یا ان اولیاء کرام اور علماء ربانین کو ہو سکتی ہے۔ جن کو مبداء فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے۔ ہم جیسے کو چشم آپ کی ذات قدسی صفات کو کیا پہچان سکتے ہیں۔“ (خوالہ:- ”انجلیت“ روزنامہ، دہلی کا ”شیخ الاسلام نمبر“ مورخہ:- ۲۵ رجب

المہرب، ۷۱۳ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء، منیہ نمبر: ۶۷)

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین آنجنابی مولوی حسین احمد نانڈوی صاحب کی تعریف و توصیف میں مندرجہ بالا عبارت میں تو یہاں تک کہہ دیا کہ:-

”آپ کے فضائل علمیہ اور کمالات باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس کو ہو سکتی ہے یا ان اولیاء کرام اور علمائے ربانین کو ہو سکتی ہے۔ جن کو مبداء فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے۔“ یعنی نانڈوی صاحب میں ایسے ایسے علمی اور روحانی فضائل و کمالات تھے کہ اس کی صحیح معلومات یا تو اللہ تعالیٰ کو ہے، یا اولیاء کرام کو ہے یا ان عالموں کو ہے جو علم الہی جانتے ہیں اور جن کے پاس چشم بصیرت یعنی دل کی آنکھ ہے۔ ذرا انصاف کرو! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ تو ان منافقوں نے ناپ کر طے کر لیا کہ ہمارے جیسے بشر اور ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ لیکن اپنے پیشوا کے متعلق یہ اعتقاد کہ ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ، اولیاء کرام اور علمائے ربانین کو ہی معلوم ہے۔ اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ ”ہم جیسے کو چشم آپ کی ذات قدسی صفات کو کیا پہچان سکتے ہیں“ یعنی ہمارے جیسا کو چشم یعنی اندھا نانڈوی صاحب کی قدسی صفات والی ذات کو نہیں پہچان سکتا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ نانڈوی صاحب کے فضائل و درجات و کمالات کا اندازہ لگانا ہم جیسوں کے لیے ناممکن ہے۔ نانڈوی صاحب مراتب و درجات کی اتنی بلند منزل میں ہیں کہ وہاں تک ہم جیسوں کی سوچ و فکر کی رسائی نہیں۔ ان کے اعلیٰ مراتب و درجات کی منزل رفیع کو ہماری نگاہیں نہیں دیکھ سکتی۔ بلکہ دیکھنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ ان کو ان کے درجات و کمالات کے اعتبار سے دیکھنے کے معاملے میں تو ہم اندھے ہی ثابت ہوں گے۔ ذرا پھر ایک مرتبہ انصاف کرو! اور جانور کے منافقین کی تبلیغی مصلحت کا جائزہ لے جاؤ۔ بلکہ اچھل چلے جاؤ اور کوریا ملنے میں بھی حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات و مراتب کی صحیح اطلاع ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر اور بھائی کہتا ہے لیکن اپنے پیشوا کے درجات و کمالات کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ان کے درجات و کمالات کی اطلاع حاصل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

”شیخ الاسلام نمبر“ کی مندرجہ بالا عبارت کے ضمن میں کافی طویل تنقیدی تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن طوالت مضمون کے خوف سے اختصاراً یہاں تک جو کچھ عرض کیا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے صرف یہی کہتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف میں محبت کے جذبہ صادقہ کے تحت کہے جانے والے کلمات تحسین پر دور حاضر کے منافقین بڑے زور سے بیختم چاغ مچا دیتے ہیں۔ اور توحید کا جھنڈا بلند کر کے شرک کے خطرے کی گھنٹی بجاتے ہیں لیکن جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تب توحید کا جھنڈا اسمیٹ کر اور توحید کے تمام خود ساختہ اصولوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور ایسے ”هَمْ بُكْمُ عُنَى“ یعنی بہرے گوئی اور اندھے ہو جاتے ہیں کہ شرک کے خطرے کی گھنٹی تو کیا گھنٹا بھی سنائی نہیں دیتا۔ لگے ہاتھ دور حاضرہ کے منافقین کی اپنی پیشوا کی اندھی عقیدت اور مخور محبت کی لڑکھڑاہٹ دیکھیں۔



”دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی نے گنگوہی صاحب کی قبر کو کوہِ طُور سے تشبیہ دے کر ”آرینی“ یعنی تیرا جلوہ دکھایا“

دہائی تبلیغی جماعت کے بانی مولوی الیاس کاندھلوی کے پیر مرشد آنجنابی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے انتقال پر تبلیغی جماعت کے حکیم الامت اور مُسَلِّم پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے استاذ اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی کہ جن کو تبلیغی جماعت کے قبیضین بڑے فخر سے ”شیخِ الہند“ کہتے ہیں، انہوں نے گنگوہی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک مرثیہ مرتب کیا۔ وہ قصیدہ گنگوہی اور مرثیہ گنگوہی کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ اسی ”مرثیہ گنگوہی“ کا ایک شعر پیش خدمت ہے:-

تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہو ہوں بار بار ”آرینی“ میری دیکھی بھی نادانی

حوالہ:- مرثیہ گنگوہی،

مرتب:- مولوی محمود الحسن دیوبندی،

ناشر:- کتب خانہ اعجازیہ، دیوبند، صفحہ: ۱۲

مذکورہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب اپنے آنجنابی پیشوا جناب گنگوہی صاحب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے گنگوہی جی! تمہاری تربت انور یعنی نہایت نورانی قبر کو طور سے یعنی کوہِ سینا یعنی کوہِ طور یعنی ملکِ شام کا وہ مشہور پہاڑ جس پر خدائے

تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی جلی دکھائی تھی، اس پہاڑ سے تشبیہ دے کر ”آرئی“ یعنی ”مجھ کو تیرا جلوہ دکھا“ کہہ رہا ہوں، اور ”ارئی“ کہنے میں میری نادانی عیاں ہو رہی ہے۔“

اس شعر پر تبصرہ کرنے سے پہلے ”آرئی“ کے تعلق سے قرآن مجید کے ایک مشہور واقعہ کی جانب التفات کریں:-

”حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ فرعون کی بلاکت کے بعد اللہ کی جانب سے ایک کتاب لائیں گے۔ چنانچہ فرعون کی بلاکت کے بعد آپ کوہ سینا (کوہ طور) پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل نازل فرمایا جس نے طور کے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا۔ شیاطین اور زمین کے جانور حتیٰ کے ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیحدہ کر دیے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آسمان کھول دیا گیا۔ آپ نے ملائکہ (فرشتوں) کو ملاحظہ فرمایا کہ ہوامیں کھڑے ہیں اور آپ نے عرش الہی کو صاف دیکھا۔ یہاں تک کہ الواح پر قلموں کی آواز سنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا کریم کلام سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نوازا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو فرمایا وہ انہوں نے کچھ نہ سنا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام ربانی کی لذت سے اس قدر لطف اندوز اور بہرہ مند ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو ہوئی اور انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ ”آرئی“ یعنی ”مجھے اپنا دیدار دکھا“۔

(تفسیر خازن اور تفسیر خزائن العرفان، ص: ۳۰۱)

مندرجہ واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ:-

”وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمْنَاهُ رَبِّهِ قَالَ رَبِّ اُرِنِي اَنْتَظُرُ

الْبَيْتَ“ (پارہ: ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳)

ترجمہ:- ”اور جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا۔ عرض کی اسے رب میرے، مجھے اپنا دیدار دکھا کر میں تجھے دیکھوں۔“ (کنز الایمان)

البتہ! حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طور کے پہاڑ پر خدائے تعالیٰ کے دیدار کی آرزو میں ”آدینی“ یعنی ”مجھے اپنا دیدار دکھا“ کہا۔ جس کا تجزیہ حسب ذیل ہے:-

- ① مقام: ---- کوہ سینا یعنی ملک شام کا مشہور پہاڑ کوہ طور
- ② کیا کہا؟: ---- ”آدینی“ یعنی ”مجھے اپنا دیدار دکھا“۔
- ③ کس نے کہا؟: ---- حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔
- ④ کس سے کہا؟: ---- اللہ تبارک و تعالیٰ سے۔

اب آئیے! دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے اپنے پیشوا جناب گنگوہی صاحب کو مخاطب کر کے جو شعر کہا ہے وہ پھر ایک مرید دیکھیں:

تہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہو ہوں بار بار ارنی، میری دیکھی بھی نادانی

اس شعر میں جناب دیوبندی صاحب نے قرآن مجید میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اسی واقعہ کا پھر ایک مرتبہ تخیلی اعادہ کرتے ہوئے ”گنگوہی صاحب کی قبر کو ”کوہ طور“ سے تشبیہ دیتے ہوئے، مولوی محمود حسن دیوبندی بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ”آدینی“ کہہ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اللہ تعالیٰ سے ”آدینی“ کہا تھا جبکہ محمود حسن صاحب تو گنگوہی جی سے کہہ رہے ہیں۔ جس کا تجزیہ حسب ذیل ہے۔

- ① مقام: ---- مولوی رشید احمد گنگوہی کی قبر بمقام گنگوہ (یو، پی)
- ② کیا کہا؟: ---- ”آدینی“ یعنی ”مجھے اپنا دیدار دکھا“۔
- ③ کس نے کہا؟: ---- مولوی محمود الحسن دیوبندی، صدر المدرسین دارالعلوم

○ کس سے کہا؟۔۔۔ آنجنابی مولوی رشید احمد گنگوہی سے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صرف ایک مرتبہ ہی رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں "آربی" عرض کیا تھا مگر دارالعلوم دیوبند کے صدر المددین مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی تو بار بار یعنی کئی مرتبہ اپنے پیشوا گنگوہی جی کی جناب میں "آربی" کہہ رہے ہیں۔ شعر کے الفاظ "کہو ہوں بار بار آربی" اس پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام اور مرسلین عظام اور بالخصوص سید الانبیاء والمرسلین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ میں تو جین و تنقیص کرنے کے لیے توحید..... توحید..... اور توحید کی رٹ لگانے والے دور حاضر کے منافقین کے گردہ کے پیشوا اور شیخ الحدیث اپنے مقتدا گنگوہی صاحب کی اندھی عقیدت میں توحید کے اصولوں کے گلے پر کس بے دردی سے پتھری پھیر رہے ہیں۔

جب انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کا معاملہ سامنے آتا ہے تو منافقین زمانہ فوراً تقویت الایمان کی بولی بولتے ہیں کہ "ان کی تعظیم انسانوں کی ہی کرنی چاہیے" (دیکھو)۔ تقویت الایمان ص: ۹۹) اور مزید برآں قرآن مجید کی مقدس آیت "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" بھی بطور دلیل پیش کریں گے۔ لیکن جب اپنے گردہ کے سیاسی ملا اور دیگر پیشواؤں کا معاملہ آئے گا تو تمام دلیلیں اور اصول منشیہاً منشیہاً کر جائیں گے۔

مرحہ گنگوہی کے زیر بحث شعر میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المددین مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی کی دلیری اور بے باکی ملاحظہ ہو کہ وہ کدوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رب تبارک و تعالیٰ کے درمیان راز و نیاز کا جو معاملہ ہوا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام ربانی سے محفوظ ہو کر دیدار الہی کی آرزو اور تمنا میں اپنے رب سے "آربی" عرض کیا تھا۔ اسی واقعہ کا اعادہ خیالی جناب گنگوہی صاحب کی "ساو جی" پر کر رہے ہیں۔ اور توحید کے اصولوں کی برسر عام دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ اپنی سراسر خلاف توحید اس مذموم حرکت کو مناسب ثابت کرنے کے لیے شعر کے آخر میں کہتے ہیں کہ "میری دیکھی بھی تاوانی" یعنی میں جناب گنگوہی صاحب کی قبر کو کدوہ طور سے تشبیہ کر رہا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والمسلم کی طرح ”آرینی“..... ”آرینی“..... ”آرینی“..... پکار رہا ہوں، یہ میری نادانی ہے۔
 خط ”نادانی“ کے معنی لغت میں جہالت، بے وقوفی، نا سمجھی، وغیرہ وارد ہیں۔ (دیکھو:- فیروز
 اللغات، ص ۱۳۳۶)۔ لہذا شعر کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے جہالت، بے وقوفی اور نا سمجھی کے
 عالم میں جناب گنگوہی صاحب کی قبر کو گھوڑے کی طرح سمجھ کر اور جناب گنگوہی صاحب کو خدا اور اپنے
 آپ کو حضرت موسیٰ قصور کر کے ”آرینی“ یعنی ”مجھے اپنا دیدار دکھا“ کہا ہے۔ یعنی جناب محمود
 حسن صاحب دیوبندی اپنے خلاف توحید اور کتاب پر کسی قسم کا مواخذہ اور گرفت نہ ہونے کے
 لیے ”اپنی نادانی“ کا بہانہ بطور پیریش کر کے اپنا دفاع کرنے کا ٹکڑا فریب کر رہے ہیں۔

ایک بات خاص طور سے قابل غور و توجہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی تعظیم و توقیر کا معاملہ ہوتا ہے، تب دوسرے حاضرہ کے متناقض ضرورت سے زیادہ دانا، سیانا،
 ہوشیار، اور سمجھ دار بنتے ہوئے تو ہیں و تنقیص رسالت کی غرض فاسدہ سے آیات قرآنیہ اور
 احادیث کریمہ کے دلائل اپنے اعتقاد کی تائید و موافقت میں ثابت کرنے کے لیے غلط ترجمہ،
 من گھڑت تفسیر، من چاہے مطالب، و دروغ گوئی اور کذب بیانی کا آزمائشے ہیں لیکن اپنے
 مقدمہ و پیشوا کی خلاف توحید اور غلو و مبالغہ پر مشتمل تعریف کرتے وقت قرآن و حدیث کے
 دلائل کے بجائے ”دیوانہ“ اور ”نادان“ بن کر بھی نہ کہنے کا سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ اور اسی
 سابقہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المد رین اور سیاسی منہا جناب حسین احمد ٹانڈہ کی صاحب کو ”خدا
 کا جلوہ“ اور ”کھڑے پوش مجازی خدا“ ثابت کرنے کے لیے مولوی عبدالرزاق طبع آبادی
 صاحب نے اپنی خلاف توحید بات کو مناسب ٹھہرانے کے لیے ”محبت کا معاملہ ہے“ کا بہانہ
 پیش کر دیا اور یہاں جناب گنگوہی صاحب کو ”آرینی“ کہہ کر پکارنے کو مناسب ٹھہرانے کے
 لیے مولوی محمود الحسن دیوبندی اپنی ”نادانی“ کا غدار آگے دھرتے ہیں۔ ایسے دیوانوں اور
 نادانوں نے بے شمار لوگوں کے ایمان کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اپنے پیشواؤں کی اندھی عقیدت
 میں ”دیوانہ“ اور ”نادان“ بن کر اپنی خود ساختہ توحید کے پردے کو بھی تار تار کر ڈالا ہے۔

③ ایک اہم نکتہ کی طرف بھی معزز قارئین کرام کی توجہات مرکوز کرنا ضروری ہے کہ دار
 العلوم دیوبند کے صدر المد رین جناب مولوی محمود الحسن دیوبندی کا مرتب کردہ

”مرثیہ گنگوی“ ۱۳۲۳ھ میں جناب گنگوی صاحب کی موت واقع ہونے کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔ اور گنگوی صاحب کے انتقال کے بعد مرثیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ ”تمہاری تربت انور کو“ یعنی گنگوی صاحب کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اسے گنگوی جی! تمہاری محبت میں میں ایسا نادان ہو گیا ہوں کہ تمہاری قبر کو طور کے پیاز سے تشبیہ دے کر ”آؤ فی“ کہہ کر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اپنا دیار کراؤ اور تم کو ”آؤ فی“ کہہ کر پکارنے میں میری جود یواگی اور نادانی ظاہر ہو رہی ہے، اس کو تم نے دیکھا؟ مرثیہ کے اس شعر میں گنگوی صاحب سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ تو کیا انتقال کے بعد بھی اپنے ایک اندھے عاشق اور محقق دیوانے کے دلی جذبات کی پکار سننے کا گنگوی صاحب کو توفیق ہے؟ کیا گنگوی صاحب کو اپنی تاریک اور اندھیری قبر کی چار دیواری میں محبوس ہونے کے باوجود مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی کا ”آؤ فی“ سننے کا اختیار ہے اور کون ”آؤ فیسی“ کہہ رہا ہے؟ وہ جان لینے کا علم رکھتے ہیں؟ حالانکہ وہ حاضر کے منافقین کے اعتقاد میں انبیاء کرام کو پکارنا شرک ہے۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔

”جو بعض لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت پوری کر دے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ اس لیے کہ اس کے مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں۔“

حوالہ:- تقویت الایمان،

از:- مولوی اسماعیل دہلوی،

ناشر:- دارالافتاء بمبئی، تاریخ اشاعت، اپریل ۱۹۹۷ء، نمبر ۳۳

تقویت الایمان کی سندرجہ بالا عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کو ذریعہ یا نزدیک سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ دور سے اور نزدیک سے وہ برابر سن لیتے ہیں، شرک ہے۔ یعنی کو بزرگ کو کہ جنہوں نے دنیا سے پروہ فرمایا ہے۔ و ذر سے پکارو یا نزدیک سے پکارو، ہر حال میں شرک ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے اپنے پیشوا گنگوہی صاحب کو اپنے مرشد یہ گنگوہی میں "آؤ بیسی" "کہہ کر پکارا ہے۔ ان کا یہ پکارنا چاہے دارالعلوم دیوبند کی عمارت میں بیٹھ کر یعنی دور سے ہو یا چاہے بمقام گنگوہ گنگوہی جی کی "سادھی" پر حاضر ہو کر انھوں نے گنگوہی صاحب کو "آؤ بیسی" "کہہ کر پکارا ہو۔ امام المنافقین مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب "تقویت الایمان" کے فتوے کی رو سے کسی کو ذریعہ یا نزدیک سے پکارنا شرک ہے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جو کام انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ کرنا دور حاضر کے منافقین کے اعتقاد میں شرک، ناجائز اور حرام ہیں، وہی کام انھوں نے اپنے پیشواؤں کے حق میں جائز قرار دے کر اور اپنے پیشواؤں کی طرف اداری کر کے کہہ کر "سیاں بھیجے کو تو ال، اب ڈر کا ہے کا" والی مثل پر عمل کر کے اپنے متضاد رویہ سے قوم و ملت کی راہبری کر رہے ہیں یا رہبری کر رہے ہیں؟

خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر تھانوی صاحب کا ڈر؟

اس عنوان کی سرفی دیکھ کر ہمارے معزز قارئین کرام شاید حیرت و تعجب سے چونک اٹھے ہوں گے۔ لیکن بحسب اللہ تعالیٰ ہم نے پوری کتاب میں کامل دیانتداری سے کام لیتے ہوئے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ الزام تراشی اور افتراء پر دازی سے باز رہے ہو کر ہم نے ذرائع و شواہد کے دائرے میں رو کر، بہت ہی احتیاط سے اصل کتاب سے حوالہ نقل کیا ہے۔ دہائی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ملفوظات کا مجموعہ "الفصل فی الفصول" مولفہ:- مولوی ابراہیم الحق، ناشر:- مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون، یو پی، جواہل، جس کی ایک عمارت ذیل میں پیش ہے:

”تیسری حالت یہ ہے کہ حضرت والا کا خوف اتنا ہے کہ گویا حق تعالیٰ کا خوف

اتنا اپنے اندر نہیں پاتا۔ اگر حضرت والا کے مزاج کے خلاف کوئی کام ہو

جاوے، تو اتنی خشیت ہوتی ہے کہ زمین بھٹ جاوے اور اس میں ساجاؤں اور

امرحق کی مخالفت سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔ اس سے ڈرتا ہوں کہ گناہ تو نہیں؟

جواب :- نہیں۔ کیونکہ یہ فیہر اختیار ہے اور جہاں کی یہ ہے کہ غائب کا خوف عقلی

ہے اور حاضر کا طبعی اور تفاوت خاصیتوں کا ہے۔“

مندرجہ بالا عبارت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کا پس منظر ملاحظہ ہو:-

”مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے انتقال سے پانچ سال پہلے یعنی ۱۳۵۷ھ

میں لاہور کا سفر کیا تھا۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ۲۹ مئی ۱۳۵۷ھ بمطابق

۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء بروز سنچر اپنے گاؤں تھانہ بھون (ضلع مظفرنگر، یو، پی) سے بذریعہ ٹرین

لاہور جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ تھانہ بھون سے لاہور بذریعہ ٹرین (ریل) جانے کے

لیے براہ (via) سہارنپور اور امرتسری جانا پڑتا تھا۔ تھانوی صاحب نے اپنے لاہور کے سفر کی

اطلاع اپنے متعلقین و محبین کو پہلے ہی سے بذریعہ خط وے رکھی تھی لہذا جب تھانوی صاحب

کی ٹرین امرتسر ریلوے اسٹیشن پہنچی، تو امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر تھانوی صاحب کے

”مرید خاص“ مولوی فقیر محمد صاحب امرتسری موجود تھے۔ مولوی فقیر محمد صاحب کو کچھ ذہنی

انجھٹیں اور قلبی اشکال گھیرے ہوئے تھے اور ان کو طرح طرح کے وسوسے آیا کرتے تھے۔ لہذا

انھوں نے اپنے وسوسوں اور اشکال کا حل حاصل کرنے کی غرض سے تھانوی صاحب کے ساتھ

لاہور کا سفر کرنا طے کیا تھا تاکہ انشائے راہ ٹرین میں اور دوران سفر وہ موقع پا کر تھانوی صاحب

کو اپنی انجھٹیں سنا کر اس کا شافی حل حاصل کر سکیں۔

انفرض! مولوی فقیر محمد صاحب امرتسر سے تھانوی صاحب کے ہم سفر بنے اور لاہور تک

کا سفر کیا۔ اس سفر کی تفصیل مولوی ابرار الحق نے تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ:

”الفصل للوصل“ کتاب کے صفحہ نمبر ۱۸۵ تا ۱۸۶ میں ارقام کیا ہے۔ اسی

کتاب کے صفحہ نمبر ۵۹ کی عبارت ہم نے یہاں نقل کی ہے۔

مولوی فقیر محمد صاحب نے دوران سفر موقع پا کر اپنے چند اشکال قحطی صاحب کے سامنے پیش کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ:-

”میں خدا سے بھی زیادہ آپ کا ذر محسوس کرتا ہوں۔ اگر خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے تو اتنا ڈر و خوف نہیں ہوتا، جتنا ڈر اور خوف آپ کے حراج کے خلاف کوئی کام کرنے پر ہوتا ہے۔ آپ کے خوف کا تو یہ عالم ہے کہ اگر آپ کے حراج کے خلاف مجھ سے کوئی کام ہو جاتا ہے، تب اتنا خوف لاحق ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ زمین پھٹ جائے اور میں زمین میں سما جاؤں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام ہو جاتا ہے تب اتنا ڈر نہیں لگتا۔ کیا اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟“

مولوی فقیر محمد صاحب کے مندرجہ بالا معروضے پر لگتا ہے کہ قحطی صاحب پھولے نہیں سمائے ہوں گے۔ تیرے مدد تے جاؤں! تیرے منہ میں گھی شکر! کیا عجیب بات سنائی۔ واہ! واہ! تمہاری محبت و عقیدت قابلِ داد ہے! ارے! کیا کہا؟ خدا سے بھی زیادہ مجھ سے ڈرتے ہو؟ میرے حراج کے خلاف کسی کام کے ارتکاب پر خوف و دماست سے زندہ درگور ہو جانے کی خواہش کرتے ہو؟ اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی پر کوئی خوف محسوس نہیں کرتے ہو؟ شاباش! کیا خوب کہی۔ اس احساس پر ڈر گئے ہو کہ گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ارے گھبراتے کیوں ہو۔ ہمارا جواب سنو!

مولوی فقیر محمد صاحب کو قحطی صاحب نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ:-

”الجواب :- نہیں! کیونکہ یہ غیر اختیاری ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غائب کا خوف عقلی

ہے اور حاضر کا طبعی اور تفاوتِ خاصیتوں کا ہے۔“ یعنی تم کو خدا سے زیادہ میرا ذر محسوس ہوتا ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ احساس غیر اختیاری ہے یعنی تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غائب کا خوف عقلی یعنی متصل سے منسوب ہے اور حاضر کا خوف طبعی یعنی طبیعت سے منسوب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کا ذر محسوس ہونا اور اس کا خوف ہونا میرا

خوف زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ یعنی میں تمہارے سامنے موجود ہوں اور خدا تمہارے سامنے سے غائب ہے لہذا تمہیں خدا سے زیادہ میرا خوف محسوس ہوتا ہے۔

قارئین کرام! انصاف فرمائیں! تھانوی صاحب اپنی اہمیت جتانے کے لیے خدا کے خوف سے اپنے خوف کے احساس کو مناسب قرار دینے کے لیے ”غائب“ اور ”حاضر“ کی بے نیکی منطبق سمجھا رہے ہیں۔ اس وقت انبیائے کرام کی عظمت و اہمیت کا معاملہ نہیں، اس وقت ملت اسلامیہ کے کروڑوں صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اعتقاد کا معاملہ نہیں بلکہ خود اپنی اہمیت و شان جتانے کا معاملہ ہے۔ اپنے عاشق زار اور عقیدت میں اندھے خاص الحاح سے مرید کے اعتقاد کا معاملہ ہے، لہذا شرک، ناجائز اور حرام کا فتویٰ دینا تو درکنار بلکہ اپنے مرید کے خلاف توحید و تہذیب و رات و نجات فاسدہ کو مناسب ٹھہرانے کی سعی و کوشش کی جا رہی ہے۔ اپنے مرید کے خیالات فاسدہ کا دفاع کرنے کے لیے معاذ اللہ خدا کو ”غائب“ اور خود کو ”حاضر“ سے متفق کیا۔

اگر تھانوی صاحب میں غیرت ایمانی کا ذوق برابر بھی شائبہ ہوتا، تو ایسے خلاف توحید خیالات پر بتلا اٹھتے کیونکہ سوال پوچھنے والا کوئی دیہاتی جاہل نہ تھا کہ جس کو چھٹے نمبر کی تہیز نہ ہو۔ بلکہ سوال پوچھنے والا ایک ذہن دار مولوی تھا۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ جس خلاف توحید شبہ کے ازالے کے لیے مولوی فقیر محمد نے تھانوی صاحب کی طرف رجوع کیا، اس شبہ کا ازالہ کرنے کے بجائے تھانوی صاحب نے اضافہ کر دیا یعنی معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیا بلکہ اٹھتا آسان سلجھتا مشکل والے مقولے پر عمل کر دکھایا۔ یعنی مولوی فقیر محمد صاحب کے دل میں خلاف توحید جو دوسرا تھا، اس دوسرے کو دوڑا کرنے کے بجائے اس دوسرے کی مضبوطی کو منقطع فرما دیا یعنی جو دوسرا جھلک اور نقصان دہ تھا اس کو مناسب بنایا۔ جو دوسرا ایمان کے لیے سم قاتل تھا، اس میں ”غائب“ اور ”حاضر“ کی منطق کا قاتل نہ رہا بلکہ اور خود کے بھی ایمان کے لالے پڑ گئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کو ”غائب“ یعنی غیر موجود کہنا سراسر خلاف توحید اور خلاف آیات قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاشا مستحق ہیں۔ اس مسئلہ میں ایک صاحب ”شہید“ یعنی گوہر

یعنی موجود ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقدس کلام قرآن مجید کی چند آیات کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں:-

○ آیت نمبر ۱:- "إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا"

(پارہ: ۵، سورۃ النساء، آیت ۲۳)

ترجمہ:- "بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔" (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۲:- "هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا"

(پارہ: ۲۸، سورۃ الجاولہ، آیت: ۷)

ترجمہ:- "وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں" (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۳:- "وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ"

(پارہ: ۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۸۶)

ترجمہ:- "اور اسے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک

ہوں۔" (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۴ اور ۵:- "وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ"

(۱) پارہ: ۲۸، سورۃ الجاولہ، آیت: ۶

(۲) پارہ: ۳۰، سورۃ البروج، آیت: ۹

ترجمہ:- "اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔" (کنز الایمان)

○ آیت نمبر: ۶-۷:- "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ

نَفْسُهُ وَنَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ"

(پارہ: ۲۶، سورۃ ق، آیت: ۱۶)

ترجمہ:- "اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وہ سو اس کا نفس

والا ہے۔ اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔"

(کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۷:- "إِنَّ ذَٰلِكَ لِبِالْبِغْضِ"

(پارہ: ۳۰، سورۃ الفجر، آیت: ۱۳)

ترجمہ:- ”بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں۔“ (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۸ اور ۹:- ”إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّلُوفِ“

(۱) پارہ: ۵۱، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۹۱

(۲) پارہ: ۵۱، سورۃ المائدہ، آیت: ۱۰۱

ترجمہ:- ”اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات“ (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۱۰:- ”وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ“

(پارہ: ۲۸، سورۃ النہل، آیت: ۲۰)

ترجمہ:- ”اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔“ (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۱۱:- ”يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ“

(پارہ: ۲۴، سورۃ المؤمن، آیت: ۱۹)

ترجمہ:- ”اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔“ (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۱۲:- ”وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ“

(پارہ: ۲۵، سورۃ الشوری، آیت: ۱۱)

ترجمہ:- ”اور وہی سننا دیکھتا ہے۔“ (کنز الایمان)

○ آیت نمبر ۱۳:- ”وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ“

(پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۵۳)

ترجمہ:- ”اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر ہے۔“ (کنز الایمان)

انہی تو سیکڑوں آیات قرآنیہ پیش کی جا سکتی ہیں، جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت

”شَهِيدٌ“، ”بَصِيرٌ“، ”سَمِيعٌ“، ”عَلِيمٌ“ اور ”خَبِيرٌ“ کا بیان ہے، مندرج بالا کمال

تیرہ (۱۳) آیات شریفہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:-

○ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کا گواہ ہے۔ دیکھو آیت: ۱، ۴، ۳، ۵، اور گواہ کبھی بھی

غائب نہیں ہوتا۔ غائب کی گواہی شرعاً قائلوفا اور عقلاً معتبر و مسنون نہیں۔ اللہ تبارک

و تعالیٰ کی صفت ”شہید“ (گواہ) اس امر کی شک و شبہ ہی سے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز غائب

یعنی غیر موجود، غیر حاضر اور پوشیدہ نہیں۔

⑤ بندہ جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے، دیکھو آیت نمبر ۲، اور جو ساتھ ہوتا ہے وہ غائب نہیں ہوتا بلکہ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی تجلیات و کبریاٰ کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے لہذا وہ ہرگز غائب نہیں ہے بلکہ موجود قریب ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نزدیک ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۳، اور نزدیک وہی ہوتا ہے جو غائب نہیں ہوتا۔ غائب میں نزدیک و قریب ہونے کی مفت و صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ جو غائب ہوتا ہے وہ بعید اور دور ہوتا ہے۔ اتنا دور ہوتا ہے کہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

⑦ اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کے دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک اور قریب ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۶، جب اللہ تعالیٰ بندے کے دل کی رگ سے بھی "أَقْرَبَ" یعنی زیادہ نزدیک ہے تو یقیناً ماننا اور کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز غائب نہیں۔

⑧ اللہ تعالیٰ کی نظر سے کچھ بھی غائب نہیں، دیکھو آیت نمبر ۷، جب اللہ تعالیٰ کی نظر سے کچھ بھی غائب نہیں تو سب کچھ سے اللہ تعالیٰ بھی غائب نہیں۔ اس کی قدرت اور نظر کائنات کی ہر چیز کو محیط یعنی گھیرے ہوئے ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا غائب ہونا محال اور ناممکن ہے۔

⑨ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے، وہ خوب جانتا ہے، دیکھو آیت نمبر ۸، ۹، اور ۱۱، اور جو غائب ہوتا ہے وہ جان نہیں سکتا لہذا الاحمال ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز غائب نہیں ہے۔

⑩ اللہ تعالیٰ بندوں کے کام دیکھ رہا ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۰، اور دیکھنے کے لیے دیکھنے والے کا موجود ہونا لازمی ہے کیونکہ جو غیر موجود یعنی غائب ہوتا ہے وہ دیکھ نہیں سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام کام دیکھ رہا ہے تو اس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہوا کہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ غائب نہیں بلکہ موجود ہے اور بندوں کے

اعمال ملاحظہ فرما رہا ہے۔

② اللہ تعالیٰ ”سبح“ اور ”ہمید“ ہے یعنی ستاد رکھتا ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۲، اور ستاد اور دیکھنا اسی کے لیے ہی ممکن ہے جو غائب نہ ہو بلکہ موجود ہو۔ جب اللہ تعالیٰ ستاد اور دیکھتا ہے تو ثابت ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ موجود ہے اور غائب نہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے تمام کاموں کی خبر ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۳، اور خبر ہونا یعنی اطلاع و معلوم ہونا اسی کے لیے ممکن ہے جس نے کاموں کا مشاہدہ کیا ہو اور مشاہدہ کرنے کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ غائب کے لیے مشاہدہ کرنا ممکن نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کو بندوں کے تمام کاموں کی خبر ہے۔ تو لازمی ہے کہ بندوں کے تمام کام اللہ تبارک و تعالیٰ کے احاطہ مشاہدہ میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ موجود ہے اور غائب نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی مندرجہ بالا مذکورہ صفات سے اللہ تعالیٰ کا غائب نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لیے بھی غائب نہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں وہ دائمی ہیں، عارضی نہیں۔ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ⑤ ازلی ⑥ ابدی ⑦ سرمدی ⑧ قدیم ⑨ واجب الوجود ⑩ غیر مخلوق ⑪ غیر حادث ہے اسی طرح اللہ کی تمام صفات بھی ازلی، ابدی، سرمدی، قدیم، واجب الوجود، غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

② **ازلی اور قدیم**:- یعنی ہمیشہ سے ہیں۔ جس طرح خدا کی ذات ہمیشہ سے ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ہمیشہ سے ہیں۔ ایسا نہیں کہ پہلے صرف خدا نے تعالیٰ کی ذات ہی تھی اور بعد میں اس کی صفات ظہور پذیر ہوئیں بلکہ خدا کی ذات کے ساتھ ساتھ ہی اس کی صفات ہمیشہ سے ہیں۔

③ **سرمدی اور ابدی**:- یعنی ہمیشہ رہیں گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہمیشہ رہے گی اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ہمیشہ رہیں گی۔ ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ خدا کی ذات تو ہمیشہ رہے گی اور اس کی صفات ہمیشہ نہ رہیں۔ بلکہ جس طرح خدا کی ذات ہمیشہ رہے گی اس کی تمام صفات بھی اس کی ذات کے ساتھ ساتھ

باقی رہیں گی۔

◎ واجب الوجود :- یعنی اس کا وجود لازمی اور ضروری ہے۔ خدائے تعالیٰ کی تمام صفات اس کی ذات کے ساتھ ہمیشہ موجود ہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی خدائے تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے الگ وجود نہیں۔

◎ غیر مخلوق :- یعنی پیدا کی ہوئی نہیں۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بفرمان قرآن کلم یلک ولم یولد (پارہ: ۳۰ سورہ اخلاص، آیت: ۳، ترجمہ: - نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے۔) (کنز الایمان) کے مطابق اس کا وجود بذات خود ہمیشہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو لہ یعنی پیدا ہونے سے پاک ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی پیدا ہونے سے پاک اور کسی کے بنانے سے پاک یعنی غیر مخلوق ہیں۔

◎ غیر حادث :- یعنی کبھی بھی زائل اور فنا نہیں ہوں گی، بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات فنا اور زائل ہونے سے پاک اور متزلزل ہے، اس کی تمام صفات بھی فنا اور زائل ہونے سے بری اور سزا ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی ذات ◎ غیر محدود ◎ محیط ◎ حقیقی اور ◎ غیر متناہی ہے۔ اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ان خوبیوں کی حامل ہیں۔

الحاصل ! اللہ تعالیٰ کو ”غائب“ کہا، اس کی صفت ◎ شہید ◎ قریب ◎ عظیم ◎ سبح ◎ بصیر اور خبر میں نقص لگاتا ہے اور شان الوہیت کی تنقیص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جس لفظ میں یا جس وصف میں بارگاہ الوہیت کی تنقیص و توہین کا ہلکا سا شائبہ بھی ہو، ایسے لفظ یا وصف کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کے لیے استعمال کرنا، یا منسوب کرنا، یا اضافت کرنا، اپنے کو دائرہ ایمان و اسلام سے خارج کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ ایسے وصف سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف کرنا کہ جو حقیقت پر مبنی ہونے کے باوجود غیر

◎ آیات قرآنیہ سے اس مسئلے کی وضاحت :-

اللہ تعالیٰ تمام جہان کا مالک و رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی پوری کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام انسان، فرشتے، جنات، چاند و پند، حیوانات و بہائم بلکہ اس کائنات میں جتنے وی روح ہیں، ان تمام کو پیدا فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

◎ آیت نمبر ۱: "ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

فَاعْبُدُوْهُ" (پارہ: ۷، سورۃ الانعام، آیت: ۱۰۲)

ترجمہ:- "یہ ہے اللہ تمہارا رب اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ ہر چیز کا بنانے والا تو اُسے پوجو۔" (کنز الایمان)

◎ آیت نمبر ۲: "قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ"

(پارہ: ۱۳، سورۃ الرعد، آیت: ۱۶)

ترجمہ:- تم فرماؤ، اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے۔" (کنز الایمان)

◎ آیت نمبر ۳: "صَنَعَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَتَقَنَ كُلَّ شَیْءٍ"

(پارہ: ۲۰، سورۃ النمل، آیت: ۸۸)

ترجمہ:- "یہ کام اللہ کا ہے جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز" (کنز الایمان)

◎ آیت نمبر ۴: "وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا" (پارہ: ۱۴، سورۃ النحل، آیت: ۵)

ترجمہ:- "اور جو پائے پیدا کیے۔" (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیات مقدسہ سے ثابت ہوا کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق یعنی بنانے والا اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ علاوہ ازیں آیت نمبر ۴: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پائے یعنی چار پاؤں والے جانور پیدا فرمائے۔ یعنی تمام جانوروں کو پیدا فرمایا۔ تمام جانوروں میں شیر، ہاتھی، بھیڑیا، گھوڑا، اونٹ، بیل، گائے، بکری، خنزیر، وغیرہ سب آگئے۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ تمام جانوروں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاتھی کو بھی اسی نے پیدا فرمایا۔ اور خنزیر یعنی سور کو بھی

اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کو خنزیر کا خالق کہنا جائز نہیں۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

”خداے تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن اس کو ”خالق الخنزیر“ کہنا جائز نہیں۔ شرح عقائد نسفی کی شرح نمبر اس میں: ۱۷۳ میں ہے کہ ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَيَلْزَمُهُ أَنْ يَكُونَ خَالِقُ الْخَنَازِيرِ مَعَ أَنَّهُ يَجُوزُ الْإِطْلَاقُ الْمَلْزُومُ لَا اللَّازِمُ“ (حوالہ:- عجائب اللہ ص: ۶۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ خنزیر (Pig) کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام جانوروں کو پیدا فرمایا ہے۔ تو خنزیر بھی تمام جانوروں میں شامل ہے لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کو ”خالق الخنزیر“ کہنا جائز نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خنزیر ایک لائق نفرت اور قابل قہاحت جانور ہے۔ خنزیر ایک ایسا ناپاک اور حرام جانور ہے کہ اس کی حرمت اور نجاست پر قرآن مجید کی آیات اور متعدد احادیث کریمہ وارد ہیں۔ خنزیر کی حرمت، نجاست اور قہاحت کی وجہ سے اس کی تخلیق کی مخصوص اضافت اللہ تعالیٰ سے کرنا خلاف شانِ الوہیت ہے۔

اگر کسی نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو ”رَبُّ الْعَالَمِينَ“ یا ”خَالِقُ الْكَائِفَاتِ“ یا ”رَبُّ مُخْتَلِفٍ“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ”رَبُّ الْكُفَّةِ“ یا ”خَالِقُ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ“ کہا تو اس نے عین قرآن کے مطابق اور مناسب ہی کہا۔ لیکن اگر کسی نے مندرجہ بالا اوصاف کے بجائے اللہ تعالیٰ کو ”رَبُّ الْخَنَازِيرِ“ یا ”خَالِقُ الْخَنَازِيرِ“ کہا، تو اس نے اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پیدا فرمایا ہے اور تمام جانوروں میں خنزیر بھی شامل ہے لہذا خنزیر کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے، اس حقیقت کے باوجود بھی اس نے نا جائز اور غیر مناسب کہا ہے۔ کیونکہ خالق الخنزیر کہنے میں اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت بیان نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے بارگاہِ خداوندی میں توہین اور گستاخی کرنے کی نیت سے اللہ تعالیٰ کو ”خالق خنزیر“ کہا، تو کافر ہو جائے گا۔

اس کا نکتہ میں سب سے زیادہ عزیز، عظمت، تعظیم، ادب، تعریف، توصیف، مدح

وٹا، بزرگی، برتری، سربا بنا اور خوبی بیان کرنے کے لائق اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق و کائنات کا خالق اور رب ہے۔ خالق کائنات رب تبارک و تعالیٰ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ، عظیم و بالا شان اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکرم، محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین، نبی کریم، رؤف و رحیم، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کی تعظیم و تکریم کا حکم فرمایا ہے:-

”إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُنِيرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّدُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ“

(پارہ: ۲۶، سورۃ الفتح، آیت نمبر: ۸ اور ۹)

ترجمہ:- ”بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانا تاکہ لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔“
(کنز الایمان)

تفسیر:- اس آیت میں وار و لفظ ”شاہد“ یعنی حاضر و ناظر کی تفسیر میں وارد ہے کہ:-

”یعنی اپنی امت کے اعمال و احوال کا تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دو اور مومنین مقررین کو جنت کی خوشخبری اور اور نافرمانوں کو عذاب ووزخ کا ڈر سنانا۔“
(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۲۰)

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار رسالت کے آداب اور سماجی زندگی میں اپنے محبوب کے ساتھ کس طرح کا تعظیم کا برتاؤ کرنا چاہیے، اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس سلسلہ

کی چند آیات قرآنیہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کریں:-

آیت نمبر ۱:-

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا زَاعِمًا وَقُولُوا انظُرْنَا
وَأَسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ“

(پارہ ۱:- سورۃ البقرہ، آیت: ۱۰۳)

ترجمہ:- ”اے ایمان والو! راہنما کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور
پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

(کنز الایمان)

تفسیر:- (شان نزول):-

(۱) ”جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو صحابہ کرام
کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے کہ ”زَاعِمًا يَا رَسُولَ اللَّهِ“ اس کے معنی
یہ تھے کہ یا رسول اللہ! ہمارے حال کی رعایت فرمائیے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح
سمجھ لینے کا موقع دیجیئے۔ یہودیوں کی لغت میں ”زَاعِمًا“ کا کلمہ بے ادبی کے معنی
رکھتا تھا۔ انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ یہودیوں کی اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی
زبان سے سن کر فرمایا: اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت۔ اگر میں نے اب کسی کی
زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن مار دوں گا۔ یہودیوں نے کہا، اے سعد! تم ہم پر
تو خفا ہوتے ہو، لیکن مسلمان بھی تو یہی کلمہ کہتے ہیں۔ یہودیوں کی اس بات پر آپ
رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت
نازل ہوئی، جس میں ”زَاعِمًا“ کہنے کی ممانعت فرمادی گئی تھی اور اس معنی کا دوسرا
لفظ ”أَنْظُرْنَا“ کہنے کا حکم نازل ہوا۔“ (مسئلہ) ”اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام
کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں

ترک ادب کا شائبہ بھی ہو، وہ زبانِ بڑھانا ممنوع ہے۔“

(۲) "وَاسْتَفْهَمُوا" کی تفسیر میں ہے کہ "اور ہر تن گوش ہو جاؤ تاکہ یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے کہ حضور تو یہ فرمائیں گیونکہ دربار نبوت کا یہی ادب ہے۔" (مسئلہ) "در بار انبیاء میں آدمی کو ادب کے اعلیٰ مراتب کا لحاظ لازم ہے۔"

(۳) "لِلْكَافِرِينَ" میں اشارہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔" (حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۲۹)

نوٹ:- صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ رسالت میں کمال ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے ہی "رَاجِعْنَا" عرض کرتے تھے لیکن اس لفظ کی آڑ میں بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو بے ادبی اور توہین کرنے کا موقع ملتا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے صالحین بندوں یعنی صحابہ کرام کو بھی اس لفظ سے استعمال کی ممانعت فرمادی تاکہ دشمنوں کو بارگاہ محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

آیت نمبر ۳:-

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَوَفُّوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ"

(بارہ: ۴۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۳)

ترجمہ:- "اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔" (کنز الایمان)

آیت نمبر ۳:-

"قُلْ وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُبَدِّلُوا ذَنُوبَهُمْ"

marfat.com

(پارہ: ۵۰: سورۃ النساء، آیت: ۶۵)

ترجمہ:- ”تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے، جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔“ (کنز الایمان)

آیت نمبر ۴:-

”فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي
أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“

(پارہ: ۹: سورۃ الاعراف، آیت: ۱۵۷)

ترجمہ:- ”تو وہ جو اس پر (محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر) ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی پامراد ہوئے۔“ (کنز الایمان)

آیت نمبر ۵:-

”وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَادَّيْتُمُ الزَّكَاةَ
وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ“

(پارہ: ۶: سورۃ المائدہ، آیت: ۱۴)

ترجمہ:- ”اور اللہ نے فرمایا ہے شک میں ضرور تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔“ (کنز الایمان)

آیت نمبر ۶:-

”لَا تَجْعَلُوا أَعْمَارَ الْمُرْسُولِ بَيْنَكُمْ كَدَعَا: يَغْضِبُكُمْ بَغْضًا“

(پارہ: ۱۸: سورۃ النور، آیت: ۶۳)

ترجمہ:- ”رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔“ (کنز الایمان)

◎ اس سلسلہ کی چند دیگر آیات :-

یہاں تک ہم نے صرف چھ آیات مقدسہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ ان میں سے صرف آیت نمبر ۷ کے ضمن میں بہت ہی مختصر تفسیر پیش کی ہے، بقیہ پانچ آیات کے صرف تراجم ہی ارقام کیے ہیں۔ طول تحریر کے خوف کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان آیات کی تفسیر اور شان نزول کی تفصیل نہ لکھنے کی کوتاہی پر ہم اپنے معزز اور کرم فرما قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ مزید برآں اسی سلسلہ کی چند دیگر آیات کی بھی نشاندہی کیے دیتے ہیں :-

(۷) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ

لَكُمْ﴾ (النح) (پارہ ۲۴، سورۃ الاحزاب، مجلد ۵۳)

(۸) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَلِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ

نَجْوَكُمْ صَدَقَ﴾ (پارہ ۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت: ۱۲)

(۹) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُتَّبِعُونَكَ إِنَّمَا يُتَّبِعُونَ اللَّهَ

(پارہ ۲۶، سورۃ النح، آیت: ۱۰)

(۱۰) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلُمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۱)

(۱۱) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

(پارہ ۹، سورۃ الاحفال، آیت: ۲۳)

(۱۲) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْعُشُونَ أَمْوَالَهُمْ حَيْثُ رَسُولُ اللَّهِ

(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۳)

(۱۳) ﴿وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا

(پارہ ۲۴، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۶)

(۱۴) ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۶۱)

(۱۵) ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾

(پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت: ۱۰۳)

(۱۶) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا

يَفْقَهُونَ﴾ (پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۳۰)

(۱۷) ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾

(پارہ ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت: ۶۰)

(۱۸) ﴿قُلْ أَتَا لَهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولُهُ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾

(پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۶۵)

مندرجہ بالا کل بارہ آیات قرآنیہ کے علاوہ کئی آیات قرآنیہ کی جا سکتی ہیں۔ جن تمام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا حکم فرمایا ہے۔ اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر کرنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا ہے اور عظیم بشارتوں کے وعدے فرمائے ہیں اور شانِ اقدس میں توہین و تنقیص کرنے والوں کی سخت تعزیر و سزا فرما کر عذابِ عظیم کی وعید سے ڈرایا ہے۔ مثلاً:-

☆ میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایسے لفظ کا بھی استعمال نہ کرو کہ دشمنوں کو اس لفظ کی آڑ میں توہین کرنے کا موقع ملے۔ دیکھو آیت نمبر ۱،

☆ میرے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو اور ان کے سامنے جھج کر یا چلا کر بات مت کرو، جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ اگر تم نے دربار رسالت کا ادب ملحوظ نہ رکھا اور میرے حبیب اکرم کے ساتھ عام انسانوں کی طرح گفتگو کی تو تمہارے عمل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ دیکھو آیت نمبر ۲۔

☆ اپنے ذاتی معاملات کا فیصلہ میرے محبوب کے سپرد کرو۔ میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا ”حکم“ یہ دل سے تسلیم کر کے ان کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے، وہ تمام ذاتی معاملات کے محضروں کے متعلق جو کچھ بھی حکم صادر

فرمائیں، اس میں ذرہ برابر بھی چوں و چراست کرو۔ ان کے اہل فیصلے پر تم نے ان کی یا کسی قسم کا تردد و تامل کیا تو تم مؤمن کہلانے کے لائق نہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۰۔
 جو لوگ میرے رسول اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم و نصرت و اطاعت کی، وہی لوگ با مراد ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۱۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لائے، رسولوں کے تعظیم و توقیر بجالائے اور قرعہ نماز و زکوٰۃ کو ادا کیا، ان لوگوں پر اپنے انعام و اکرام کی نوازش فرماتے ہوئے رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان کے ساتھ ہوں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۲۔
 اور جس کو اللہ کا ساتھ مل گیا، وہ یقیناً اللہ والا ہو گیا۔

جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اس طرح میرے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مت پکارو۔ دیکھو آیت نمبر ۱۳۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔

میرے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں بغیر اجازت داخل ہونے کی جرأت مت کرو۔ ہاں وہ اگر کھانے کے لیے بلائیں تو حاضر ہو جاؤ اور کھانا کھانے کے بعد وہاں بیٹھ کر گفتگو میں مشغول مت ہو جاؤ، بلکہ روانہ ہو جاؤ۔ تمہارا بیٹھا رہنا مکان کی تنگی کی وجہ سے میرے محبوب کے اہل خانہ کے لیے تکلیف و مشقت کا باعث ہوتا ہے لیکن میرا محبوب حسن اخلاق کا پیکر جمیل ہونے کے وجہ سے تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن محبوب اعظم کی اس تکلیف پر میں تمہیں متنبہ فرماتا ہوں کہ اب سے اس طرح بیٹھے رہ کر میرے محبوب کو تکلیف و مشقت مت پہنچاؤ۔ دیکھو آیت نمبر ۱۴۔

اے میرے ایمان والے! اگر تم میرے محبوب کی بارگاہ عالی میں کچھ عرض و معروض کرنا چاہتے ہو تو اپنے معروضات پیش کرنے سے پہلے کچھ صدقہ (خیرات) کرو۔ دیکھو آیت نمبر ۱۵۔

جو لوگ میرے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کرتے ہیں گویا کہ وہ مجھ

سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۹۔ اسی طرح جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں، درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو۔ دیکھو آیت نمبر ۱۰۔

۲۔ اے اللہ کے مومن بندو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔ رسول تمہیں کسی امر کی طرف بلائیں یعنی ایمان، جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی طرف بلاتے ہیں تو ان کا یہ بلا تمہیں دائمی حیات بخشنے کے لیے ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۱۔

۳۔ جو لوگ بارگاہ رسالت کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں پشت کرتے ہیں اور بلند آواز سے گفتگو کرنے سے اجتناب کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیز گاری کے لیے جن لیے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۲۔

۴۔ کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کے معاملہ میں جب اللہ و رسول کوئی حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار نہیں رہتا۔ دیکھو آیت نمبر ۱۳۔ یعنی اللہ و رسول کا حکم ان کے لیے حرف آخر کی طرح نافذ ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں کوئی بھی شخص اپنے نفس کا بھی خود مختار نہیں۔

۵۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب یعنی دوزخ کا سخت عذاب ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۴۔

۶۔ میرے محبوب اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعائیں ہمارے دلوں کا جین ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۵۔

۷۔ میرے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو لوگ جبروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثرے عقل ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۶۔ یعنی انہیں اپنی بے عقلی کی وجہ سے

بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا شعور نہیں۔

○ اسے مسلمانو! اچھی طرح جان لو! تمہارے جسموں میں جو جان ہے اس جان کے مالک بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۷۔

○ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں گستاخی کا کلمہ بول کر پھر یہ عذر کرتا کہ ہم نے تو حین کی نیت سے ایسا نہیں کہا بلکہ یونہی فنی کھیل اور دل لگی کے طور پر ایسا کہا ہے۔ یہ عذر ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ اللہ فرماتا ہے کہ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے جھٹتے ہو؟ بھانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے ایمان لانے کے بعد۔ دیکھو آیت نمبر ۱۸۔

الحیصل :-

اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت، ادب و احترام، اور تعظیم و توقیر کا پرہیز کرنا اللہ تعالیٰ کو نہایت پسند ہے، اللہ ان لوگوں سے ہمیشہ راضی رہتا ہے جو لوگ اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم اور ادب و توقیر بجالانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام در حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ہر مومن پر لازم ہے بلکہ ایمان کی جان ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ :-

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَ
النَّاسِ أَجْمَعِينَ“ (مشکوٰۃ شریف، باب الایمان)۔

ترجمہ:- ”تم میں کا کوئی بھی مؤمن ہو نہیں سکتا، جب تک اس کے نزدیک میں اس کی اولاد سے، والدین سے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔“

اس حدیث پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کامل طور پر عمل کیا اور ”رضائے الہی“ کے حقدار بنے۔ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر تابعین عظام، تبع تابعین کرام، ائمہ دین، صالحین، اولیاء کاملین، علمائے ملت اسلامیہ وغیرہ نے اپنے اقوال و کردار کے ذریعہ عالم دنیا کو ”عشق نبی“ اور ”تعلیم رسول“ کا پیغام حق دیا اور لوگوں کے ایمان کو پختہ و جلا بنایا۔ تحفظ ناموس رسالت کے لیے اپنا سب کچھ نثار کرنے کا جذبہ قوم مسلم میں زندہ رکھا اور ملت اسلامیہ کو ایمان کی حلاوت اور شیرینی سے روشناس کرایا۔

لیکن:

افسوس! صد افسوس! اس دور میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو بظاہر تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ”روح ایمان“ یعنی محبت و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محروم ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و توفیر سے ایسے بھاگتے ہیں کہ گویا انہیں سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ لوگوں کو عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روکتے ہیں۔ جب کبھی بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و توفیر کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تب فوراً توحید کا جھنڈا بلند کر کے ”شرک“ اور ”بدعت“ کے فتویٰ کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔ بارگاہ رسالت میں تو تین و تین قبیلے کرنے کی غرض فاسد سے قرآن مجید کی آیات کے غلط تراجم و مطالب اور خود ساختہ توضیح پیش کرتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے۔ البتہ! جب اپنے پیشواؤں کا معاملہ سامنے آتا ہے تب اپنے خود ساختہ توحید کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً:-

منافقین زمانہ کے اعتقاد اور نظریات

(۲) اپنے پیرواؤں کے متعلق	(۱) حضور اقدس کے متعلق
<p>”مولوی رشید احمد گنگوہی کا درجہ انسانیت سے بالا ہے۔ وہ ایک فرشتہ مقرب تھے، جو انسانوں میں ظاہر کیے گئے“</p> <p>(حوالہ:- حکایت اولیاء، ص: ۲۵۹، حکایت نمبر ۱۳۲، اور سوانح قاسمی، جلد ۱: ص: ۱۳۰)</p>	<p>”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفس بشریت میں جملہ بنی آدم کی طرف سے ہیں“</p> <p>(حوالہ:- برایین قاطعہ، ص: ۷)</p> <p>نوٹ:- جملہ بنی آدم میں مؤمن، کافر، مشرک، مجوسی وغیرہ ہر انسان شامل ہیں۔</p>
<p>”مولوی حسین احمد ٹانڈوی صدر المدین دارالعلوم دیوبند عالم نور میں رہتے ہیں، ان کی آنکھوں میں، ان کے داہنے، ان کے بائیں اور ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے اور وہ خود نور ہو گئے ہیں۔“ (حوالہ:- الجمعیت دہلی کا شیخ الاسلام نمبر، ص: ۱۲)</p>	<p>”تمام انبیاء و اولیاء سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں۔“</p> <p>(حوالہ:- تقویٰ الایمان، ص: ۹۹)</p> <p>نوٹ:- تمام انبیاء میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آگئے۔</p>

<p>⑤ ”مولوی حسین احمد نانڈوی جو کھدر کالیاس میں کرکلی کو چوں میں کھوئے تھے، وہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا جلوہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی پر پردہ ڈال رکھا ہے اور گزری گاڑے میں ملوث جس نانڈوی صاحب کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے۔ وہ اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اس سرزمین پر دیکھا ہے۔ (حوالہ:- شیخ الاسلام نمبر ۵۹)</p>	<p>⑤ ”حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے ہوئے۔ ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے۔“ (حوالہ:- تقویرت الایمان ص: ۹۹)</p>
<p>⑤ ”مولوی حسین احمد نانڈوی کا دل شریعت کا حامل اور ان کا عمل شریعت کی تفسیر تھا۔ ان کے فضائل و کمالات کی صحیح اطلاع یا تو اللہ تعالیٰ کو ہے یا ان اولیاء و علماء کو ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے۔ ہم جیسے کو چشم مولوی حسین احمد نانڈوی کی ذات کو نہیں پہچان سکتے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۶۷)</p> <p>نوٹ:- جب پہچان نہیں سکتے تو ان کے درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔</p>	<p>⑤ ”جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے، وہ کسی چیز کا مقابلہ نہیں، (حوالہ:- تقویرت الایمان، ص: ۷۰)</p> <p>⑤ ”عمل کے معاملہ میں اتنی بڑا اوقات بظاہر اپنے نبی کے برابر ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ بھی جاتا ہے۔ (حوالہ:- تحذیر الناس ص: ۵)</p>

(۲) اعتقاد منافقین متعلق اپنے پیشوا	(۱) اعتقاد منافقین متعلق حضور اقدس
<p>دارالعلوم دیوبند کے صدر المدین مولوی محمود حسن دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی کو ان کے انتقال کے بعد "آرینی" یعنی "مجھے اپنا دیوار دکھا" کہہ کر پکارا۔ (حوالہ:- مرقیہ گنگوہی، ص: ۱۲)</p>	<p>⑤ "بزرگان دین کو دور اور نزدیک سے پکارنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں، شرک ہے۔" (حوالہ:- تقویت الایمان، ص: ۳۳)</p>
<p>⑥ "مولوی محمود حسن دیوبندی نے دیوبند میں بیٹھ کر گنگوہی نامی مقام میں مدفون مولوی رشید احمد گنگوہی کو مخاطب کر کے "آرینی" یعنی "مجھے اپنا دیوار دکھا" کہہ کر پکارا۔" (حوالہ:- مرقیہ گنگوہی، ص: ۱۲)</p>	<p>⑦ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ کو قبر شریف کے نزدیک یاد رہے یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا کفر ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ علم غیب کے سب سے دور سے سنتے ہیں، کفر ہے۔" (حوالہ:- فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۶۲)</p>

منافقین زمانہ کی کتابوں سے ایسے سیکڑوں متضاد اعتقاد و نظریات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ جو عقیدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رکھنا ان کے نزدیک شرک ہے، وہی عقیدہ اپنے پیشواؤں کے متعلق جائز قرار دیتے ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تب انہیں "توحید خالص" کے اصول یاد آتے ہیں اور جب اپنے پیشواؤں کی عظمت کا معاملہ ہوتا ہے، تب اپنی خود ساختہ توحید کے تمام اصول فراموش کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

⑧ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا

(پارہ: ۸، سورۃ الانعام، آیت: ۱۱۲)

ترجمہ:- ”اور اسی طرح ہم نے برنجی کے دشمن کیسے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کو ان میں کا ایک دوسرے پر خیر خواہ ہے عداوت کی بات دھوکے کو۔“ (تفسیر عمران)

تفسیر:- یعنی دھوکے اور فریب کی بات افوا کرنے کے لیے۔۔۔

(تفسیر فرائین العرقان ص: ۲۵۵)

اس آیت میں صاف ارشاد ہے کہ برنجی کے دشمن ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور وہ دشمن آدمی شیطان اور جنات شیطان ہیں۔ اور انبیائے کرام کے جو دشمن ہوتے ہیں ان میں آپس میں ایسا کٹھ بندھن ہوتا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے خلاف متحد ہو کر خیرہ سازش کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے مطابق جب برنجی کے دشمن پیدا ہوئے ہیں تو انہیں محالہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی دشمن پیدا ہوئے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تعداد دو گرا انبیائے کرام کے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ کے زمانہ اقدس سے لے کر اب تک تقریباً چھ سو سال کے عرصہ دراز میں کافی تعداد میں دشمن رسول پیدا ہوئے ہیں اور آج کے بعد سے قیامت تک دشمنان رسول بکثرت پیدا ہوں گے۔

قرآن دشمنان رسول کا آئین اور مقصد یکساں ہی ہے۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو بین و تفتیش کرنا آیات فقہیات کا سہارا لے کر اور ان آیات کے منہ مانے تراجم اور من گھڑت تفسیر کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و برکت کو گمانے کی کوشش کرنا اور حضور اقدس کو تہرہ تہرہ سے جیسے شر کا بت کرنے کے لیے قُلْ اِنْعَمْنَا بِمُحَمَّدٍ لَّنْکُمْ آیت پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا۔

۱۔ اقدس سنی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کفار و مشرکین معصی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گمانے کے لیے لوگوں کو اس طرح بہکاتے تھے کہ:-

”یہ رسول کو گمانے کا ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ

کیوں نہ اٹار گیا کہ ان کے ساتھ رہ کر ہم کو ڈر سنا دیا غیب سے انہیں کوئی خزانہ کیوں نہ مل گیا یا ان کو کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھاتے۔ خالصوں نے بالآخر قوم سے یہاں تک کہا کہ:-

إِنِّي تَقْبِلُونِ إِلَّا وَجْلاً مُّشْخَرًا (پارہ: ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت: ۸)
ترجمہ:- "تم تو جیروی نہیں کرتے مگر ایک ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا۔"

(کنز الایمان) (تفسیر بحوالہ: تفسیر خزائن العرفان، ص: ۶۳۸ اور ۵۱۵)

دشمنان رسول ﷺ کی مندرجہ پولی کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور بارگاہ رسالت کے دشمنوں کا یہ مقولہ نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

أَنْتُمْ كَيْفَ حَضَرْتُمْ لَكَ الْأَنْتَالُ فَضَلُّوا قَلًا يَسْتَعْلِفُونَ سَبِيلًا

حوالہ:- (۱) پارہ: ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۳۸)

(۲) پارہ: ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت: ۹)

ترجمہ:- "دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں، تو گمراہ ہوئے کہ راہ نہیں پاسکتے۔" (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف لفظوں میں ارشاد ہے کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت گھٹانے کے لیے حضور کا کھانا تناول فرماتا اور بازار میں چلنا بطور مثال پیش کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "عام انسان" ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ أَنْتُمْ كَيْفَ حَضَرْتُمْ لَكَ الْأَنْتَالُ یعنی "اے محبوب! دیکھو! انہوں نے یعنی کفار قریش نے تمہارے لیے کیسی مثالیں دیں ہیں۔ یعنی تمہارا کھانا اور بازار میں چلنا بھربا، بطور سند پیش کر کے تمہیں عام انسان ثابت کرنے کی کوشش کر کے تمہاری عظمت گھٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ تمہاری عظمت گھٹانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ لیکن:- کیونکہ

وَوَفَقْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (پارہ: ۳۰، سورۃ الم نشرح، آیت: ۳)

ترجمہ:- "اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔" (کنز الایمان)

پوری دنیا کے تمام کفار، مشرکین، یہود، نصاریٰ، منافقین، مرتدین اور ادیان باطل کے تبعین جمع ہو کر بھی اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی اور مراتب و درجات کی رفعت نہیں گھٹا سکتے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ بلند فرمائے اس کو کون بچا کر سکتا ہے؟ البتہ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھٹانے کی کوشش کرنے والا اپنے ایمان سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب تعالیٰ ہے کہ "فَضَّلُوا فَلَا يَسْتَبِيلُونَهُ مَبْذِلًا" یعنی "تو گمراہ ہونے کے اب کوئی راہ نہیں پاتے۔"

حضور اقدس، رحمت عالم، جانِ ایمان کو اپنے جیسا بشر کہنے والے حکم قرآن مگر وہ ہیں۔

خوب یاد رکھو کہ:-

① سب سے پہلے نبی کو بشر کہہ کر کافر ہونے والا ابلیس لعین تھا۔ شیطان کے نقش قدم پر چل کر ہر زمانہ کے کافروں، مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں اور منافقوں نے ہی انبیائے کرام کو "اپنے جیسا بشر" کہا ہے اور جنہوں نے انبیائے کرام کو بطور توہین "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا ہے، وہ ایمان و ہدایت سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور گمراہ و بے دین ہیں۔

② کسی بھی نبی کے کسی بھی مؤمن امتی نے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" نہیں کہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر نہیں کہتے تھے۔ صرف کفار، مشرکین اور منافقین ہی حضور اکرم کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے۔

لہذا

③ اس زمانہ میں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہتے ہیں وہ کفار و مشرکین کے طریقہ پر ہیں اور جو لوگ حضور اقدس کو بے مثل و مثل نوری بشر کہتے ہیں، وہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم و توقیر کا سلیقہ عطا فرمائے اور مذہب حق اہل سنت و جماعت پر استقامت عطا فرمائے اور اعمال صالحہ کی توفیق رفیع عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

فظہ السلام

خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

مورخہ:- ۱۴ ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ

اور

خانقاہ رضویہ بریلی

مطابق ۷ ارجولائی ۲۰۰۰ء

کا اونی سوالی

یومِ دو شنبہ

عبدالستار ہمدانی،
”مصرف“

خاص نیل۔ پور بندر (گجرات)

(برکاتی۔ نوری)

مآخذ اور مراجع

- | نمبر | اسماء، کتب | اسماء، مصنفین، مؤلفین وغیرہ |
|------|-----------------------------------|--|
| (۱) | قرآن مجید | کلام اللہ |
| (۲) | کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن | امام احمد رضا محدث بریلی |
| (۳) | بہجہ مغیر | ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی |
| (۴) | تفسیر خزائن العرفان | صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی |
| (۵) | تفسیر روح البیان | علامہ شیخ السخیل حقی بروہی (متوفی ۱۱۳۷ھ) |
| (۶) | عجائب القرآن | علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ |
| (۷) | تفسیر جمل علی الجلالین | سلیمان بن عمر الجلی الشیر بالجبل |
| (۸) | مدارج النبوة | شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) |
| (۹) | الواہب اللہ علیہ علی الشاکل الحمد | علامہ احمد بن محمد المصری القسطلانی شافعی |
| (۱۰) | دلائل النبوة | حضرت ابو نعیم بن عبد اللہ اصمغانی (متوفی ۳۳۰ھ) |
| (۱۱) | شواہد النبوة | علامہ نور الدین عبدالرحمن جانی بن احمد بن محمد |
| (۱۲) | خصائص کبریٰ | امام جلال الدین سیوطی |
| (۱۳) | الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ | قاضی ابوالفضل عیاض بن عمر دہلوی (متوفی ۵۳۳ھ) |
| (۱۴) | علم الخلق | مولوی مشتاق احمد چھترالوی (وہابی) |
| (۱۵) | فیروز اللغات | مولوی فیروز الدین |
| (۱۶) | دی نور ایل پرشین انکسٹریشی | ایس بی پال |
| (۱۷) | قرآنی علوم | مفتی عبدالواحد قادری |
| (۱۸) | تفسیر نعیمی جلد ۳ | مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ |
| (۱۹) | جامع اللغات | مفتی غلام سرور لٹہ پوری |

- (۲۰) مختصر سیرت نبویہ
عبد الشکور کاکوروی (دہلوی)
- (۲۱) فتوح الشام
امام العدل علامہ محمد بن عمر والواقدی
- (۲۲) مرزب
امام جلال الدین السیوطی
- (۲۳) المنجد
امام جلال الدین علی بن محمد بغدادی (م۔ ۷۲۵ھ)
- (۲۴) تفسیر خازن
امام ابو المحسن مسلم بن الحجاج قشیری
- (۲۵) مسلم شریف
امام محمد بن علی دمشقی حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ)
- (۲۶) درمیان شرح توبیر الابصار
علامہ محقق امین الدین محمد بن عابدین شامی
- (۲۷) رد المحتار (فتاویٰ شامی)
مولوی اسماعیل دہلوی (دہلوی) (المتوفی ۱۲۳۶ھ)
- (۲۸) تقویۃ الایمان
صمد الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی
- (۲۹) اطیب البیان و تقویۃ الایمان
تفسیر عزیزی (تفسیر فتح العزیز) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
- (۳۰) تفسیر عزیزی (تفسیر فتح العزیز)
امام جلال الدین سیوطی
- (۳۱) طبقات المفسرین
محمود الحسن دیوبندی (دہلوی)
- (۳۲) ترجمہ قرآن
مولوی اشرف علی تھانوی (دہلوی)
- (۳۳) ترجمہ قرآن
عاشق الہی میرٹھی (دہلوی)
- (۳۴) ملات الصفاء فی نور المصطفیٰ
(علی حضرت) امام احمد رضا محدث بریلوی
- (۳۵) دلائل النبوة
امام ابوبکر بن حسین بیہقی شافعی (متوفی ۴۵۸ھ)
- (۳۶) افضل القرنی
امام ابن حجر عسقلانی
- (۳۷) شرح المواہب اللدنیہ
علامہ الفس محمد بن عبد الباقی الزرقلانی مالکی
- (۳۸) التیس فی احوال انفس نفیس
علامہ حسین بن محمد بن حسن دریابری
- (۳۹) مقلع السموات شرح دلائل اثبورات
علامہ امام محمد مہدی بن احمد قاسمی (المتوفی ۱۰۲۳ھ)
- (۴۰) جواہر البحار
علامہ امام عبدالکریم انجلی
- (۴۱) موضوعات کبیرہ
ملا علی محمد بن سلطان محمد بن علی قادیانی

- (۴۳) تفسیر کبیر (تفسیر رازی) سقاچ الغیب امام فخر الدین محمد بن عمر بن محمد رازی شافعی (م۔ ۶۰۶ھ)
 (۴۴) جہاد علی المسلمین فی جہات سید الرطین علامہ یوسف بن اسماعیل بنہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ)
 (۴۵) اشعۃ النہایت شرح مشکوٰۃ (فارسی) شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین سعد
 (۴۶) الاسان والعلی امام احمد رضا محدث بریلوی (علی حضرت)
 (۴۷) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری امام احمد بن محمد انصاری القسطلانی
 (۴۸) نوادر الاصول امام محمد بن یحییٰ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)
 (۴۹) جمع الوسائل ملا علی بن سلطان محمد ہروی قاری کجی قلی
 (۵۰) تفسیر مدارک الشریعہ امام اہل علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسبی (م۔ ۷۱۵ھ)
 (۵۱) نسیم اریض شرح شفا فی کاشی میاض علامہ امام احمد شہاب الدین خفاجی مصری
 (۵۲) مکتوبات ماہرانی (حمید قازم) شہف امام ربانی محمد والف ثانی سرہندی
 (۵۳) سبیل احمد فی سیرۃ خیر العباد علامہ محمد بن یوسف شامی
 (۵۴) داری ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل بن الہمام (م۔ ۷۲۵ھ)
 (۵۵) معجم مشیر ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ابوبلرانی (م۔ ۷۳۰ھ)

تحت بالخیر

- ◆ کیا حضور اقدس ﷺ عام انسانوں کی طرح بشر تھے؟
- ◆ حضور اقدس ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنے والے کون تھے؟ اور کون ہیں؟
- ◆ کفار، مشرکین اور منافقین کا انبیائے کرام کی بشریت کے متعلق کیا نظریہ تھا اور ہے؟
- ◆ مؤمنین اور خصوصاً صحابہ کرام کا انبیائے کرام کی نوری بشریت کے متعلق سے کیا عقیدہ تھا؟
- ◆ حضور اقدس ﷺ کی بے مثال نوری بشریت کے عنوان پر اپنے موضوع کی منفرد کتاب بلکہ حرف آخر کی حیثیت رکھنے والی نادر زمین تعریف لکھیں۔
- ◆ اس کتاب کو پڑھ کر بہت سے ناواقف اور گمراہیت کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے نظریات فاسدہ اور افکار باطلہ سے توبہ کر کے راہِ راست پر آ گئے۔

خیر بشر کی نوری بشریت

: مصنف :

مناقر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی "معروف" (برکاتی نوری)

پور بندر - کجرات

قیمت (70.00) عمدہ طباعت اور اعلیٰ معیاری کاغذ

marfat.com

حیاتِ علی مرتضیٰ

(اول)

مُصَنَّف

ملک العلماء حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین بہاری قدس سرہ

ترتیب جدید

مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی

کشمیر پبلشرز

رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ وَكَرَّمَ صَحَابَهُ مَنِ اسْتَضَاءَ بِنُورِهِ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی تقریباً تین سو تھما سائے کا غود (۳۶۶۲) احادیث و آثار

اور (۵۵۵) افاداتِ دعوئے پر مشتمل علوم و معارف کا گنج گرانمایہ

الْمُخْتَارُ فِي الْأَرْوَاحِ وَالْأَفْئِدَةِ وَالْأَلْسِنَةِ وَالْأَلْبَابِ وَالْأَلْمِيقَاتِ

وَالْأَقْبَامِ وَالْأَنْبَاءِ

جامع الاحادیث

میں سے افاضی

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی

جلد دوم

تقدیم ترتیب: ترمذی، ترجمہ

مولانا محمد حنیف خان رضوی بریلوی

صدر المسندین بامدنیہ رضویہ بریلی شریف

تأسیس

شبیر برادرز

40 اردو بازار لاہور 7246006
 marfat.com

قصص الانبياء ﷺ

شیخ الاسلام الامام الحافظ عماد الدین محمد بن اسماعیل حرر و تہمت علی

امام ابن کثیر

مترجم

علامہ الحاج الحافظ الشیخ محمد الشاہ مدظلہ

فاضلہ جامعہ نظامیہ رضویہ - لاہور

ناشر:

اردو سہ ماہی
لاہور

شبیر بکرائی

marfat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 مَنْ يَرْدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

مَجْمُوعَةٌ
فتاویٰ بریلی شریف

مصدقہ
 اساتذہ الفقہاء عظام و محققین
 حضرت علامہ مفتی قاضی
محمد عبدالرحیم
 صاحب استوی
 مدظلہ العالی



مصدقہ
 تاج الشریعہ علامہ آغا
 آغا علی
محمد رضا
 قاضی اذہری
 دام ظلہ علینا

ترتیب
محمد عبدالرحیم المعروف بفتاویٰ محمد یونس رضا اویسی
 مرکزی دارالافتاء مسجد السرخس بریلی

marfat.com

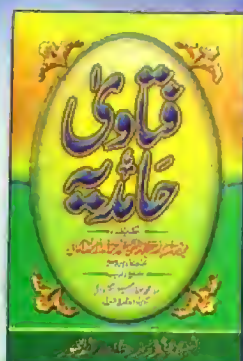
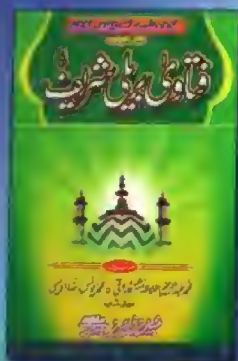
فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
تو اسے پوچھو علم والوں سے اگر تمہیں علم نہیں

فتاویٰ حامدہ

تصنیف
حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خان عادی، کالج دہلی، دہلی، ہندوستان

جمع و ترتیب
مولانا محمد عبدالرحیم نشتر قادری، مرکزی دارالافتاء، دہلی، شریف

تأیید
شبیر برادرزہ ۴۰۔ اردو بازار لاہور



مکتبہ دارالقرآن کراچی